اربابِ اقتدار
سے
کھری کھری باتیں
عکسی
جلد سوم
حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ
مکتبہ لدھیانوی

اربابِ اقتدار

سے

کھری کھری باتیں

جلد سوم

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ لدھیانوی

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

بحمد اللہ ''ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں'' جلد اول و دوم شائع ہوکر قارئین اور اربابِ علم و فضل سے دادِ تحسین حاصل کرچکی ہیں اور مزید جلد سوم کا تقاضا تھا۔

لہٰذا ایسے وہ تمام مضامین جن پر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے انتظامیہ، حکومت، اربابِ اختیار یا اربابِ اقتدار کو مخاطب کیا ہے، ان کا لب و لہجہ اور اندازِ تخاطب کی شان ہی کچھ نرالی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ایسے تمام مقالات و مضامین کو سن وار باحوالہ نقل کرکے ''اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں'' جلد سوم قرار دیا جائے جو پیش خدمت ہے۔

پیش نظر جلد میں بعض مضامین و مقالات تو بالکل جدید ہیں، البتہ ''حسنِ یوسف'' میں شامل ''نفاذِ شریعت'' اور ''شعائر اسلام کا تحفظ'' کے عنوان سے متعلق تمام مضامین کو بھی اس جلد میں شامل کردیا گیا ہے، اس طرح ان موضوعات سے متعلق تمام مضامین و مقالات یکجا ہوگئے ہیں، یوں ''حسنِ یوسف'' کو ''اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں'' جلد دوم اور سوم میں مکمل طور پر ضم کردیا گیا ہے، لہٰذا اب آئندہ

’’حسنِ یوسف‘‘ نام کی کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر سعی و کوشش کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبولیت نصیب فرما کر ہماری نجات و مغفرت، کارکنان و معاونین خصوصاً مولانا نعیم امجد سلیمی، حافظ محمد عتیق الرحمٰن لدھیانوی اور بھائی عبداللطیف طاہر صاحب کے لئے دنیا و آخرت کی کامرانی و سرخروئی، حضرت شہیدؒ کے رفعِ درجات اور ناکارہ مرتب کی نجاتِ آخرت کا باعث بنائے، آمین!

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

۱۴۲۲/۵/۱۶ھ

فہرست

نفاذِ شریعت ۹

شعائرِ اسلام کا تحفظ

نفاذِ شریعت

اسلام پاکستان میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد'

شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شاعر کو اس کی طمع خام ڈاکوؤں کی خدمت میں لے گئی' قصیدہ خوانی کے بعد انعام کا خواستگار ہوا' امیر کی جانب سے حکم ہوا کہ اس کے کپڑے اتار لئے جائیں اور اسے باہر دھکیل کر اس کے پیچھے کتے چھوڑ دیئے جائیں' حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ بیچارہ بیک بنی و دو گوش باہر نکال دیا گیا' اور کتے چھوڑ دیئے گئے' اس نے کتوں کو دفع کرنے کے لئے زمین سے پتھر اٹھانا چاہا' لیکن زمین یخ بستہ تھی' کہنے لگا:

"ایں چہ حرام زادہ مردمانند کہ سگ را
کشادہ و سنگ رابستہ"

(یہ لوگ کس قدر فتنہ پرور ہیں کہ کتوں کو کھول رکھا ہے اور پتھر باندھ دیئے ہیں) امیر بالاخانے میں بیٹھا شاعر کی حالت زار کا تماشا دیکھ رہا تھا' شاعر کی یہ بات سن کر ہنسا اور کہنے لگا مجھ سے کوئی درخواست کرو' شاعر نے کہا میرے کپڑے مجھے واپس کر دیئے جائیں تو احسان ہو گا کیونکہ مجھے خیر کی توقع نہیں' اذیت تو نہ دیجئے:

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

امیر نے اس کے کپڑے واپس کر دیئے "وذرمے چند دلو" اور چند ٹکے بھی اس کے حوالہ کئے۔

شیخ کا مبینہ..... قصہ اس ملک میں غریب اسلام کے ساتھ پیش آ رہا ہے۔ اسلامی جذبہ کے تحت..... یہ ملک حاصل کیا گیا' لیکن ہوا یہ کہ اسلام کو برہنہ کر کے دھکیل دیا گیا اور کفروارتداد اور تحریف و الحاد کے کتے اس کے پیچھے چھوڑ دیئے گئے' اور دوسری طرف اسلام کا دفاع کرنے والی زبانیں یخ بستہ (پابند) کر دی گئیں اور اب اسلام موت و حیات کے دوراہے میں کھڑا بڑی بے بسی کے عالم میں "مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں" کی درخواست کرتا ہے' لیکن کسی کو اس کی حالت پر ترس نہیں آ رہا ہے بلکہ ارباب بست و کشاد بڑی دلچسپی سے مصروف تماشا ہیں اور اسلام کے بعض نام لیوا گوشہ عافیت میں بند پڑے ہیں اے کاش کسی کو اس کی حالت پر رحم آتا اور اس کے اصل کپڑے ہی کم از کم واپس کر دیئے جاتے۔

یہاں اسلام کو انکار ختم نبوت کا صدمہ پیش آیا' لیکن عالم بالا کے لوگ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ احادیث نبویہ کا تمسخر اڑایا گیا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ حدود اللہ کا انکار کیا گیا لیکن کسی کو جنبش نہ ہوئی۔ شراب' جوا اور سود کی حلت کے فتوے صادر ہوئے۔ لیکن کسی کی جبین غیرت پر شکن نہ پڑی۔ اب اسلامی شعائر کو منہدم کر کے اس کے کھنڈروں پر "جاہلیت جدیدہ" کے محل تعمیر کئے جانے کے منصوبوں کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ لیکن کوئی بااختیار شخصیت ایسی نہیں جو ان لوگوں کے ہاتھ سے اسلام کو مسمار کرنے والے اوزار چھین لے۔

ڈاکٹر فضل الرحمان صاحب جو یہودی تعلیم و تربیت کے زیر اثر پروان چڑھے۔ بڑی آزادی کے ساتھ اسلامی مسائل کی قطع و برید اور یہودیانہ تحریف پر خامہ فرسائی فرما رہے ہیں' گزشتہ ماہ سے جس بحث کا آغاز انہوں نے کیا۔ اب ہر کس و ناکس اس پر اظہار خیال کر رہا ہے۔ زکوٰۃ جیسے قطعی فرض کو ٹیکس قرار دینے کے لئے بالکل لچر پوچ دلائل اور بے سروپا دعوے پیش کئے جا رہے ہیں' لیکن علمائے کرام پر باستثنائے

معدودے چند سناٹا طاری ہے۔ متدین اہل قلم دوسرے بالکل معمولی نوعیت کے مسائل پر تو خامہ و قرطاس کا شغل رکھتے ہیں، لیکن اس اسلامی تحریف کے خلاف کلمہ حق کی تحریر سے محروم ہیں۔ ملک کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں چھوٹے انسانی حادثوں پر تحاریک التوا پیش کی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے اس عظیم حادثہ کے خلاف کسی قسم کی آواز ندارد، ملک کی اعلیٰ عدالتیں ہتک عزت کے ہلکے پھلکے مقدمات کا نوٹس لیتی ہیں، لیکن اسلام کے ساتھ ناروا سلوک انکے دائرہ کار سے خارج۔ ارکان دولت ہر مظلوم کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار ہیں لیکن غریب الوطن اور مظلوم اسلام کی آہ و فغاں انہیں سنائی نہیں دیتی۔ ان حالات میں اگر اسلام، رب عرش کے سامنے فریاد کرے اور غیرت خداوندی ہمارے انتقام کے لئے جوش میں آ جائے تو کیا بعید ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے:

"والذی نفسی بیدہ لتامرون با لمعروف ولتنھون عن المنکر اولیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقابا" منہ فتدعونہ فلا یستجیب لکم"

(ترمذی جلد ۲ ص ۳۹ عن حذیفہؓ و حسنہ)

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمہیں معروف کا حکم کرنا ہوگا اور منکر سے باز رکھنا ہوگا، ورنہ بہت جلد اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجے گا، پھر تم اس سے دعا کرو گے لیکن قبول نہ کی جائے گی۔"

دوسری حدیث میں ہے:

"ان الناس اذراوا ظالما" فلم یاخذوا علی یدیہ (فی روایۃ اذا راوا منکرا" فلم یغیروہ) اوشک ان

یعمھم اللہ بعقابہ"

(رواہ الترمذی عن ابی بکر الصدیق و قال ھذا حدیث حسن صحیح ص۱۳۱ ج۲)

ترجمہ :" جب لوگ ظالم کو دیکھیں لیکن اس کا ہاتھ نہ پکڑیں (اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب لوگ منکر کو دیکھیں لیکن اسے دفع نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب عام کی لپیٹ میں لے لیں۔"

میں پاکستان کی ملت اسلامیہ کے تمام طبقات سے صاف صاف کہنا چاہتا ہوں کہ اگر عذاب الٰہی سے بچنا ہے تو ان لوگوں سے اسلام کے دامن کو بچاؤ، اسلام کے قطعی مسائل میں مشاغبہ پردازوں کے ہاتھ پکڑو، ملت اسلامیہ کے خلاف زہر اگلنے والوں کی زہرافشانی بند کرو اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت میں ترمیم و تنسیخ کرنے والوں کو کھیل تماشے کا موقع نہ دو، اگر ایسا نہیں کرتے ہو تو خدائی انتقام کے لئے تیار ہوجاؤ۔ حق تعالیٰ کی رحمت نے ہمیں ۱۸ سال کی مہلت دی مگر یہاں اصلاح احوال کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی، بلکہ ہم اپنے حالات کو بد سے بدتر بناتے چلے گئے اور ہم تدریجاً" شروفساد کے اس نقطہ پر آکھڑے ہوئے جہاں پہنچ کر غفلت شعار قوموں کو کم مہلت دی جاتی ہے۔

انگریز کے بدترین دور حکومت میں اگر کسی غیر مذہب کا باجا بجتا ہوا مسجد کے سامنے گزر جاتا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا، آج ریڈیو پاکستان کے فحش اور حیاسوز نغموں نے خدا کے گھروں کو بھی بازاری شور و شغب سے بھر دیا ہے اور مسلمان خدا کے حضور میں کھڑا ہو کر فحش گانے سننے پر مجبور ہے۔ عین جمعہ کے خطبہ اور نماز کے وقت موسیقی کی آوازیں منبر و محراب سے ٹکراتی ہیں لیکن نہ ریڈیو کے کارپردازوں کا ایمانی

احساس انہیں اس قبیح طرز عمل کے بدلنے پر مجبور کرتا ہے اور نہ ملت کی اسلامی غیرت انہیں صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ کیا اسلامی سلطنت میں نشرواشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ ریڈیو ان ہی اقدار کا حامل ہونا چاہئے جن کا مظاہرہ ریڈیو پاکستان سے کیا جاتا ہے۔ الیس منکم رجل رشید؟

کسی وقت مسلمان عورت کی ناموس کے تحفظ کے لئے حجاج جیسا ظالم بے چین اور بے قرار ہو جاتا تھا' آج اخباری بیان کے مطابق عید میلاد النبیؐ کے مقدس نام کی لاج یہ رکھی جاتی ہے کہ میلادالنبیؐ کے جلوس میں ملت کی معصوم بیٹیوں کو سربازار چھیڑا جاتا ہے لیکن نہ ملت اسلامیہ کے خون میں جوش آتا ہے اور نہ ارباب انتظام کے لئے یہ تشویش کا موجب ہوتا ہے۔ کسی اگلے وقت کی بات ہے کہ اسلامی عقیدہ میں تصویر سازی' بت تراشی کے ہم سنگ تھی۔ اسلام کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تصویر اور تصویر سازوں کو ملعون اور راندۂ درگاہ خداوندی قرار دیا تھا۔ تصویر رکھنے والوں کو رحمت خداوندی سے محروم اور اس مکان کو جس میں تصویر ہو خیروبرکت سے خالی فرمایا تھا اور" تصویر بنانے والوں کو اشد الناس عذابا" (سب سے زیادہ معذب) کی وعید سنائی تھی' لیکن ہماری غباوت نے اس مجموعہ لعنت کو اسلامی ثقافت اور آرٹ کا نام دے ڈالا۔ آج اسلامی حکومت میں کوئی اخبار اور رسالہ الاماشاء اللہ اس بت تراشی کی دولت سے محروم نہیں رہنے دیا گیا۔ آج ہر گھر اخبار کی بدولت بتکدہ آزری ہے۔ جہاں نظر اٹھاؤ' تصویر سامنے ہو گی' بازار سے ماچس خریدو تو دام دے کر تصویر خریدنی ہو گی تصویر کے بغیر صدر صدارت کے منصب پر فائز نہیں ہوتا' وزیروزیر نہیں بنتا' اور حاکم کی حکومت اس کے بغیر نہیں پھبتی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حاجی کا حج اس کے بغیر منظور نہیں ہوتا۔ یہ بت شکن قوم آج بت فروش اور بت پسند بن کر رہ گئی ہے۔ ملت پاکستان کا ہر فرد بت زیر بغل ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ

نہ صرف اس بدعملی کی نفرت قلوب سے نکل گئی ہے بلکہ اس کے جواز واستحسان کو ثابت کرنے کے لئے مظلوم اسلام کے نام کو بلا دریغ استعمال کرنے کے لئے پریس کی پوری قوت کو خرچ کیا جاتا ہے۔

کبھی ملت اسلامیہ پر وہ دور بھی گزرا جب اگر حکومت وقت نے مسلمانوں کے پرسنل لا میں ذرا سی مداخلت کی تو پوری ملت بے چین ہو گئی اور بالآخر حکومت کو اپنی جرأت بیجا واپس لینی پڑی' لیکن آج اسلامی حکومت میں قرآن و سنت کی صریح مخالفت کا اقرار کرنے کے باوجود عائلی قوانین نافذ ہیں اور ہر عام وخاص اس پر عملدر آمد کی وجہ سے قرآن و سنت اور اجماع امت کو نظرانداز کرنے پر مجبور ہے' اور متجددین کی کھیپ اس کو قرآن و سنت سے ثابت کرنے کی خدمت میں مصروف ہے تاکہ ملت اسلامیہ کا ذہن تدریجاً" اس زہرِ ہلاہل کو قند سمجھ کر اس کے ہضم کے لئے آمادہ ہو جائے۔

ابھی ملت پر اس دور کو گزرے ہوئے زیادہ مدت نہیں ہوئی ہے جب کہ ایشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کا عدیم النظیر شیخ الحدیث' بلامبالغہ تمام اسلامی کتب خانے کا حافظ' اسلام کی حقانیت کی چلتی پھرتی تصویر' ایمان و احتساب اور علم و عمل کا پہاڑ السید الامام العلامتہ الحافظ الحجتہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری نوراللہ مرقدہ دارالعلوم کی مسندِ صدارت پر بیٹھ کر بڑی صفائی سے اعلان کرتا تھا کہ:

ما فن الا وفیه لی رائی غیر الفقه فانی فیه
مقلد صرف ولا آری فیه حقا" الا لمن حصل له
الاجتهاد !

(فیض الباری ص ۱۹۷ ج ۴)

ترجمہ :" بحمداللہ ہر فن میں مجھے بصیرت حاصل ہے اور میں اس میں اپنی مستقل رائے رکھتا ہوں، لیکن علم فقہ میں خالص مقلد ہوں اور میرے نزدیک فقہ میں گفتگو کا حق صرف اسی شخص کو حاصل ہے جو منصب اجتہاد پر فائز ہو جو مجھے حاصل نہیں"۔

میں نے اپنے اساتذہ سے حضرت شاہ صاحب (نوراللہ مرقدہ) کا یہ ارشاد بھی سنا ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے :

"مولوی صاحب! شیطان مجھے ہر راستہ سے گمراہ کر سکتا ہے (کیونکہ معصوم نہیں ہوں) لیکن اس راستہ سے کبھی گمراہ نہیں کر سکتا کہ تم ائمہ فقہ کے علوم کا دعویٰ کر دو، اس لئے کہ جب ائمہ فقہ کے علوم پر نظر کرتا ہوں تو اپنے اندر جہل مطلق کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔" (بالمعنی)

لیکن آج اسلامی حکومت کی جانب سے منصب اجتہاد پر ایسے لوگوں کو فائز کر دیا گیا ہے جن کو کسی عالم سے دین اور علم دین سیکھنے کی توفیق ایک لمحہ کے لئے بھی نصیب نہیں ہوئی بلکہ بقول اکبر مرحوم :

پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

پھر ان ہی لال بھکڑوں کے اجتہاد کی روشنی میں نہ صرف امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے اجتہادات کو ٹھکرایا جاتا ہے بلکہ امت کے اجماعی عقیدوں کو بدقسمتی قرار دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر خاکم بدھن امت کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فیصلوں کو تبدیل کر ڈالنے کا منصب بھی حاصل کر لیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو مستقل مقالہ میں اس پر مدلل بحث کی جائے گی۔ واللہ الموفق والمعین۔

(ہفت روزہ ترجمان اسلام (۲۲ جولائی ۱۹۶۶ء)

پاکستان میں اسلام کب آئے گا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مدینہ منورہ سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا تو تیس برس کے اندر اندر اس کی روشنی مشرق سے مغرب تک جگمگانے لگی اور پورا عالم اس روشنی سے منور ہوگیا، مسلمان اس وقت کمزور تھے، نہتے تھے، پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا تک انہیں میسر نہیں تھا، مگر وہ ایمان و اخلاص کی دولت سے مالا مال تھے، وہ سیلاب کی طرح بڑھے اور قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو روندتے ہوئے دنیا پر چھاگئے۔

یہی تیس برس کی مدت پاکستان بھی پوری کر چکا ہے، لیکن ہم جہاں پہلے دن تھے آج بھی وہیں ہیں بلکہ کچھ پیچھے، سابقہ حکمرانوں نے اسلام کے نعرے تو اتنی بلند آواز سے لگائے کہ سنتے سنتے لوگوں کے کان پک گئے، لیکن عملی طور پر جو کچھ کیا وہ اسلام کے ساتھ مذاق ہے، اسی نفاق اور خودفریبی کی سزا ہے کہ ہم بجائے پھیلنے کے اور بھی سکڑ گئے، آدھا ملک کھو بیٹھے، اور باقی ملک خطرات کی لپیٹ میں آگیا۔

خدا نے پچھلے سال ایک بندۂ حق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو اسلام کے داعی کی حیثیت سے اٹھایا، ان کے اعلانات سے قوم کی امیدیں بندھیں

کہ اب سچ مچ اسلام نافذ ہوکر رہے گا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل ہوئی، اس کے گرما گرم اجلاس منعقد ہوئے اور چار دیواری کے تحفظ کی باتیں ہوئیں، ملک کو سودی نظام کی لعنت سے نجات دلانے کے منصوبوں کا اعلان ہوا، مگر نتیجہ اب تک ہمت افزا نہیں ہے، حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر اس قوم کو زندہ رہنا ہے تو اسلام کو اپنا لے، پاکستان کی بقا چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اسلام کو فوری طور پر نافذ کر دیا جائے، لیکن نہ جانے ہمارے ارباب اقتدار کس وقت کے انتظار میں ہیں؟ قوم اپنے مردمؤمن جنرل ضیاالحق سے سوال کر رہی ہے کہ اسلام سے محرومی پاکستان کی قسمت میں کب تک ہے؟ کیا اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین عزت مآب جسٹس (ریٹائرڈ) چیمہ صاحب فرمائیں گے کہ یہ ملک تیس سال سے غیر اسلامی وادی میں بھٹک رہا ہے، مگر اسے اسلام کی روشنی کب نصیب ہوگی؟ اور اس ملک کو سودی نظام معیشت سے کب نجات ملے گی؟ اگر یہ سوال تاخیر کا موجب ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتدا کہاں سے کی جائے؟ تو اس کا جواب قرآن مجید پہلے سے دے چکا ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اقتدار عطا کریں تو ان کو چار کام کرنے ہوں گے:

۱:......نماز قائم کرنا۔

۲:......نظام زکوٰۃ قائم کرنا۔

۳:......نیکی پھیلانا۔

۴:......برائی کو روکنا۔

گویا اسلامی نظام کی ابتدا نماز ہی سے ہوتی ہے، اسلام کا سب سے پہلا فریضہ اور ستون نماز ہے، جو معاشرے کے اس سب سے پہلے اور سب سے بڑے رکن کا خیال نہ کرے اس کا اسلامی نظام کے نفاذ کا دعویٰ جھوٹ اور خودفریبی ہے، وہ اسلام کی حدود کو توڑے گا اور حکومت کے قانون کو بھی توڑے گا، اس لئے نفاذ اسلام

کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے نماز کو قائم کیا جائے، پھر زکوٰۃ کا قانون نافذ کیا جائے، اگر اسلام لانا ہے تو ہم جناب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب سے پرخلوص گزارش کرتے ہیں کہ وہ پہلے اسلام کے سب سے اہم رکن کو نافذ کریں، نماز قائم کروائیں، یہ ضروری ہے کہ حکومت کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ افسر بے نمازی نہیں رہنا چاہیئے اور سرکاری دفاتر کے ہر بڑے اور چھوٹے ملازم پر نماز باجماعت کی پابندی لازمی قرار دی جائے، اور تمام شہریوں کے لئے یکساں طور پر اس کی خلاف ورزی کرنے والا قانوناً سزا کا مستحق قرار دیا جائے، اگر حکمرانوں کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے والا کوڑوں کی سزا کا مستحق ہے تو بڑے حکم کو توڑنے والا کیوں مستحق نہیں؟ ہم منتظر ہیں یہ سننے کے لئے کہ حکومت یہ پہلا قدم کب اٹھاتی ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۶/جون ۱۹۷۸ء)

پاکستان میں اسلام نافذ ہوچکا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد :

۵ رجولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو حکومت کے ظلم وستم کا خاتمہ کر کے جب مارشل لاء حکومت نے ملک کا نظم ونسق ہاتھ میں لیا تھا تو ہر طبقہ کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے قوم کو یقین دلایا کہ عبوری حکومت اس ملک میں (جو صرف اسلام کی خاطر وجود میں آیا تھا) اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں مؤثر اقدامات کرے گی، اس کے بعد بھی وہ وقتاً فوقتاً اپنے اس عزم کا اظہار کرتے رہے۔ اب ایک طویل عرصے کے بعد ۲۵ رجون ۱۹۷۸ء کو انہوں نے قوم سے خطاب فرمایا، پوری قوم گوش بر آواز تھی، اور اسے توقع تھی کہ وہ اس موقع پر اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے اقدامات کا اعلان کریں گے، جنرل صاحب کو خود بھی اپنے وعدہ اور قوم کی توقعات کا احساس تھا، چنانچہ انھوں نے اپنے خطاب کا آغاز اسلامی نظام کے نفاذ کے مسئلہ ہی سے کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ چاروں طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام کا دستور حیات جو ۱۴ رسو سال پہلے نافذ ہوا تھا وہ اب بھی نافذ ہے۔ وہی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی وجہ جواز بنا، اس کو کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ اس کے باوجود اگر اسلام پر عمل نہیں ہو رہا تو اس کی

ایک وجہ تو ہمارے اندر بے عملی کا عام رجحان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جو غیر اسلامی قانون ہمیں ورثہ میں ملا تھا اسے اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنے کی طرف سابقہ حکومتوں نے توجہ نہیں دی۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے صورت حال کا تجزیہ بالکل صحیح کیا ہے اور قوم کے مرض کی تشخیص بھی ٹھیک کی ہے مگر کامیاب معالج وہی کہلاتا ہے جو صرف مرض کے اسباب کی نشاندہی پر اکتفاء نہ کرے بلکہ مرض کے صحیح علاج کے لئے مقدور بھر کوشش بھی کرے، جب ہم چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تقریر کا اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں تو (موصوف کے اخلاص و تدبر، مؤمنانہ جذبات اور ذاتی شرافت و دیانت کے اعتراف کے باوجود) ہمیں مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔

جنرل صاحب کو اعتراف ہے کہ انگریزوں کی دوصد سالہ غلامی کے زیر اثر اور آزادی کے بعد دیسی صاحب بہادروں کی انگریزیت پرستی کے نتیجہ میں ہمارا معاشرہ عملی طور پر اسلام سے عاری ہو چکا ہے۔ ایوان صدر سے لے کر مزدور کی جھونپڑی تک اور عدالت عالیہ کے کٹہرے سے لے کر کسی چھوٹے سے چھوٹے ادارے تک اسلام کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ اب بھی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، الحمد للہ! مساجد اور دینی قلعے بھی آباد ہیں، نماز روزہ کا بھی اہتمام ہے، لیکن یہ سب کچھ تو انگریز کے دور میں بھی تھا۔ کیا اس وقت بھی ہندوستان میں اسلام ہی نافذ تھا؟ سوال تو ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ہم نے عملی طور پر اسلام کا کونسا حکم نافذ کیا؟ اسلام کی سربلندی کے لئے کیا کچھ کیا؟ کوئی شبہ نہیں کہ اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہے، مگر جب ہندوستان پر انگریز حکمران مسلط ہوا تو اس نے ہمارے تعلیمی اداروں سے، ہماری عدالتوں سے، ہمارے دفاتر سے، ہمارے قومی

اداروں سے، ہماری تجارت سے، ہماری معیشت سے، ہماری معاشرت سے اسلام کے تمام آثار کو کھرچ کر صاف کردیا اور غلام ہند میں اسلام مسجدوں اور دینی مدارس میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ نظریاتی طور پر اگرچہ اسلام منسوخ نہیں ہوا تھا مگر عملی زندگی کے ایک ایک شعبے اور ایک ایک گوشے سے اسے منسوخ کردیا گیا۔

ہماری بے عملی جس کی شکایت جنرل صاحب کر رہے ہیں، انفرادی بے عملی نہیں بلکہ اجتماعی ''بے عملی'' ہے، جس کے لئے پوری قوم اجتماعی طور پر مجرم ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ضرورت تھی کہ قوم اس اجتماعی جرم سے توبہ کرتی اور انگریز کے منسوخ کئے ہوئے اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں دوبارہ نافذ کرتی۔ مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ آج اکتیس سال بعد قوم بدستور انگریز کی لکیر کو پیٹ رہی ہے، اور اس اجتماعی جرم سے توبہ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوئی۔

ہمارے مغرب زدہ طبقہ نے، جن کا گھیرا ارباب اقتدار کے گرد ہمیشہ تنگ رہا ہے، اسلام کے نفاذ کو ہمیشہ ناکام بنانے کی کوشش کی ہے اسی طبقہ کی صدائے بازگشت آج ہمیں جنرل محمد ضیاء الحق جیسے مردِ مؤمن کی تقریر میں سنائی دے رہی ہے۔

اگر ارباب اقتدار نے انگریز کے منسوخ کردہ اسلام کو ملک میں دوبارہ نافذ کردیا ہوتا اور اس کے بعد بھی قوم کے افراد بے عمل رہتے تو یہ گناہ انفرادی ہوتا، اور اس کی سزا بھی دنیا یا آخرت میں ہر شخص کو انفرادی طور پر ملتی۔ مگر اجتماعی طور پر اور حکومتی سطح پر منسوخ شدہ اسلام کو بدستور منسوخ رہنے دینا اور اکتیس برس تک اسلام کی ایک بات کو کسی شعبے میں بھی نافذ نہ کرنا یہ تو اجتماعی بغاوت اور اجتماعی گناہ ہے، اس کی سزا بھی پوری قوم کو ملے گی، اور مل رہی ہے۔ آج ہمارا ملک جس بدامنی، خود غرضی، نفسا نفسی، فرض ناشناسی اور انتشار کا شکار ہے، کیا یہ اس اجتماعی جرم کی دنیا میں سزا

نہیں؟ اور آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہوگا۔

ہمیں توقع تھی کہ ہمارے مردِ مؤمن جنرل ضیاءُ الحق اپنی تقریر میں (گو تدریجاً سہی مگر) مکمل طور پر اسلام کے نفاذ کا اعلان کریں گے، اور قوم کو اجتماعی بدعملی کے جرم سے نجات دلانے کے لئے مؤثر اقدامات کریں گے، لیکن افسوس ہے کہ انھوں نے چند پند و نصائح کے سوا قوم کو عمل کے راستہ پر ڈالنے کیلئے کوئی مؤثر تدبیر نہیں کی۔ پاکستان میں اسلام وہ سب سے بڑا یتیم ہے جسے نہ ایوان حکومت میں پناہ ملتی ہے، نہ ایوان عدالت اسے خوش آمدید کہنے کیلئے تیار ہے، نہ ساہوکار اسے تجارت کی منڈی میں دخل دینے کی اجازت دیتا ہے، وہ کل انگریز کے دور میں بھی مسجد اور مدرسہ کی چار دیواری میں پناہ لینے پر مجبور تھا، آج پاکستان میں بھی...... ہاں اسی پاکستان میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، بھی بدستور وہیں پناہ گزین اور محصور ہے۔ مگر جنرل صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام نافذ ہو چکا ہے۔

چیف مارشل لاءُ ایڈمنسٹریٹر کے خیالات سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کو ان کے ہمدردوں نے غلط تاثر میں رکھا ہے کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ فرد کی نجی اور پرائیویٹ زندگی سے متعلق ہے، اور دوسرا قوم کی اجتماعی زندگی سے۔ حکومت کو فرد کی نجی زندگی سے کوئی سروکار نہیں، یہ فرد کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدق و دیانت اور امانت وغیرہ اسلامی اعمال و اقدار کا پابند ہے یا نہیں؟ حکومت کو اس میں قانونی طور پر کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اس کا دائرہ کار صرف قوم کے اجتماعی مسائل ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا، اسلامی نقطۂ نظر یہ ہے کہ حکومت معاشرے کے تمام انفرادی و اجتماعی اعمال کی ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن سربراہ مملکت سے ان تمام امور کے

بارے میں باز پرس ہوگی۔ حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ حکمران پوری قوم کے راعی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے رعایا کے ایک ایک فرد کے ایک ایک عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حکومت صرف آٹا دال اور گھی شکر کی ذمہ دار نہیں بلکہ یہ دیکھنا بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ قوم اسلامی عقائد، اسلامی عبادات، اسلامی اخلاق اور اسلامی معاملات کی پابند ہے یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام حکام اور گورنروں کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ ''میرے نزدیک تمہارے تمام کاموں میں سب سے بڑھ کر نماز ہے، جو شخص اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرے گا اس سے دوسرے احکام کی پابندی کی بھی توقع کی جاسکتی ہے، اور جو شخص اس کو ضائع کرے گا وہ دوسری چیز کو بدرجہ اولیٰ غارت کرنے والا ہوگا''۔

کسی اسلامی مملکت کا سربراہ قیامت کے دن یہ کہہ کر فارغ نہیں ہوسکتا کہ نماز پڑھنا نہ پڑھنا حکومت کے وزیروں، افسروں اور کارندوں کا ذاتی معاملہ تھا، دیانت و امانت ان کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق بات تھی، اور صحیح اسلامی اخلاق و عقائد اختیار کرنا، نہ کرنا اس کی اپنی نجی ذمہ داری تھی۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اگر واقعتاً اس معاشرہ کو اسلام کے مثالی معاشرہ کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا کم از کم فرض یہ تھا کہ وہ فوری طور پر حسب ذیل اقدامات کرتے:

الف:...... ٹیلی ویژن پر جو ناچ رنگ کے حیا سوز مناظر پیش کیئے جاتے ہیں اور جس کی وجہ سے پورا ملک ایک بڑے سینما ہال میں تبدیل ہو چکا ہے انہیں فوراً بند کرنے کا حکم دیتے۔

ب:......اسی طرح ریڈیو پر جو فحش رومانی نغمے نشر کئے جاتے ہیں انہیں بھی ممنوع قرار دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابلاغ عامہ کے یہ دونوں ذرائع پوری طرح حکومت کے کنٹرول میں ہیں، اور ان کی اچھائی برائی کی تمام ذمہ داری سربراہ مملکت پر عائد ہوتی ہے۔ ان دونوں نے قوم کے اخلاق کے بگاڑنے میں جو کردار ادا کیا ہے قیامت کے دن حکومت کے ذمہ دار حضرات اس کی جوابدہی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

ج:......نماز روزہ کے صرف وعظ پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ اس کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا مثلاً اگر گھر گھر نہیں تو کم از کم تمام سرکاری افسروں اور ملازموں پر اس کی پابندی عائد کی جاتی، سرکاری دفاتر میں نماز با جماعت کا انتظام کیا جاتا اور جو لوگ (مسلمان ہونے کے باوجود) نماز کے تارک ہوں انہیں ملازمت کے لئے نا اہل قرار دیا جاتا۔

د:...... ۵ ر جولائی کو جنرل صاحب وزیروں کی نئی کابینہ تشکیل دے رہے ہیں جس کیلئے وہ اپنی صوابدید کے مطابق اہل ترین افراد انتخاب کریں گے۔

اگر ہمیں اسلام کے نفاذ کا واقعی احساس ہے تو ان کے انتخاب میں اہلیت کی ایک شرط یہ ہونی چاہئے کہ وہ بے دین اور بے نماز نہ ہوں، بلکہ وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور اور اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہوں۔

کیا سربراہ مملکت سے قیامت کے دن یہ سوال نہیں ہوگا کہ اس نے اسلامی مملکت کی لگام ان لوگوں کے ہاتھ کیوں دی جو بے نماز اور بے دین تھے، اور جنہیں خدا اور رسول کے احکام کا کوئی پاس نہیں تھا؟

یہاں سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ خدا، رسول کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے ان سے ملک و ملت کی خیر خواہی امانت و دیانت اور فرض شناسی کی توقع

کیسے کی جا سکتی ہے؟

ہ:...... مسٹر بھٹو کا دور حکومت اسلام کے نام پر اسلامی شعائر کو پامال کرنے میں سب سے بدترین دور تھا، بھٹو صاحب نے معاشرے کو اسلامی اقدار سے منحرف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، ہمارے مرد مؤمن جنرل محمد ضیاءُ الحق سے قوم کو توقع تھی کہ وہ معاشرے کو "بھٹوازم" سے پاک کرنے کیلئے کوئی مؤثر قدم اٹھائیں گے، "چادر اور چاردیواری" کو اس کا قرار واقعی تحفظ دیں گے، اور قوم کو عریانی و فحاشی کے تاریک گڑھے سے نکالنے میں کوئی اہم کردار ادا کریں گے، مگر افسوس ہے کہ اس کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

سینماؤں کی تطہیر کی جاتی، اور رومانوی فلموں اور عورتوں کی تصاویر کی نمائش ممنوع قرار دی جاتی۔

و:...... اخبارات و رسائل قوم کے نونہالوں کو جو ذہنی غذا مہیا کر رہے ہیں وہ جنرل صاحب کی نظروں سے اوجھل نہیں، نیز جو گھٹیا لٹریچر اور اسلام کے منافی کتابیں بازار میں دھڑا دھڑ فروخت ہو رہی ہیں انکا علم بھی موصوف کو ضرور ہوگا، جب تک یہ لٹریچر موجود ہے ہمارے ناپختہ ذہن نوجوانوں کی کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اگر اسلامی معاشرے کی واقعی ضرورت ہے تو اس سیلاب کے آگے قانون کا بند باندھنا ضروری تھا۔

ز:...... ہماری نئی نسل جو تعلیمی اداروں میں تیار ہو رہی ہے اسکی اصلاح و تربیت کی اہمیت خود جنرل صاحب کے ارشادات سے واضح ہے۔ اگر معاشرہ کو واقعتاً اسلامی بنانا ہو تو ہمیں اسکی اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم و تربیت کا نظام مرتب کرنا

چاہئے تھا۔ یہ نسل بگڑ رہی ہے مگر اسکی صحیح تربیت کیلئے کسی ٹھوس اقدام کا اعلان نہیں کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کو لازمی کیا جائے۔ نماز روزہ اور دیگر عبادات کا ان کو عادی بنایا جائے۔ اس کیلئے ایک خصوصی وقت مقرر کیا جائے۔ یہ چند اقدامات ایسے ہیں کہ ان کیلئے کسی انتظار اور کسی وقت کی ضرورت نہیں تھی، اور نہ ہی وہ کسی کونسل کی سفارشات کے محتاج تھے۔

جنرل صاحب نے اسلامی اقدامات کے سلسلے میں زکوٰۃ کے نفاذ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی کارکردگی کا بھی ذکر کیا۔

ان کی تقریر کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ پاکستان میں انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ کرنے کیلئے شاید عمر نوحؑ درکار ہوگی، اور شاید صبح قیامت سے پہلے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

خواجہ ناظم الدین کے ''اسلامی تعلیماتی بورڈ'' سے لیکر مسٹر بھٹو کی ''اسلامی مشاورتی کونسل'' تک یہی چکر چلتا رہا ہے۔ ہر آنے والی حکومت پہلی حکومتوں کے کام کو کالعدم قرار دے کر الف ب سے اپنا کام دوبارہ شروع کرتی ہے۔ اکتیس سال گزر گئے، لیکن آج تک ہم انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ نہیں کر سکے، اور اگر کام کی رفتار یہی رہی کہ ایک مسئلہ پر پہلے اسلامی نظریاتی کونسل بحث کرے اس کے بعد وہ اپنی سفارشات مذہبی امور کی وزارت کو بھیجے، وہاں سے وزارت قانون کی میز پر آئیں، وہاں سے کابینہ کے سامنے لائی جائیں اور پھر وہ فیصلہ کرے کہ اس مسئلہ کو نافذ کرنا چاہئے یا نہیں؟ تو یقین کیجئے کہ آئندہ نسلیں ہی ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے

فیوض سے مستفید ہوسکیں گی، اور یہ بھی اس وقت جب کہ آئندہ آنے والی حکومت پھر سے اس تیلی کے بیل کے چکر میں مصروف نہ ہوجائے۔

قوم کو ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کی نہیں، اسلام کی ضرورت ہے۔ قوم اس چکر سے اکتا چکی ہے۔ وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ اسلام معاشرے کی ضروریات آج بھی پوری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جنرل صاحب اسلام کو اس کے تمام شعبوں میں نافذ کرسکتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کی سعادت ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ کیلئے اس قوم کے عظیم محسن کی حیثیت سے یاد کئے جائیں گے۔ اور اگر وہ یہ عزم اور حوصلہ نہیں رکھتے تو قوم کو اسلامی نظریاتی قسم کی کونسلوں سے طفل تسلی نہیں دی جاسکتی، جو اسلام آنحضرت ﷺ کے زمانے سے لے کر تر کان آل عثمان کے دور تک اسلامی معاشرہ کی ساری ضروریات پوری کرتا رہا ہے، آج اس میں کیا نقص نظر آنے لگا؟

اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بارے میں جنرل صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ مغرب زدہ طبقہ کی امنگوں کے عین مطابق ہے۔ نہ کبھی اس معاشرہ کی اصلاح ہو، اور نہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ عمل میں آئے۔ نہ نو من تیل ہو، نہ رادھا ناچے۔ حالانکہ بہت سیدھی اور صاف بات ہے کہ اسلامی سزائیں چوروں، ڈاکوؤں اور بد معاشوں کیلئے تجویز کی گئی ہیں، ان کو نافذ کرنے سے ہچکچانے کے معنی یہ ہیں کہ پاکستانی معاشرہ کی غالب اکثریت کو پہلے ہی اس قماش کا فرض کر لیا گیا ہے، لچے اور بدمعاش، شریف شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے کھیلتے رہیں، مگر ہم یہ سوچ کر خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں سے پہلو تہی کریں کہ یہ سزائیں موجودہ معاشرے کے لئے مناسب نہیں؟ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن......

ہم اس یقین کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر ہمیں اپنے معاشرے کو

برائیوں سے پاک کرنا ہے، اگر شریف شہریوں کو بد قماش لوگوں کے چنگل سے نجات دلانا ہے، اگر معاشرے میں عدل و انصاف کی صحیح فضاء پیدا کرنی ہے تو خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ تعزیرات کو نافذ کرنا ضروری ہے۔ اگر مغربی دنیا اس پر شور مچاتی ہے، اور اگر فاسد مزاج انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہم ان کی وجہ سے اپنے دین کو خیر باد نہیں کہہ سکتے، قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ: ''یہود و نصاریٰ آپ سے کسی صورت میں بھی راضی نہیں ہونگے الا یہ کہ آپ ان کے دین کو قبول کرلیں۔''

سعودی عرب کے سابق حکمران شاہ عبد العزیز کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کی حکومت کے قیام سے پہلے ملک میں کس قدر بد امنی تھی، کتنا فساد تھا! مگر انہوں نے کسی ''لومۃ لائم'' کی پرواہ کئے بغیر اسلامی قانون نافذ کیا، آج وہی ملک دنیا بھر میں امن و امان کا سب سے بڑا گہوارہ ہے۔

آج اسلام کو کسی ''عمر بن عبد العزیزؒ''، کسی ''صلاح الدین ایوبیؒ'' اور کسی ''اورنگ زیب عالمگیرؒ'' کی ضرورت ہے جو حکومت کے تمام وسائل اسلام کے نفاذ کے لئے وقف کردے۔

(روزنامہ جنگ صفحہ اقراء ۳۰ رجون ۱۹۷۸ء)

مارشل لائحکومت
اور
اسلامی نظام کا غلغلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

تاتو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

اسلام اللہ تعالٰی کا عطا کردہ آخری دستور حیات ہے جو انسانیت کی فلاح و نجات اور ہر شعبہ زندگی میں اس کی راہنمائی کا کفیل ہے' جس طرح خدا تعالٰی بندوں کا محتاج نہیں بلکہ بندے اس کے محتاج ہیں' اسی طرح اس کا نازل کردہ آخری ہدایت نامہ بھی کسی کا محتاج نہیں بلکہ ہم خود اس کے محتاج ہیں' اگر ہم اپنی اجتماعی و انفرادی زندگی میں اس پر عمل پیرا ہوں گے تو دونوں جہان میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے 'ورنہ دونوں جگہ ذلیل و خوار۔

پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں جتنے حکمران آئے انہوں نے لفظی طور پر تو خوب اسلام کے بلند بانگ دعوے کئے مگر عملی طور پر اسلام کی تکذیب کی ' لادینیت کو ملک میں پھیلایا 'اسلامی شعائر کو پامال کیا 'فحاشی و عریانی اور ناچ گانے کی ترویج کی۔ حد یہ کہ مسٹر بھٹو کے دور میں بھی "اسلام اسلام" کے نعرے کچھ کم نہیں لگائے گئے۔ جب کہ اندر ہی اندر پوری قوم کے مزاج کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے تمام وسائل استعمال کیے گئے' یہی منافقت تھی جس نے سکندر مرزا سے لے کر مسٹر بھٹو تک

ہمارے حکمرانوں کو ذلیل و رسوا کیا' اور منافقوں کا یہ ٹولہ نہ صرف خود اپنے کیفر کردار کو پہنچا بلکہ ملک و ملت کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبا اور قوم کو موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا کر گیا۔

جب مارشل لاء حکومت برسراقتدار آئی تو شروع شروع میں ایک بار پھر اسلامی نظام کا غلغلہ بلند ہوا' اس کے لئے "اسلامی نظریاتی کونسل" کی تشکیل بھی ہوئی' کونسل کے گرم گرم اجلاس بھی دھڑادھڑ ہوئے' اس کی کچھ سفارشات بھی سامنے آئیں' چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی باتیں بھی سننے میں آئیں' ملک سے سود کی لعنت ختم کرنے کے اعلان بھی ہوئے' بینکاری کے موجودہ سودی نظام کو بدلنے کے فارمولے بھی وضع ہوئے' اور قوم کو بجا طور پر یہ توقع ہو گئی کہ پاکستان میں اسلام ہی آئے گا اور آئے گا بھی ہمارے مرد مومن جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں' لیکن

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب تک "نشستند و گفتند و برخاستند" کے سوا کوئی نتیجہ قوم کے سامنے نہیں آیا' جس کی وجہ سے اسلامی حلقوں میں تشویش اور کرب کی کیفیت کا پیدا ہو جانا ایک فطری بات ہے' کیا ہمارے مرد مومن جناب جنرل محمد ضیاء الحق قوم کو بتائیں گے کہ اب تک اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اٹھایا جا سکا؟ وہ روز سعید کب آئے گا کہ جب پاکستان میں اسلام کا آفتاب عالم تاب طلوع ہوگا؟ اسلامی نظام کے نفاذ میں اصل رکاوٹ کیا ہے؟ اور اس کے لئے کس چیز کا انتظار کیا جا رہا ہے؟

کیا "اسلامی نظریاتی کونسل" کے قابل صد احترام چیئرمین اور اس کے معزز ارکان وضاحت فرمائیں گے کہ ان کی کونسل کیا کر رہی ہے؟ مایوسی کی تاریک رات کب ڈھلے گی؟ اور انتظار کے درد و کرب سے قوم کو نجات کب ملے گی؟

کیا اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے صدر محترم قوم کو یہ بتائیں گے کہ بینکاری نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنے کے لئے جس فارمولے کا اعلان کیا گیا تھا اس کا کیا بنا؟ یہ ملک سود سے پاک معیشت اپنا سکے گا یا ہمیشہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ آزمائی کی

مشق کرتا رہے گا؟ (فا ذنوا بحرب من اللہ و رسولہ)

کیا ہمارے ملک میں ایسے ماہرین معاشیات موجود نہیں جو موجودہ سودی نظام کو تبدیل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہوں؟

بہرحال اگر جنرل ضیاء الحق کی فوجی قیادت بھی خدانخواستہ اسلامی نظام کے سلسلے میں قوم کو مایوس کرتی ہے تو یہ ہماری سب سے بڑی بدقسمتی ہو گی اور پھر شاید قدرت ہمیں مزید مہلت دینے کو تیار نہ ہو۔ اس لئے پاکستان اور پاکستان کے عوام کی بقاء کا انحصار اسی میں ہے کہ یہاں فی الفور اسلام کو عملی طور پر نافذ کر دیا جائے۔

قریباً ڈیڑھ سو سال سے ہماری اجتماعی زندگی اسلام سے عاری ہے جس کی بناء پر قانون کفر کی جڑیں ہمارے معاشرے میں بڑی گہری چلی گئی ہیں' ہماری معیشت کا سارا ڈھانچہ ہی نظام کفر پر استوار ہے' ہماری تعلیم اور نظام تعلیم یکسر غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہے' ہماری عدالتوں میں اسلام کی بجائے انگریز کا قانون نافذ ہے۔ ہماری سیاست غیر اسلامی نعروں کی خوگر ہے' اور یوں ہمارا پورا معاشرہ اسلام کی پٹڑی سے اتر چکا ہے۔ ان حالات میں جو شخص اسلامی نظام کے نفاذ کا ارادہ رکھتا ہو اور معاشرہ کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہو اس کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کی چیز یہ ہے کہ وہ اس عمل کا آغاز کہاں سے کرے؟ شاید ہماری مارشل لاء حکومت بھی اسی پریشانی میں مبتلا ہے اور وہ اب تک اسی شش و پنج میں ہے کہ وہ اس مبارک کام کا آغاز کس نقطہ سے کرے؟ اگر تاخیر کی یہی وجہ ہے تو ہم اس نقطہ کی نشاندہی کر دینا ضروری سمجھتے ہیں' قرآن کریم میں ارشاد ہے :

الذین ان مکنا ھم فی الا رض اقا موا الصلٰوۃ
وا توا لزکوۃ وا مروا با لمعروف ونھوا عن المنکر۔

(سورۃ الحج ۴۱)

ترجمہ :" وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ دیں' بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"

اس آیت میں اہل ایمان کے برسر اقتدار آنے پر ان کے چار فرائض منصبی ذکر کیے

گئے ہیں (۱) نمازیں قائم کرنا (۲) زکوٰۃ ادا کرنا (۳) معروف کا حکم کرنا (۴)اور منکرات سے روکنا۔ اگر ہمارے ارباب اقتدار واقعۃً اسلامی نظام اس ملک میں لانا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے عمل کا آغاز اقامت صلوٰۃ سے کرنا ہوگا' وہ خود بھی نماز باجماعت کی پابندی کریں' سرکاری افسروں اور ملازموں سے بھی اس کی پابندی کرائیں' اور ملک کے تمام مسلم باشندوں پر بھی اس کی پابندی لازم قرار دیں' اقامت صلوٰۃ کو باقاعدہ قانون کی شکل میں نافذ کریں اور اس کی خلاف ورزی پر وہی سزا دیں جو اسلام نے تجویز کی ہے تاآنکہ ہمارے ملک میں ایک بھی بے نمازی نہ رہے۔ نماز کی پابندی اسلام میں ایک انفرادی اور اختیاری عمل نہیں بلکہ یہ ایک اجتماعی عمل ہے جو قوم اجتماعی طور پر نماز کی تارک ہو اس کا اسلامی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں' اگر وہ اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ لگاتی ہے تو یہ محض جھوٹ اور نفاق ہے۔ نماز کلمہ طیبہ کے بعد اسلام کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا ستون ہے' پہلے اس ستون کو کھڑا کیجئے جب تک یہ نہ ہو اسلام کے نفاذ کا دعویٰ بے معنی ہے۔

اقامت صلوٰۃ کے بعد دوسرا فرض "نظام زکوٰۃ" کا قیام ہے' مالدار لوگوں سے زکوٰۃ کی ایک ایک پائی وصول کی جائے اور اسے پوری دیانتداری کے ساتھ فقراء و مساکین میں تقسیم کیا جائے۔

توخذ من اغنیاء هم وترد علٰی فقراء هم

اس کے بعد الاہم فالاہم کے اصول پر نیکیوں کو پھیلانے اور بدیوں کو مٹانے پر توجہ دی جائے۔ تاآنکہ کوئی نیکی ایسی باقی نہ رہے جس کا رواج اسلامی معاشرے میں نہ ہو اور کوئی بدی ایسی نہ رہے جسے بیخ وبن سے نہ اکھاڑ پھینکا گیا ہو۔ الغرض اسلامی نظام کے نفاذ کی صحیح ترتیب یہی ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی' یعنی نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' اور اہم فالاہم کے اصول سے نیکیوں کو پھیلانا اور بدیوں کو مٹانا۔ جو شخص اس ترتیب سے اسلامی نظام نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسے حق تعالٰی شانہ دنیا و آخرت میں بہترین انعامات سے نوازیں گے۔ واللہ عاقبۃ الامور۔

مسٹر بھٹو کی ہوس اقتدار، خدا فراموشی اور خود فراموشی نے وطن عزیز کو جس سنگین بحران سے دوچار کیا وہ ابھی تک نہ صرف باقی ہے بلکہ بعض اندرونی و بیرونی عوامل کی بناء پر اس کی شدت میں کچھ اضافہ ہی ہوا ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں قوم کو انتشار میں مبتلا کرنے اور رہے سہے پاکستان کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے لئے پوری تندہی اور یکسوئی سے اپنا کام کر رہی ہیں، مسٹر بھٹو کی آل اولاد اور ان کی پارٹی بھٹو صاحب کے عمل ناموں پر شرمانے کے بجائے غصہ اور جھنجلاہٹ میں اس گھر ہی کو جلا دینا چاہتی ہے، اور انتشار پسند عناصر کو آگے لا کر انہیں اس مقصد کے لئے آگ اور ایندھن مہیا کرنے میں مصروف ہے سوشلسٹ عناصر ملک کو سرخ انقلاب کے گڑھے میں دھکیلنے کے لئے زیرزمین سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ صحافت ان کے نرغے میں ہے، سرکاری ذرائع ابلاغ میں ان کا تسلط کی حد تک اثر و رسوخ ہے۔ ملک کے لادین عناصر کی پوری قوت ان کی پشت پر ہے اور افغانستان کے حالیہ خونی انقلاب اور ایران کی موجودہ شورش نے ان کے ارادوں کو ایک نیا ولولہ دیا ہے، فوجی حکومت نے جب سے زمام اقتدار ہاتھ میں لی ہے وہ مسلسل طوفان کے ان تھپیڑوں کا مقابلہ کر رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ قوم کا کوئی طبقہ بھی حکومت سے صحیح تعاون نہیں کر رہا، اور نہ کسی کو احساس ہے کہ ان حالات سے نمٹنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

افسرشاہی نے اپنی روش میں کوئی تبدیلی نہیں کی، وہ ملکی حالات سے یکسر بے نیاز ہو کر بدستور لوٹ کھسوٹ، بددیانتی، بے ایمانی، رشوت ستانی کا بازار گرم کئے ہوئے ہے۔ تاجر طبقہ زیادہ سے زیادہ ناجائز منافع خوری کو اپنا جائز حق سمجھتا ہے، متمول طبقہ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر دولت سمیٹنے اور عیش اڑانے میں مصروف ہے، امن و امان قائم کرنے والے اداروں نے اپنی "کارکردگی" کا جو مظاہرہ مارشل لاء کے دور میں کیا ہے وہ شاید پہلے نہیں کیا تھا، جس کے نتیجہ میں چوری، ڈکیتی، اغوا، جنسی انارکی، فحاشی و بدمعاشی کی وارداتوں میں اتنا اضافہ ہوا کہ پچھلے سارے ریکارڈ ٹوٹ گئے، مجموعی طور پر قوم کی مشکلات میں

اضافہ ہوا۔ گرانی کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی ہے' ضروریات زندگی کا حصول مشکل سے مشکل ہو گیا' عام آدمی کے لئے جان و تن کا رشتہ قائم رکھنا دوبھر ہو گیا ہے۔ زندگی ایک بوجھ بن گئی اور عام آدمی مایوسی و بے چینی اور بے یقینی کا شکار ہو کر رہ گیا اور ان لوگوں کے کرتوتوں کی ساری بدنامی خواہ مخواہ مارشل لاء حکومت کے سر آ رہی ہے۔

شاید کہ حکومت حالات سے صحیح طور پر آگاہ نہیں ورنہ ان قومی بھیڑیوں سے قوم کو ضرور نجات دلاتی۔ عوام میں پھیلتی ہوئی بے چینی سوشلسٹ اور لادین عناصر کے لئے سازگار فضا پیدا کرنے میں سب سے زیادہ موثر ہے جس کا فوری تدارک ضروری ہے۔

تاریکی کی اس فضا میں' جو بھٹو دور سے ملک پر چھائی ہوئی ہے' قومی اتحاد ہی روشنی کا مینار تھا' اس لئے لادین عناصر نے تاک کر سب سے پہلے اسی پر ضرب لگائی جس کے نتیجہ میں وہ شکست و ریخت کے سانحہ سے گزر رہا ہے اور "قومی اتحاد" سے "قومی انتشار" کے لاوے پھوٹ رہے ہیں' سب سے پہلے مسٹر اصغر خان نے مسٹر بگٹی کے مشورے سے اتحاد سے کٹ کر الگ پروازی کی مشق شروع فرمائی 'غالباً اتحاد میں شمولیت ان کی مجبوری تھی ورنہ ان کی ذہنی افتاد اور ان کے رفقاء کی ذہنی سوچ مسٹر بھٹو سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے' اسلام کا نعرہ بھی ——— اضطراری کیفیت ہی میں ان سے سرزد ہوتا ہے ورنہ سیاست میں وہ نہ اتحاد کے قائل ہیں نہ اسلام کی ایسی ضرورت سمجھتے ہیں' اس لئے ان کی تنہا پروازی پر (خواہ وہ حالات کے پیش نظر کتنی ہی غلط تھی) کسی کو تعجب نہیں ہوا' البتہ اتحاد میں ان کی شمولیت ضرور ایک عجوبہ تھی۔

اب "جمعیت علماء پاکستان" ابھی اتحاد سے کنارہ کشی کیا چاہتی ہے۔ اسے "اتحاد" کی بجائے "تحریک" سے وابستگی زیادہ خوش آئند نظر آتی ہے۔ اگرچہ تادم تحریر وہ اتحاد اور تحریک کے مابین معلق لا الٰی ھؤلاء ولا الٰی ھؤلاء کا تماشا کرا رہی ہے تاہم اتحاد سے اپنی خفگی اور تلخی کا ذرا کھل کر اظہار کرنے لگی ہے' اتحاد سے جمعیت کی تلخی کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں بہرحال "قومی اتحاد" پر لادین عناصر کی یہ ضرب کاری ثابت ہو گی'

اتحاد و جمعیت کی باہمی تلخی لادین اور سوشلسٹ عناصر کے لئے شہد و قند کا حکم رکھتی ہے اور جس دن جمعیت نے "اتحاد" سے کٹ جانے کا رسمی طور پر اعلان کر دیا (جس کی توقع کسی بھی لمحے کی جا سکتی ہے) وہ دن ان عناصر کے لئے عید کا دن ہو گا اور اس پر انہیں اتنی خوشی ہو گی جتنی کہ مسلمانوں کو قادیانیوں کے اقلیت قرار دیئے جانے پر ہوئی تھی۔ اگر "سیاست" ملکی حالات کو ان کے صحیح پس منظر اور پیش منظر میں سمجھنے اور فہم و تدبر کے ساتھ اس کے لئے صحیح لائحہ عمل مرتب کرنے کا نام ہے' تو ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے ان رہنماؤں کے طرز فکر اور طرز عمل پر "سیاستدانی" کا اطلاق مشکل ہے' اسے مفاد پرستی اور گروہی عصبیت کا ہی نام دیا جا سکے گا' خدانخواستہ لادینیت کا ریلہ آیا تو ان کے موہوم مفادات اور دھڑوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ حق تعالیٰ صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه صفوة البرية محمد
وآله واصحابه واتباعه اجمعین برحمتک یا ارحم
الراحمین۔

○

نفاذِ اسلام ..... چند تجاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلا م علٰی عبا دہ الذین ا صطفٰی ا ما بعد

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر، جو ۲۵ جون کو انہوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر فرمائی، قارئین کے ذہن میں تازہ ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ نظام اسلام برپا کرنے کے نعرے قیام پاکستان سے لے کر ہمیشہ لگائے جاتے رہے ہیں اور یہ نعرے صرف سیاسی لیڈروں کے نہیں بلکہ حکمرانوں کے بھی روز مرہ میں شامل رہے ہیں، یہاں بہت سی حکومتیں آئیں اور گئیں، اور کم وبیش اسلامی نظام نافذ کرنے کا نعرہ بھی سب نے لگایا، لیکن عملی طور پر اسلام کو فائدہ پہنچانے یا اسلامی نظام کیلئے فضا تیار کرنے میں سابقہ حکومتوں کی کارکردگی نہ صرف صفر رہی بلکہ مسلسل ایسے حالات پیدا کئے جاتے رہے کہ عملی طور پر اسلام کے نفاذ میں زیادہ سے زیادہ رکاوٹیں پیدا ہوتی جائیں اور اس ملک میں اسلام کے نفاذ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے،

جنرل محمد ضیاء الحق اس ملک کے پہلے نیک دل حکمران ہیں جو نہ صرف ذاتی طور پر صوم وصلوٰۃ کے پابند اور اسلامی شعائر کے علم بردار ہیں بلکہ ان کے مومنانہ جذبات، ان کے دینی احساسات اور ملک وملت کے لئے ان کی بہی خواہی ودل سوزی سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ صدق دل سے اس ملک میں اسلامی نظام کے رائج کرنے کا عزم صمیم رکھتے ہیں۔

موصوف نے اقتدار کی مسند پر فائز ہوتے ہی "اسلام" کے بارے میں جن پرجوش ارادوں کا اظہار فرمایا (اور بعد ازاں وقتاً فوقتاً اپنے اس عزم کا مسلسل اعادہ کرتے رہے) اس سے امید بندھتی ہے کہ وہ سابق حکمرانوں کے برعکس اس بد قسمت ملک کو (جو تیس سال سے اسلام کے آب حیات سے محروم ہے) اسلامی نظام کی برکات سے مالا مال کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

انکی حالیہ تقریر بھی اسی عزم کی آئینہ دار ہے' ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کے اس عزم کی تکمیل اور اسے عملی شکل میں ڈھالنے کے لئے اپنی ناقص فہم کے مطابق چند تجاویز پیش کریں۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے سب سے پہلی چیز جس کی فوری ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ معاشرہ کو اسلامی طرز زندگی میں ڈھالنے کے لئے اقدامات کئے جائیں' اور وہ تمام چیزیں جو معاشرہ کو غیر اسلامی اور غیر دینی رخ پر لیجارہی ہیں ان کی فوری طور پر اصلاح کی جائے۔ اس سلسلہ میں ٹیلی ویژن' ریڈیو' اخبارات ورسائل' سینماؤں وغیرہ کی روش فوری طور پر بدلنے کی ضرورت ہے۔ ان تمام چیزوں پر حکومت کا مکمل کنٹرول ہے اور ان کی اصلاح کسی وقفہ کی محتاج نہیں ان ذرائع ابلاغ سے قوم کے نوجوانوں کو جو ذہنی غذا مہیا کی جارہی ہے اس سے ہمارا معاشرہ دن بدن روبہ زوال ہے اگر شر کے ان سرچشموں کو فوری طور پر بند نہ کیا گیا' اور ہماری اخلاقی گراوٹ میں اضافہ کی یہی رفتار رہی تو جس قدر وقت گزرے گا وہ ہمیں اسلام کے قریب لانے کے بجائے اور دور لے جانے والا ہوگا' اور جنرل محمد ضیاء الحق کی اسلام نافذ کرنے کے بارے میں تمام نیک خواہشات اور ان کے سارے عملی اقدامات رائیگاں جائیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمارے تعلیمی ادارے بھی اصلاح کے محتاج ہیں' ہماری موجودہ تعلیم اور طرز تعلیم نئی نسل کو اسلام سے منحرف اور برگشتہ کرنے میں سب سے موثر کردار ادا کررہی ہے' یہ لارڈ میکالے کا نظام تعلیم ہے جس نے خالص الحاد' کجروی' انارکی' مغرب پرستی اور دین بیزاری کے سوا ہمیں کچھ نہیں دیا' جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس نظام تعلیم کو تبدیل کئے بغیر بھی ہم اپنی نئی نسل کو ذہنی طور پر مسلمان رکھ سکتے ہیں وہ حقائق کی دنیا سے ناآشنا ہے اگر جنرل ضیاء واقعۃً اس ملک میں اسلام لانا چاہتے ہیں تو ہم ان سے بصد ادب (مگر پوری قوت کے ساتھ) درخواست کریں گے کہ وہ ایک لحہ ضائع کئے بغیر موجودہ لارڈ میکالوی نظام تعلیم پر ضرب لگائیں۔

ہمارے تعلیمی اداروں کو انگریز کے بجائے مسلمان بنائیں۔ اس تعلیم اور نظام تعلیم

کو اسلامی رنگ میں ڈھالیں۔ وہاں نماز پنج گانہ' دعوت تبلیغ اور اسلامی اقدار کا پرچار ہو' ہمارے طلباء کی چال ڈھال' ان کے رہن سہن' ان کی شکل وشباہت اور ان کی فکر وذہن اور عمل وکردار سے اسلام چھلکتا ہوا نظر آئے۔ وہاں ایسے اساتذہ کا تقرر کیا جائے جو صرف کیمبرج اور آکسفورڈ کی بھاری بھرکم ڈگریوں کا بوجھ نہ اٹھائے پھر رہے ہوں بلکہ ان کا ظاہر وباطن "مسلمان" بھی ہو اور وہ نوخیز نسل کو لندن اور ماسکو کے بجائے مکہ ومدینہ کا رخ دکھانے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔

اسلام کی نظر میں "پردہ" عصمت وتقدس کی علامت ہے' اور بے پردگی وبرہنگی' فحاشی وبے حیائی کا نشان ہے۔ مغرب نے عورت کی عصمت وتقدس سے پردہ کی چادر نوچ کر نہ صرف صنف نازک کو ذلیل کیا بلکہ اس سے بڑھ کر انسانیت پر ظلم ڈھایا۔ عورت جب بے حجابانہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تو جبین حیا عرق آلود ہوجاتی ہے اور انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے' اسی بنا پر حکیم انسانیت' محسن کائنات ﷺ نے فرمایا تھا "میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا"۔ جس معاشرہ میں صنف نازک کے سر سے دوپٹہ اتر جائے ناممکن ہے کہ وہاں اسلامی نظام نافذ ہوسکے' یہی وجہ ہے کہ ہمارے سابق حکمرانوں نے "اسلام اسلام" کا ڈھول تو پیٹا مگر اس شیطانی جال (حدیث میں عورتوں کی بے حجابی کو شیطان کا جال فرمایا گیا ہے) کے پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا کبھی انہیں ملازمت دلانے کا جھانسہ دیا گیا' کبھی پردہ اسکرین پر انہیں خود نمائی اور جمال آرائی کے مواقع بہم پہنچائے گئے' اور کبھی کھیل کے میدان میں لاکر انہیں ہوسناک نظروں اور مریض ذہنوں کا کھلونا بنایا گیا۔ اب جب کہ جنرل ضیاء الحق ملک میں اسلامی نظام لانے کی مخلصانہ کوشش کررہے ہیں ان پر یہ فرض ہوجاتا ہے کہ آگے بڑھ کر شر وفساد اور فتنہ کے اس گندے اور بدترین سرچشمہ کو بند کردیں۔

نہ صرف ٹیلی ویژن اور ریڈیو اور سینماؤں سے خواتین کی حیاء وشرم کی نیلامی ختم کردی جائے بلکہ عام بے حجابی اور مرد وزن کے اختلاط کی ناپاک فضا کو صاف کرنے کے لئے بھی موثر اقدام کیا جائے۔ عقل مسخ اور حس ماؤف ہوگئی ہو تو اور بات ہے ورنہ بے

حجابی اور برہنگی کے اس طوفان میں ایک شریف آدمی کا بازار میں نکلنا بھی دوبھر ہو رہا ہے' کیا اس وبائے عام پر قابو پائے بغیر اس ملک میں اسلام آسکتا ہے؟

جنرل صاحب نے اپنی تقریر میں بڑے سوز اور درد کے ساتھ قوم کے افراد کو نیک بننے اور اسلامی اقدار اپنانے کی تلقین کی ہے۔ ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ انہیں صرف تلقین وارشاد پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس سے بڑھ کر ان وسیع اختیارات کو جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وانعام کے طور پر انہیں عطا کئے ہیں استعمال میں لانا چاہئے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا سو بار شکر ادا کرنا چاہئے کہ آج پورا معاشرہ ان کے کنٹرول میں ہے اور وہ یہاں اچھے سے اچھے کارنامے انجام دیکر نہ صرف اپنی آخرت سنوار سکتے ہیں بلکہ اپنی رعایا پر بھی احسان کرسکتے ہیں۔

مثلاً معاشرہ میں نماز کے عظیم الشان عمل کو رائج کرنے کے لئے حکومت کے تمام امیروں وزیروں' سیکریٹریوں اور ملازموں پر نماز کی پابندی ان کے فرائض منصبی میں شامل کردی جائے۔ دفتری اوقات میں دفتروں کے اندر اور دوسرے اوقات میں مساجد میں با جماعت ادا کرنے کی انہیں ترغیب دی جائے دیگر صلاحیتوں کے علاوہ نماز کی پابندی کو بھی ان کی ترقی وتنزل کا معیار بنایا جائے۔ یہ کام جنرل صاحب آسانی سے کرسکتے ہیں اس کے لئے کسی مہلت اور وقفہ کی بھی ضرورت نہیں' اگر حکومت کے افسر اور ملازم یہ عملی نمونہ پیش کریں تو ممکن نہیں کہ پبلک اس سے متاثر نہ ہو' اور معاشرہ نمازی نہ بن جائے۔

یہاں امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک زرین ارشاد یاد دلانا بھی ضروری ہے جو امام مالکؒ نے "موطا" میں نقل کیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عمال (ارکان حکومت) کے نام فرمان جاری کیا کہ "میرے نزدیک تمہارے سارے کاموں میں نماز سب سے بڑھ کر ہے جو شخص اس کی پابندی کرے اس کے بارے میں توقع ہے کہ وہ دیگر امور بھی ٹھیک بجا لائے گا اور جو شخص اس میں کوتاہی کرے وہ دوسری چیزوں میں اس سے بڑھ کر کوتاہی کرے گا۔"

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہمارے نیک دل حکمران جنرل محمد ضیاء الحق کے لئے مینارۂ نور ہے۔

اور مثلاً زکوٰۃ کی ترویج کے لئے جنرل صاحب بڑے بڑے مالداروں سے رابطہ قائم کریں اور انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دیں' اسی طرح حکومت کے وہ ارکان' جن پر زکوۃ فرض ہے انہیں زکوٰۃ دینے پر آمادہ کریں' یہ طبقہ زکوۃ دینے لگے تو نہ صرف معاشرہ میں زکوۃ ادا کرنے کا رواج ہوجائے گا' بلکہ معاشی اونچ نیچ بھی بڑی حد تک ختم ہوجائے گی۔

الغرض اسلام کے وہ تمام اعمال' جن کو آج کا معاشرہ انفرادی اعمال سمجھتا ہے (حالانکہ اسلام کا کوئی عمل بھی انفرادی نہیں بلکہ فرد کے عمل اور بے عملی کے اثرات پورے معاشرے پر پڑتے ہیں) اگر ان کا سلسلہ اوپر سے شروع کردیا جائے تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے فضا سالوں میں نہیں مہینوں اور ہفتوں میں تیار ہوسکتی ہے اور ہمارا یہ معاشرہ' جو آج جہنم کا نمونہ پیش کررہا ہے دنیا میں جنت بن سکتا ہے۔

ہمارے ماہرین اقتصادیات اور گزشتہ حکمرانوں نے قومی معیشت کو نئے نئے خطوط پر ڈھالنے کے تجربات کئے' اور بزعم خود بڑی بڑی "اصلاحات" بھی کیں' مگر آج تک قومی معیشت کے اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہ ہوسکی' بھاری بھرکم بجٹ' اور بے پناہ ترقیاتی مصارف کے باوجود قومی معیشت آج بھی کھوکھلی ہے۔ کسان اور مزدور آج بھی بے چین ہے' غریب آدمی کی زندگی اجیرن ہے' اور کھاتے پیتے خوشحال خانوادے تمام تر سامان تعیش میں کھیلنے کے باوجود کاروں' کوٹھیوں' بنگلوں میں بھی راحت سے محروم ہیں۔ (یہ بیچارے جتنے پریشان ہیں شاید غریب آدمی بھی اتنا پریشان نہیں ہوگا)

الغرض معاشرے کا کوئی طبقہ بھی ذہنی طور پر آسودہ' اور روحانی طور پر مطمئن نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس کا اصل سبب کیا ہے؟ اس کی اصل وجہ' جس کی طرف ہمارے معاشین اور حکمرانوں کی نظر آج تک نہیں گئی) یہ ہے کہ ہماری معیشت کا سارا ڈھانچہ "سود" پر استوار ہے' ہم اپنی معیشت میں الٹ پھیر کا جو تجربہ بھی کرتے ہیں اسی

ڈھانچے میں رہ کر کرتے ہیں۔ گویا معاشرہ کے افراد نہیں بلکہ پوری قوم "سود خور" ہے اور ہم پر رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشین گوئی پوری طرح صادق آتی ہے جسے امام بخاریؒ نے "صحیح" میں درج کیا ہے کہ "ایک وقت آئے گا کہ کوئی بھی "سود" سے پرہیز نہیں کرے گا اگر کوئی شخص انفرادی طور پر اس سے پرہیز کرتا بھی ہو اس کو بھی سود کا بخار یا غبار پہنچ کر رہے گا"۔

ادھر تو یہ حالت ہے کہ ہماری پوری قوم "سود" کی نجاست میں لت پت ہے' ادھر اللہ تعالیٰ نے سود خواروں کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ "اگر تم سود نہیں چھوڑتے تو خدا تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ سے جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔

صد حیف کہ ہماری قوم اکتیس برس سے خدا و رسول کے خلاف جنگ لڑ رہی ہے' اور پھر اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہماری قومی معیشت مستحکم ہو جائے گی اور معاشرہ کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ رب کعبہ کی قسم جب تک اس قوم کی معیشت میں "سود" کا عمل دخل ہے اور جب تک یہ قوم خدا و رسول سے برسرپیکار ہے اس کو کبھی سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کی معیشت بحال ہو سکتی ہے نہ معاشرے کے کسی طبقے کی بے چینی ختم ہو سکتی ہے۔ جنرل ضیاء الحق اس قوم کے بہت بڑے محسن شمار ہوں گے اگر اس کو خدا اور رسول کے مقابلہ میں میدان جنگ سے واپس ہٹالیں' اور قومی معیشت کو "سود" کی لعنت سے ہمیشہ کے لئے نجات دلادیں۔ ہمیں پوری طرح احساس ہے کہ یہ کام آسان نہیں۔ بے حد کٹھن اور مشکل ہے لیکن اگر اس ملک اور قوم کو باقی رکھنا ہے تو یہ کام جس قدر بھی دشوار ہو' اور اس کے راستے میں جتنی رکاوٹیں بھی حائل ہوں ہمیں بہرحال یہ کرنا ہوگا اور اس سے مزید غفلت اور کوتاہی خودکشی کے مترادف ہے۔

جہاں تک اسلامی نظریاتی کونسل کا تعلق ہے ہماری ناقص رائے یہ ہے کہ اسے ایک فعال اور با اختیار ادارہ بنایا جائے۔ اس میں اسلامی قانون اور جدید مسائل کے ماہرین کو رکھا جائے' مگر اس کی سفارشات کو براہ راست قانون کی حیثیت دی جائے۔ جنرل صاحب نے جو طریقہ عمل تجویز کیا ہے کہ کونسل کی سفارشات پر پہلے مذہبی وزارت غور

کرے پھر قانون کی وزارت اس کی جانچ پڑتال کرے پھر وہ کابینہ میں پیش ہو اور کابینہ اس پر ایک بار پھر غور کرے تب کہیں جاکر ان سفارشات پر عمل در آمد کی نوبت آئے (یا نہ بھی آئے) یہ عمل بے حد پیچیدہ اور اسلامی قانون کو خواہ مخواہ سرخ فیتے کی نذر کرنے کے مترادف ہے۔

اسلامی تعزیرات کے بارے میں ہماری درخواست یہ ہے کہ انہیں خدا کا قانون جان کر فوراً نافذ کیا جائے۔ ہمارے اس عمل پر بی بی سی کیا تبصرہ کرتا ہے؟ مغربی پریس کیا اظہار خیال کرتا ہے؟ اور باہر کی دنیا کیا کہتی ہے؟ اس کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے، اسی طرح اسلامی تعزیرات کے نفاذ میں اس بات کا بھی انتظار غلط ہے کہ پہلے معاشرہ ٹھیک ہولے تب اسلامی تعزیرات کا اجراء ہوگا۔ یہ ایک غلط اور گمراہ کن تصور ہے اور اسی منطق سے آج تک ہمارا مغرب زدہ طبقہ اسلامی قانون کو ٹالتا چلا آرہا ہے ہمیں توقع ہے کہ جنرل ضیاء الحق اس حلقہ کی اس سازش کو ناکام بنادیں گے۔

آخر میں ہم ملک کی ان سیاسی جماعتوں سے، جو واقعۃً اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کی خواہاں ہیں گزارش کریں گے کہ اس نیک مقصد میں جنرل محمد ضیاء الحق کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں۔ افسوس ہے کہ ہمارے سیاسی راہنماؤں نے اس موقع کو غنیمت نہیں جانا اور "انتخاب انتخاب" کے نعروں میں وقت ضائع کردیا۔ ان کے مقابلہ میں وہ قوتیں اندر ہی اندر خاموشی سے کام کرتی رہیں جو اس ملک میں "اسلامی نظام" کے نفاذ کو اپنی خواہشات کے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتی ہیں۔ ایک سال کے عرصہ میں انہیں خاصی کامیابی ہوئی ہے، اور اسلامی نظام کا نفاذ ایک بار پھر دھندلکوں میں چلا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ملک پر رحم فرمائے، ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے، اور ہمارے عوام اور حکمرانوں کو اپنی رضا کے مطابق توفیق ارزانی فرمائے۔

وصلی اللہ علٰی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ محمد و آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

(شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ)

اسلامی ایشیائی کانفرنس
اور
پاکستان میں نفاذِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

بتاریخ ۶ر ۷ر ۸ر جولائی ۱۹۷۸ء (۲۹ر ۳۰ر رجب، یکم شعبان ۱۳۹۸ھ) رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے زیر انتظام کراچی میں پہلی اسلامی ایشیائی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ایشیا کے تیس ملکوں سے تقریباً دو سو مندوبین نے شرکت کی۔

رابطہ عالم اسلامی، براعظموں کی سطح پر اس نوعیت کی کانفرنسوں کا اہتمام کرتا رہا ہے، چنانچہ شمالی امریکہ، جنوبی امریکہ، کیرے بین، اور آسٹریلیا میں اس قسم کی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں، براعظم ایشیا کی یہ پہلی اسلامی کانفرنس تھی۔

اس کانفرنس کے مقاصد رابطہ کی جانب سے حسب ذیل پیش کئے گئے ہیں :

○ ۔ ایشیائی اسلامی ممالک کے درمیان اخوت واتحاد اور مساوات کے رشتوں کو محکم کرنا۔

○ ۔ یہ معلوم کرنا کہ اسلامی ایشیائی ملکوں کو کیا کیا مسائل اور مشکلات درپیش ہیں اور ان کو کس طرح حل کیا جاسکتا ہے؟

○ ......مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لئے جدوجہد کے اقدامات تجویز کرنا۔

○ ......اسلامی معاشرے کو بیدار اور فعال بنانے کے لئے مساجد کے کردار کو زیادہ موثر بنانے پر غور کرنا۔

○ ....دور دراز کے لوگوں کے لئے تبلیغی نظام کو فعال بنانا۔

○ ــــ غیر اسلامی ممالک میں مسلم اقلیتوں کے تحفظ اور بقا پر غور و فکر۔

○ ــــ ایشیائی ملکوں کے مسلم نوجوانوں کی تربیت اور کردار سازی کے لئے قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کو فروغ دینا۔

○ ــــ عالم اسلام میں شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے امکانات پر غور کرنا' اور درپیش موانع کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔

○ ایشیائی مسلمانوں کے درمیان مضبوط اور مستحکم رابطہ پیدا کرنے کے لئے عربی کو فروغ دینا۔

رابطہ نے اس کانفرنس کے لئے کراچی کا انتخاب کیا' اور اس طرح پاکستان کو اپنے اسلامی ایشیائی بھائیوں کی پذیرائی اور مہمانی کا شرف حاصل ہوا' جس کے لئے ہم سب کو رابطہ عالم اسلامی کا ممنون ہونا چاہئے۔

بتاریخ ۱۶ر جولائی کو کانفرنس کا افتتاح جنرل محمد ضیاء الحق چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے کیا' ان سے پہلے رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکریٹری الشیخ محمد علی الحرکان نے کانفرنس کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی' ان کی تقریر کے بعد وزارت مذہبی امور پاکستان کے مسٹر اے' کے بروہی نے شرکائے کانفرنس کی خدمت میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا' اور پھر جنرل محمد ضیاء الحق نے اردو میں تقریر کی' ان کی تقریر ایمانی جذبہ کی آئینہ دار تھی' جس سے مندوبین بہت متاثر ہوئے۔ بعد ازاں ڈاکٹر احمد کریم گائے اور شیخ محمود الصواف کی تقریریں ہوئیں' اس ابتدائی کارروائی کے بعد مختلف موضوعات پر غور کرنے اور سفارشات مرتب کرنے کے لئے کانفرنس کو چھ کمیٹیوں میں تقسیم کردیا گیا۔

۱۔ تبلیغ شریعت' مساجد' حج' اور قرآن کریم کی اشاعت۔

۲۔ عربی زبان کی ترویج وتعلیم۔

۳۔ ذرائع ابلاغ کا صحیح استعمال۔
۴۔ مسلم اقلیتوں کے مسائل۔
۵۔ نوجوان نسل کی تعلیم و تربیت۔
۶۔ مسجد اقصیٰ کی بازیابی اور اسلام دشمن قوتوں کے مقابلہ میں اسلامی اتحاد کی تدابیر۔

متعلقہ کمیٹیوں نے زیر بحث مسائل پر غور کیا' اور کانفرنس کو اپنی سفارشات پیش کیں' کانفرنس کے مندوبین خصوصاً داعی اور میزبانوں نے اظہار خیال کیا' کچھ قرار دادیں پاس ہوئیں' کچھ اعلانات ہوئے' اس طرح یہ کانفرنس بخیر وخوبی ختم ہوگئی' رابطہ عالم اسلامی اسلام اور اسلامی ممالک کی خدمت کے سلسلے میں جو سعی کر رہا ہے وہ بہت ہی لائق تحسین ہے۔

اس اسلامی ایشیائی کانفرنس میں جو چیز بہت زیادہ نمایاں تھی' وہ کانفرنس کا پاکستان اور پاکستان کی قیادت سے حسن اعتقاد یا حسن ظن تھا۔ بلاشبہ سعودی عرب اسلام کا مرکز ہے مگر جدید ماحول میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا مدار پاکستان کے کردار پر ہے۔ جس طرح ۱۹۴۷ء میں ہندوستان انگریز کی غلامی سے آزاد ہوا' تو گویا غلامی کے طوق وسلاسل ٹوٹ گئے' چنانچہ یکے بعد دیگرے بہت سے ممالک آزاد ہونے لگے' اسی طرح پاکستان کا قانون کفر کی غلامی سے آزادی کا اعلان کرنا پورے عالم اسلام کو کفر کے چنگل سے چھڑانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس لئے اگر اسلامی ایشیائی کانفرنس کے مندوبین اور خصوصیت کے ساتھ رابطہ عالم اسلامی کے مشائخ نے پاکستان سے کچھ امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں تو کچھ غلط نہیں۔

پاکستان میں اسلامی نظام کب نافذ ہوگا؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے جو قیام پاکستان سے لے کر آج تک ہمارے حکمرانوں سے جواب کا مطالبہ کر رہا ہے' مگر افسوس کہ آج تک یہ خواب تشنہ تعبیر ہے' اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اس خواب کی کوئی تعبیر واقعۃً ہے بھی یا نہیں؟

جنرل محمد ضیاء الحق کی شخصیت سے ملک اور قوم کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں' عام تاثر یہ تھا کہ جنرل صاحب ۵ر جولائی کو اسلام کے نفاذ کا اعلان کریں گے' کچھ لوگوں کا

خیال تھا کہ یکم رمضان سے اس مبارک مہم کا آغاز ہوگا' مگر یہ سارے قیاسات خطا گئے' امیدیں ٹھٹھر کر رہ گئیں' حسرتوں کی اداسی چار سو پھیل گئی' اور مایوسی کی تاریکی بڑھنا شروع ہو گئی' آج عام و خاص کی زبان پر پھر وہی سوال ہے کیا پاکستان میں اسلام آئے گا؟ کب آئے گا؟ مستقبل کے بارے میں پیش گوئی کرنا ممکن نہیں' خدا ہی جانتا ہے پردہ غیب میں کیا ہے؟ مستقبل کا آفتاب کس طربیہ یا المیہ کو لے کر طلوع ہوگا؟ پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں قضا و قدر کا فیصلہ کیا ہے؟ مگر ایک بات بہت کھلی نظر آتی ہے' وہ یہ کہ اگر آج اسلام نافذ نہ ہوسکا تو کل اس کے نفاذ کی توقع نہیں رکھنی چاہئے' ہمارا جو قدم اٹھ رہا ہے' بلکہ ہر لمحہ جو ہم پر گزر رہا ہے' وہ ہمیں اسلام سے دور لے جا رہا ہے' اسلام کے نفاذ میں جتنی تاخیر ہوگی اس کے لئے اتنی ہی مشکلات زیادہ ہوں گی' اگر جنرل محمد ضیاء الحق اس ملک میں اسلام کو نافذ کرنے میں ہچکچاتے ہیں اور کہیں "ایسا نہ ہوجائے' کہیں ویسا نہ ہوجائے" کہ اندیشہائے دور دراز ان کو دامن گیر ہیں تو انہیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ اپنے ان اندیشوں سے ہمیشہ کے لئے پاکستان میں اسلام کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔

دو باتیں ہم ہمیشہ سے کہتے رہے ہیں' آج بھی کہہ دینا ضروری سمجھتے ہیں' ایک یہ کہ پاکستان کا وجود صرف اسلام کے لئے ہے' اگر یہاں اسلام نہیں آتا تو خدا کو پاکستان کی ضرورت نہیں ہے' دوسری بات یہ کہ جو قوم (مسلمان کہلا کر) اسلام سے غداری کرے گی وہ ہمیشہ جوتے کھائے گی' اور جو حکمران اقتدار اور تمکن کی پوری طاقت کے باوجود اسلام سے بے وفائی کریں گے انہیں سکندر مرزا اور بھٹو کا حشر بھی نہیں بھولنا چاہئے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ
محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

بینات رمضان ر شوال ۱۳۹۸ھ

انتظار کی گھڑیاں کب ختم ہوں گی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

مسلم قوم کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ قانون اسلام کے بجائے قانون کفر کے زیر سایہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو، اس بدقسمتی کے ازالہ کے لئے یہ خطۂ پاک حاصل کیا گیا اور جب سے یہ ملک منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوا ہے تب سے اپنے حکمرانوں کا منہ تک رہا ہے کہ یہاں اسلام کو پھلنے پھولنے اور پنپنے کا موقع کب دیا جائے گا؟ یہاں کئی حکمراں آئے اور اپنی شہنشاہیت کا ڈنکا بجا کر رخصت ہوئے، بہت سی وزارتیں بنیں اور بگڑیں، بہت سے دور آئے اور گئے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ اس قوم کی قسمت نہ بدلی اور یہاں کے باشندوں کو اسلام کا سایۂ رحمت نصیب نہ ہوا، ہر نئے آنے والے حکمراں نے ''اسلام، اسلام'' کے نعرے لگائے لیکن عملی طور پر یہاں اسلام کے نفاذ کی کسی حکمراں کو توفیق نہیں ہوئی۔

جب سے بری افواج کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی ہے ایک بار پھر شدت کے ساتھ یہ سوال ابھر آیا کہ کیا پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہوگا؟ مارشل لاء کے

نفاذ کو بھی سوا سال کا عرصہ گزر رہا ہے مگر قوم ابھی تک امید و بیم کے طوفانوں میں ہچکولے کھا رہی ہے، وہ جب چیف مارشل لاٗ، وفاقی وزراٗ، اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور عزت مآب وزیر قانون کے پرعزم بیانات سنتی ہے تو اسے امید ہوتی ہے کہ شاید یہ سعادت جنرل محمد ضیاٗ الحق اور ان کے رفقاٗ کے حصہ میں آجائے، لیکن جب وہ یہ دیکھتی ہے کہ ہماری عدالتوں میں آج بھی خدا تعالیٰ کے قانون کی جگہ انگریز کا فرسودہ قانون رائج ہے، ہمارے بازاروں اور منڈیوں میں لین دین کا سارا نظام اسلامی احکام کے برعکس چل رہا ہے، آج بھی معیشت کے تمام شعبوں پر اسلامی قانون کے بجائے یہودیوں کا سودی نظام مسلط ہے، چوری، قتل، اور اغواٗ کی وارداتوں میں آج بھی روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ فحاشی و عریانی اور مرد و زن کے اختلاط کا سیلاب آج بھی قوم کی اخلاقی دیواروں سے ٹکرا رہا ہے، بے حیائی کے مناظر آج بھی دید و دل کو آوارگی اور انارکی کا درس دے رہے ہیں تو قوم مایوسی کے عالم میں دم بخود رہ جاتی ہے اور نظام مصطفیٰ کے حسین وعدے اسے اکتیس سالہ کھوکھلے نعروں کا تسلسل نظر آتے ہیں۔ سیاستدانوں اور حکمرانوں کے قول و عمل کا یہی تضاد ہے جو بالآخر قوم اور اس کی قوت عمل کو مفلوج کر دیتا ہے، چیف مارشل لاٗ ایڈمنسٹریٹر کی صاف گوئی پر قوم کو بہت ہی اعتماد تھا، اور قوم انہیں اس ملک کا مسیحا تصور کرتی تھی، لیکن افسوس ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ میں تاخیر سے اس اعتماد کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے، اور قوم آج پھر بے یقینی کے گرداب میں یہ سوال کر رہی ہے کہ کیا پاکستان میں اسلامی نظام کا سورج طلوع ہوگا؟ اور ہوگا تو کب؟

۱۲ر شوال ۱۳۹۸ھ (۱۶ر ستمبر) کو سابق صدر چوہدری فضل الٰہی کی سبکدوشی کے بعد بری افواج کے سربراہ چیف مارشل لاٗ ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاٗ الحق نے صدر مملکت کے عہدے کا حلف اٹھایا ہے، اگرچہ چیف مارشل لاٗ ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت میں بھی ملک کے نظم و نسق کے تمام اختیارات اور تمام تر ذمہ داری انہیں پر عائد ہوتی تھی

مگر اس عہدۂ جلیلہ کا حلف اٹھانے کے بعد ان کی ذمہ داری میں مزید اضافہ ہوگیا ہے، اور اب اسلامی نظام کے سلسلے میں ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اگر ان تمام اختیارات کے باوجود بھی وہ اسلام نافذ نہیں کرتے تو کم از کم قوم کو یہ تو بتا دیا جائے کہ آخر اسلامی نظام کے نفاذ میں کون سی دیوار حائل ہے؟ قوم منتظر تھی کہ جنرل صاحب ۲۳ر مارچ کو اس قرارداد کو عملاً نافذ کریں گے مگر یہ دن خالی گیا، پھر قوم چشم براہ تھی کہ اس پہلی سالگرہ کے موقع پر جنرل صاحب اپنا وعدہ ایفا کریں گے، اسی طرح یہ خیال تھا کہ یکم رمضان کو اسلامی منشور کا نفاذ ہوگا، مگر اس موقع پر بھی مایوسی کا سامنا ہوا، پھر توقع تھی کہ ۲۷ر رمضان کو پاکستان کے یوم پیدائش پر قوم کو اسلامی نظام کا تحفہ عطا کیا جائے گا، اور ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ'' کا نعرہ ایک بار پھر چارسو گونجنے لگے گا، مگر قوم اس موقع پر بھی بدنصیب ہی رہی، پھر وزیر قانون سے اس مہینے اسلامی قانون کے نفاذ کی نوید جانفزا کی توقع ہے۔ خدا کرے انہیں اس وعدے کے ایفاء کی توفیق ہوجائے، اور قوم کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۲ر ستمبر ۱۹۷۸ء)

اسلامی نظام اور سیاسی جماعتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۹۷۷ء کے انتخابات سے پہلے نو جماعتوں کا اتحاد ''قومی اتحاد'' کے نام سے وجود میں آیا جس کے اہم ترین مقاصد یہ بتائے گئے تھے۔

بھٹو جارحیت کا خاتمہ۔

عام آدمی کی مشکلات کا حل ــــــــ اور

نظام مصطفیٰ کا نفاذ۔

اس وقت بھٹو شاہی یہ پیشگوئی کر رہی تھی کہ یہ اتحاد اسلام کی خاطر نہیں، بلکہ بھٹو دشمنی اس کی بنیاد ہے اور یہ کسی وقت بھی افتراق و انتشار کی نذر ہوسکتا ہے، ادھر لیڈر بڑے اعتماد اور بلند آہنگی سے یہ فرما رہے تھے کہ ہمارا یہ عہد و پیان نفاذ اسلام کی خاطر ہے، اور جب تک یہ مقصد پورا نہیں ہوجاتا یہ اتحاد بہر قیمت قائم رہے گا دنیا کی کوئی طاقت اس میں رخنہ انداز نہیں ہوسکتی۔

عوام نے اتحادی راہنماؤں کے خوش آئند وعدوں اور دعووں پر بھرپور اعتماد کا مظاہرہ کیا اور مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں کی گئی دھاندلیوں کے خلاف ''قومی اتحاد'' نے جو نظام مصطفیٰ کے نام پر تحریک چلائی قوم نے اسے واقعۃً تحریک جہاد سمجھ کر اس میں حصہ لیا اور جان و مال کی بے پناہ قربانیاں پیش کیں، اس کے نتیجے میں بھٹو آمریت کا خاتمہ ہوا، فوج نے ملک کی زمام اقتدار بھٹو شاہی کے ہاتھ سے چھین لی، اور (ولی خاں اور ان کے رفقاء) کو باہر کی ہوا نصیب ہوئی۔

یہ صورت حال ''قومی اتحاد'' کے لئے آزمائش بن گئی، قوم کے نونہالوں کے خون سے گلیاں رنگین تھیں، تحریک نظام مصطفیٰ کے زخمیوں کے گھاؤ ابھی مندمل نہیں ہو پائے تھے اور اسیران تحریک ابھی جیلوں سے باہر نہیں آئے تھے (ان میں سے بعض پر اب تک مظالم ہو رہے ہیں) کہ اتحادی لیڈروں نے اپنے وعدوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قومی اتحاد سے الگ ہونا شروع کردیا، سب سے پہلے مسٹر اصغر خاں نے الگ پروازی کی طرح ڈالی، ان کے بعد ان کے سابقہ حلیف ''جمعیت علمائے پاکستان'' نے اتحاد سے راہ مفارقت اختیار کی، بالآخر اسیران بھٹو کی جماعت نے قومی اتحاد کو چھوڑ دیا۔

ہمارے ان رہنماؤں کی سیاسی مصلحتیں یا سیاسی مجبوریاں اپنی جگہ، مگر یہ بات ہر عامی سے عامی سمجھتا ہے کہ انہوں نے بھٹو کے حامیوں کی پیشگوئی کو سچ کر دکھایا وہ لوگوں کو یہ کہہ کر بہکا رہے ہیں کہ کیا ہم نہ کہتے تھے کہ یہ اتحاد اسلام کی خاطر نہیں، بلکہ بھٹو دشمنی کی خاطر ہے۔

کیا ''قومی اتحاد'' کے حسین وعدوں کی تعبیر نکل آئی؟ کیا نظام مصطفیٰ رائج ہو چکا؟ کیا عام آدمی کی مشکلات حل ہوگئیں؟ کیا بھٹو ازم کا صفایا کر دیا گیا؟ اگر ان سارے سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو یہ اتحادی لیڈر قومی اتحاد سے کنارہ کش کیوں ہوگئے؟ کیا ان کا اور ان کا اسلام الگ الگ ہے؟

مانا کہ مغربی سیاست میں کوئی حرف، حرف آخر نہیں، یہ بھی صحیح کہ سیاسی عہد و پیمان کی بازار سیاست میں کوئی قیمت نہیں، یہ بھی درست کہ سیاسی وعدے کبھی شرمندۂ ایفا نہیں ہوتے، یہ بھی بجا کہ آج کے سیاسی حلیف کل کو حریف بن جاتے ہیں، یہ بھی مسلّم کہ سیاست میں سب سے مقدم سیاسی مفاد ہے، لیکن جو جماعتیں آج

بھی اسلام کا نعرہ لگا رہی ہیں اگر وہ واقعی مخلص ہیں تو انہیں سو بار سوچنا چاہئے کہ ان کے طرز عمل سے نفاذ اسلام کی منزل قریب آرہی ہے، یا اب تک کے سارے کئے دھرے پر پانی پھر رہا ہے؟: یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ منزل دور شد۔

انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ قوم ان کے طرز سیاست سے کیا تأثر لے رہی ہے؟ اور لادین عناصر ان کی مثال پیش کر کے قوم کو اسلام سے مایوس اور برگشتہ کرنے میں کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟

اسلام، امت مسلمہ کو ''وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا'' کی دعوت دیتا ہے، باہمی الفت ومحبت اور خوش اخلاقی و رواداری کی تلقین کرتا ہے، قرآن کریم نے مسلمانوں کی باہمی الفت و اتحاد کو سب سے بڑی نعمت اور انتشار و افتراق کو آسمانی عذاب کے ہم پلّہ ٹھہرایا ہے، اور اسے ان کی ہوا خیزی کا موجب قرار دیا ہے، اور آنحضرت ﷺ نے افتراق و انتشار اور گروہی سیاست پر جس قدر اظہار نفریں فرمایا ہے وہ کسی ذی علم سے مخفی نہیں، اور اس بات میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ یہ امت مسلمہ کے حق میں سب سے بڑا عذاب ہے اور جو لوگ افتراق کی بھٹی سلگا کر اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرتے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں۔

قیام پاکستان سے لے کر اب تک ملک میں تین محاذ قائم ہیں اور آج ان تینوں محاذوں پر آخری جنگ لڑی جارہی ہے۔

پہلا محاذ اسلامی نظام اور لادینیت کے درمیان۔

دوسرا محاذ اسلام اور مغربیت کے درمیان......اور

تیسرا محاذ ملکی سالمیت اور وطن دشمن عناصر کے درمیان۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لادین عناصر اور ان کے گماشتے ان تینوں محاذوں پر بڑی

ہم آہنگی، یک جہتی، اور قوت کے ساتھ مصروف کار ہیں، اور اندرون و بیرون ملک کی ساری لادینی طاقتیں ان کی پشت پر ہیں، اس کے لئے خفی و جلی منصوبے تیار ہو رہے ہیں اور قوم کو مختلف نعروں کے انجکشن دے دے کر مدہوش کیا جا رہا ہے، اس کے برعکس اسلام اور وطنی سالمیت کے لئے کام کرنے والی طاقت انتشار کی آندھیاں اڑا کر غبارِ راہ بن چکی ہے۔ ہمیں بصد ندامت اعتراف کرنا چاہئے کہ اکتیس برس تک لادین عناصر اپنے مشن میں کامیاب رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مغرب کا نظام قانون و سیاست (اپنی تمام تر ہلاکت آفرینیوں کے ساتھ) آج تک ہم پر مسلّط ہے، لادینیت کا سیلاب خطرے کے نشان سے اوپر بہہ رہا ہے، ملک دشمن عناصر ملک کو پہلے ہی دونیم کر چکے ہیں اور اب اس کے مزید حصے بخرے کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔

حالات کا نقشہ جس قدر بھیانک ہے اسے سمجھنے کے لئے زیادہ فہم و ذکاوت کی ضرورت نہیں، یہ حالات نظام مصطفیٰ کی داعی جماعتوں کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے، ان کی طاقت باہمی تصادم میں کب تک ضائع ہوتی رہے گی؟ آپس کے کشت و خون سے انہیں کب فرصت ہوگی؟ لادینیت، مغربیت اور وطن دشمن عنصر کے مقابلہ میں ان کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کا وقت کب آئے گا؟ اور سب مل کر محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کا علم کب بلند کریں گے؟ کیا جب ہم بازی ہار چکے ہوں گے؟

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ر ستمبر ۱۹۷۸ء)

جداگانہ انتخابات۔ صدارتی حکم!

اب تک ملک میں مخلوط طریقۂ انتخاب رائج تھا، جس میں دوقومی نظریہ کی نفی کے علاوہ اقلیتی فرقوں کے افراد سے اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق سلب کرلیا گیا تھا، اور طالع آزما سیاستدان اقلیتی نمائندوں کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان قباحتوں کوختم کرنے کی غرض سے صدرمملکت جنرل محمد ضیاءُ الحق نے آئندہ انتخابات کے لئے جداگانہ طریق انتخاب کا حکم صادر کیا ہے، اور اس کے لئے ضروری قوانین کے نفاذ کا اعلان کردیا ہے، جس کے تحت مسلم رائے دہندگان صرف مسلم نشستوں کے لئے ووٹ دیں گے، اور اقلیتی فرقوں کے حضرات براہ راست ووٹوں کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کریں گے، یہ صدارتی حکم لائق صد تحسین ہے، جس سے ملک میں صحت مند سیاست کے فروغ میں مدد ملے گی، اور آئندہ اقلیتوں کو اپنے نمائندے خود منتخب کرنے کا حق استعمال کرنے کا موقع میسر آئے گا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۹؍ستمبر ۱۹۷۸ء)

اعلان نہیں نفاذِ شریعت چاہئے!

فیصل آباد میں ''گندم کانفرنس'' سے خطاب کرتے ہوئے صدر محمد ضیاءالحق نے فرمایا کہ اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان انشاءاللہ بہت جلد کردیا جائے گا۔ دیوانی مقدمات نمٹانے کے لئے قاضی مقرر کئے جائیں گے۔ زکوٰۃ وعشر کے نفاذ سے متعلق تیاریاں مکمل کرلی گئی ہیں، ان سب کو ایک ساتھ نافذ کردیا جائے گا۔ اور وہ سود کے مکمل خاتمے کی حتمی تاریخ کا اعلان جلد کریں گے جس کے بعد سودی لین دین قطعی ممنوع ہوگا۔

صدر کے یہ اعلانات بڑے خوش آئند اور مبارک ہیں، کاش! یہ ''انشاءاللہ بہت جلد'' شبِ فراق کی طرح طویل سے طویل تر نہ ہوتی جائے۔ سود کے خاتمے کی حتمی تاریخ کا اعلان جب کیا جانا مفید ہے کہ اس سے پہلے ملک میں مکمل طور پر غیر سودی بینکاری نظام نافذ کردیا جائے۔ اور اس راستہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان پر کامیابی کے ساتھ قابو پالیا جائے اور یہ کام آسان نہیں بلکہ بے حد کٹھن اور شدید محنت وریاض کا خواستگار ہے، اور اس کے ارتقاء واستحکام میں کافی وقت لگے گا، اس کے بعد ہی سود کے مکمل خاتمہ کا اعلان ممکن ہوگا۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے ابھی تک اس سمت کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوئی، بلکہ یہ معاملہ تاحال ازبس مشکل ہی ہے۔ ایسی

صورت میں سود کے خاتمہ کے حتمی اعلان کا وعدہ قبل از وقت معلوم ہوتا ہے، اور اگر سرکاری کارگذاری کی رفتار یہی رہی تو ہمیں اندیشہ ہے کہ جناب صدر اپنے دور کے قلیل وقفے میں اس کے ایفاء کی سعادت حاصل نہیں کرسکیں گے۔

یہ بات تو اب ہر شخص کو کھلی آنکھوں نظر آنے لگی ہے کہ مغرب کے سرمایہ دارانہ سودی نظام نے مسلمانوں کی معیشت کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا شدید غلطی ہوگی کہ معاشی بگاڑ کا ذریعہ صرف ''سود'' ہے۔ اور یہ کہ اگر اس لعنت سے نجات مل جائے تو معیشت کا موجودہ بگاڑ دور ہوجائے گا۔

بلکہ معاشی بگاڑ میں لین دین اور خرید وفروخت کے وہ غلط طریقے بھی ایک مؤثر حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے مغرب کی مادر پدر آزاد سرمایہ داری کے بطن سے جنم لیا ہے اور جو ہمارے بازاروں اور منڈیوں میں بغیر روک ٹوک کے جاری ہیں۔ یہ نظام تجارت جب تک رائج رہے گا ہماری معیشت کی کل کبھی سیدھی نہیں ہوگی، نہ اسلامی معیشت ابھر سکے گی۔

اس کی طرف نہ کسی سیاسی جماعت کی نظر جاتی ہے، نہ اسلامی نظام کے دعویداروں کو توجہ ہے، نہ ایوان صنعت وتجارت کے کار پردازوں کو اس نظام کی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، نہ تاجر پیشہ طبقہ کو کاروبار میں حلال وحرام اور جائز و ناجائز دریافت کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ گویا سب حضرات ہمارے بازاروں میں قدم رکھتے ہی شریعت سے آزاد ہوجاتے ہیں۔ شائد یہی وجہ ہے کہ حکومت کے ماہرین کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اسلامی معیشت کے نفاذ کے لئے کاروبار کو بھی اسلامی بنانے کی ضرورت ہے، کیونکہ حکومت صرف انہی مسائل پر ''غور'' کیا کرتی ہے جن کا شور زبانوں سے گزر کر ایوانوں سے ٹکرانے لگے۔

ہم جناب صدر سے درخواست کریں گے کہ وہ اگر مغربی نظام کی پیدا کردہ ناہمواریوں کو ختم کرنا اور پاکستانی معیشت کو اسلامی معیشت کے خطوط پر ڈھالنا چاہتے ہیں تو سود کے خاتمے کے ساتھ بازاروں اور منڈیوں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ فرمائیں، اوران پر بھی نظام معیشت کے مطابق حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا قانون نافذ فرمائیں، اوراس کی آسان صورت یہ ہے کہ ہمارے بازاروں میں کاروبار کی جتنی صورتیں رائج ہیں ایوان تجارت سے ان کی تفصیل طلب کی جائے۔ اور ''اسلامی نظریاتی کونسل'' ہر معاملہ کے جواز وعدم جواز پر غور کرنے کے بعد جو فیصلہ دے اسے قانون کی حیثیت دی جائے، اس کے ساتھ بازار کے ہر کاروباری آدمی کو اپنے کاروبار سے متعلقہ مسائل جاننا لازم قرار دیا جائے، کیونکہ جب تک مسلمانوں میں حلال وحرام کا تصور اجاگر نہیں ہوتا، جب تک مسلمان تجارت اور لین دین کے اسلامی اصولوں کو نہیں اپناتے، جب تک ہمارے بازاروں سے مغرب کی داخل شدہ گندگی صاف نہیں ہوجاتی نہ مسلمانوں کو پاک روزی میسر آئے گی۔ اور نہ معاشی ناہمواری کے دیو کا عریاں رقص بند ہوگا۔۔۔ واللہ الموفق۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۷/اکتوبر ۱۹۷۸ء)

وعدہ نہیں، اسلام نافذ کیجئے!

پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا جو ۵رجولائی ۱۹۷۷ء سے شور بلند تھا اس کے نفاذ کی آخری تاریخ ۹رذوالحجہ مقرر کی گئی تھی اور اعلان ہوا تھا کہ صدر محترم اس ساعت سعید میں اسلام کے نفاذ کا مبارک اعلان کریں گے، یہ اعلان سن کر ہمیں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت پر تعجب ہوا کہ ملک کے باشندوں کا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو پسند آگیا ہے کہ اس ملک کو اسلام کی نعمت سے سرفراز کیا جارہا ہے لیکن یکایک نیا اعلان سن کر ہماری حیرت زائل ہوگئی کہ چونکہ اس سال حج جمعہ کے دن ہورہا ہے اس لئے صدر محترم حج اکبر کی سعادت کے لئے حجاز مقدس تشریف لے جارہے ہیں، اور اسلام کا نفاذ کسی نامعلوم وقت کے لئے ملتوی کردیا گیا ہے جناب صدر کا حج پر تشریف لے جانا ہمارے لئے لائق فخر اور ان کے لئے موجب سعادت ہے لیکن سوال یہ ہے کہ نفاذ اسلام کے التواء کا اس کے ساتھ کیا ربط ہے؟ کیا نفاذ اسلام کا اعلان ان کے تشریف لے جانے سے پہلے ریکارڈ نہیں کرایا جاسکتا تھا؟ کیا سعودی ریڈیو سے وہ یہ اعلان نشر نہیں کرسکتے تھے؟ یا کیا قائم مقام صدر جناب جسٹس کے ذریعہ یہ اعلان نہیں ہوسکتا تھا؟ صدر مملکت کا حج پر جانا نفاذ اسلام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟

نفاذ اسلام کے وعدے اتنی بار دہرائے گئے ہیں اور انہیں اتنی بار ٹالا گیا ہے کہ اب قوم کو ان وعدوں سے خوشی نہیں ہوتی، بلکہ ان سے غصہ، جھنجھلاہٹ اور مایوسی جنم لیتی ہے، اب عام تأثر یہ پھیلتا جارہا ہے کہ حکمرانوں کے وعدے کبھی شرمندۂ ایفا نہیں ہوا کرتے اور یہ تأثر نہ ملک وقوم کے لئے نیک شگون ہے نہ خود حکمرانوں کے لئے۔

ایک اچھے مؤمن کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ قول کا پکا اور وعدے کا سچا ہو، ہمیں معلوم ہے کہ صدر جنرل ضیاء الحق سچے دل سے اسلام کے نفاذ کے خواہشمند ہیں لیکن نوکر شاہی ان کی اس خواہش کو کسی نہ کسی طرح ٹال جاتی ہے، جس سے ایک طرف خود صدر کی شخصیت سے اعتماد اٹھ رہا ہے اور دوسری طرف لادین طبقہ اسلام کو نشانہ تضحیک بنا رہا ہے۔

ہم جناب صدر سے مخلصانہ گزارش کریں گے کہ آئندہ نفاذ اسلام کا کوئی وعدہ نہ کیا جائے نہ اس کی تاریخ کا اعلان کیا جائے جب آپ کو توفیق ہو اسلام کے نفاذ کا اعلان کردیجئے۔ جب سورج چڑھے گا دنیا خود دیکھ لے گی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۹ر نومبر ۱۹۷۸ء)

دینیات کے ساتھ یہ سلوک
لائقِ فخر ہے یا موجبِ ننگ و عار؟

وفاقی وزیر تعلیم مسٹر محمد علی ہوتی نے انکشاف کیا ہے کہ حکومت نے دینیات کی ایک واحد کتاب شائع کرنے کے لئے، جو تمام مکاتب فقہ کے لئے قابل قبول ہو، ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ یہ کتاب قرآن کریم کی ۷۵ فیصد آیات اور ۲۵ فیصد متفقہ احادیث پر مشتمل ہوگی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وزارت تعلیم کا شعبۂ نصاب اس بارے میں کام میں مصروف ہے، عنقریب اسلام آباد میں ہر فقہ کے علماً کا نمائندہ اجلاس ہوگا، جس میں دینیات کی کتابوں کی تدوین و تالیف کو آخری شکل دی جائے گی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ متفقہ نصاب دینیات کی تیاری ایک مستحسن اقدام ہے جو اسلام کی دعوت اور اس کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام، امت مسلمہ کو شدت سے اتفاق و اتحاد کی دعوت دیتا اور سختی سے نفاق و افتراق سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ اور پھر پاکستان کو جن گھمبیر مسائل و خطرات کا سامنا ہے وہ ہر محبّ وطن شہری کے لئے تازیانہ عبرت ہونے چاہئیں۔ حالات کا منادی چیخ چیخ کر اعلان کر رہا ہے کہ اگر اہل وطن کو ایک باعزت قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو

انہیں باہمی اخوت و اور خیر سگالی کا سبق سیکھنا ہوگا۔

ہمارے اسکولوں، کالجوں میں جہاں فنی تعلیم کا اہتمام کیا گیا، وہاں اشک شوئی کے طور پر ''اسلامیات'' نام کی بھی ایک چیز رکھی گئی ہے جس کی حیثیت ایک ایسے اجنبی مسافر کی ہے جس سے پردیس کے لوگ نا آشنا ہوں، ''دینیات'' کا یہ نصاب نہ تعلیم کے کار پردازوں کے نزدیک کوئی خاص اہمیت رکھتا ہے، نہ اساتذہ کرام ہی اسے قرار واقعی حیثیت دیتے ہیں اور طلبہ تو بڑی حد تک اسے ایک فالتو چیز تصور کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہماری تعلیم گاہیں اچھے انسان، اچھے شہری اور اچھے مسلمان پیدا کرنے میں آج تک کوئی لائق فخر کارنامہ انجام نہیں دے سکیں۔ لطف یا ستم یہ کہ دانشوروں کو اس المیہ کا احساس تک نہیں، نہ اس کی اصلاح کے لئے کسی ٹھوس اقدام کی ضرورت سمجھی گئی ہے، ایک اسلامی نظریاتی مملکت میں ''دینیات'' سے یہ سلوک لائق فخر ہے یا موجب ننگ و عار؟

دینیات کا نصاب ایسا ہونا چاہئے جو ہمارے نوجوانوں کو اسلام کے بنیادی تقاضوں سے آگاہی بخشے، اور ان کی ذہنی، اخلاقی اور عملی تربیت کا کفیل ہو۔ قرآن کریم، حسب ضرورت احادیث نبوی اور فقہی مسائل، خلفائے راشدینؓ کے کارنامے، صحابہ کرامؓ کے حالات، اکابر دینؒ کی خدمات اور اسلامی تاریخ ـــــ یہ اس مضمون کے اجزاء ہیں، جن کے بغیر ''دینیات'' کا تصور ہی مہمل ہے۔ ''متفقہ نصاب'' میں کسی ضروری چیز کو حذف کر دینا اس نصاب کو، جو پہلے ہی مفلوج ہے مزید اپاہج بنانے کے مترادف ہوگا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴رنومبر ۱۹۷۸ء)

اسلامی نظام اکتیس سال بعد... مگر

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اسلام حق تعالیٰ کا نازل کردہ مقدس دین ہے، جس کی ایک ایک بات وحی الٰہی سے منور اور رضائے الٰہی کی ضامن ہے، پاکستان کو ۱۳۹۹ھ کا سال مبارک ہو کہ صدر محمد ضیاءُ الحق نے اس کا افتتاح اسلامی نظام کی بسم اللہ پڑھ کر کیا ہے، پوری قوم کو سجدۂ شکر بجا لانا چاہئے کہ اکتیس سال تک غیر اسلامی نظام کے خار زار میں بھٹکنے کے بعد اس کا قافلہ ''رخ بہ منزل'' ہوا ہے۔

کسی معاشرے میں اسلامی نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ اسے نافذ کرنے والے ادارے کس خلوص کے ساتھ نافذ کرتے ہیں اور جس قوم پر اسے نافذ کیا جائے وہ کس یقین و ایمان اور فرحت و مسرت سے اس کا خیر مقدم کرتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق و اعانت سے یہ دونوں سعادتیں اہل پاکستان کو نصیب ہوگئیں تو ہمارا ایمان ہے کہ یہ ملک نہ صرف روحانی و مادی سعادتوں کا گہوارہ بن جائے گا، بلکہ عالم اسلام کی زمام قیادت بھی اس کے ہاتھ میں ہوگی۔

صدر نے اسلام کی اہم ترین اور سب سے اول درجہ کی عبادت کے لئے جبر واکراہ کے بغیر صرف ترغیبی اقدامات کا اعلان کیا ہے، ہم توقع رکھتے ہیں کہ سرکاری

افسران اور اہل کار صدر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام کا عملی نمونہ پیش کریں گے، اور پوری قوم کو بارگاہ الٰہی میں سربسجود کرنے کے لئے بھرپور اثر و رسوخ بھی استعمال کریں گے۔

اعلان میں چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، زنا اور تحفظ آزادیٔ عقیدہ سے متعلق اسلامی قوانین کے ۱۲ ربیع الاول سے آغاز کا وعدہ کیا گیا، اور عشر و زکوٰۃ کے نفاذ اور سود کے خاتمے کے لئے قوانین کو آخری شکل دینے کی خوش خبری سنائی گئی ہے، خدا کرے یہ قوانین خلوص و امانت کے ساتھ نافذ ہوں تو یقین ہے کہ معاشرہ کی سماجی اور معاشی اصلاح میں مؤثر کردار ادا کرسکیں گے، اور اگر اس میں تساہل، نفاق اور بیمار ذہنیت کا مظاہرہ کیا گیا تو اندیشہ ہے یہ قوانین اسلام کے نام پر معاشرہ کو بگاڑنے کے مترادف ہوں، اس لئے ان مقدس قوانین کے نفاذ کا کام جن اداروں کے سپرد کیا گیا ہے ہم توقع کریں گے کہ وہ ان کے نفاذ میں صحیح علم و دیانت اور اہلیت کا ثبوت پیش کریں گے۔

صدر نے گریڈ ۱۵ تک کے ملازمین سے تعمیراتی قرضوں پر سود نہ لینے، سائیکل ایڈوانس کو سود سے مستثنیٰ کرنے اور این آئی ٹی کو سود کے بجائے شراکتی بنیاد پر چلانے کا بھی اعلان کیا ہے، ''سود'' کے سلسلہ میں یہ اقدامات بہت خفیف اور محض ابتدائی نوعیت کے ہیں، کاش وہ وقت آئے کہ ہمارا معاشرہ سود کی لعنت سے یکسر پاک ہوجائے۔ اور ملک کے تمام سودی ادارے اسلامی نظام معیشت کے تحت کام کرنے لگیں، یہ ذمہ داری ہمارے ماہرین معاشیات پر عائد ہوتی ہے کہ وہ سود کی لعنت سے ملک کو جلد از جلد پاک کرنے کی کس حد تک صلاحیت رکھتے ہیں۔

نفاذ اسلام کے سلسلہ میں صدر نے جس اہم ترین اقدام کا اعلان کیا ہے وہ

ہائی کورٹ کی سطح پر ''شریعت بنچ'' اور سپریم کورٹ کی سطح پر ''شریعت اپیل بنچ'' کے قیام کا اعلان ہے، لیکن اس کے لئے جو صدارتی حکم جاری ہوا اسے ایک نظر دیکھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں متعدد خامیاں ایسی ہیں جن سے نفاذ شریعت کی ساری کوشش رائیگاں ہوکر رہ جاتی ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ واقعۃً یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں رائج غیراسلامی قوانین کے بجائے اسلامی قانون نافذ کیا جائے تو اس کا سیدھا سادا طریقہ یہ تھا کہ ملک کی اعلیٰ عدالتوں پر یہ ذمہ داری عائد کردی جاتی کہ وہ ہر مقدمہ کا فیصلہ رائج الوقت قانون کے بجائے اسلامی قانون کے مطابق کرنے کی پابند ہیں، اس کے لئے ''شریعت بنچ'' کے تکلف کی آخر کیا ضرورت تھی؟ اس کے معنیٰ تو یہ ہیں کہ عدالتیں رائج الوقت غیراسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند ہیں جب تک کہ اس قانون کو ''شریعت بنچ'' میں چیلنج نہ کیا جائے، اور شریعت بنچ اس کے غیراسلامی ہونے کا فتویٰ صادر نہ کردے۔

دوسرے، ''شریعت بنچ'' کے لئے ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل پینل تجویز کیا گیا ہے، جن کی ساری عمر غیراسلامی قانون کے مطابق فیصلے کرتے ہوئے گزر گئی اور جن کے لئے ـــــ چند مستثنیات کے سوا ـــــ اسلامی قانون کو سمجھنا بھی مشکل ہے، بلکہ ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی ہوں گے جو ''اسلامی فقہ'' اور ''اصول فقہ'' کی مبادیات سے بھی پورے طور پر آگاہ نہیں ہوں گے، کسی قانون کے اسلامی یا غیراسلامی ہونے کا فیصلہ ایسی محترم ہستیوں کے سپرد بارشاد نبوی یقیناً قیامت کی علامت ہے: ''جب کام نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔''

تیسرے، صدارتی حکم میں ''شریعت بنچ'' کے لئے یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے، اسی طرح جو وکلاء صاحبان اس ''پینل'' کے سامنے پیش ہوکر کسی قانون کے اسلامی یا غیراسلامی ہونے پر بحث کریں گے ان کے لئے ''اسلام'' کو شرط قرار نہیں دیا گیا، گویا صدارتی حکم میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ ایک غیرمسلم بھی کسی قانون کے اسلامی یا غیراسلامی ہونے کا فیصلہ صادر کرسکتا ہے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

ہمارا مشورہ یہ ہے کہ عدالت عالیہ سے بالاتر ایک نئی عدالت کا بوجھ ملک کے نحیف کندھوں پر ڈالنا قطعاً غیرضروری ہے، موجودہ عدالتوں ہی پر یہ ذمہ داری عائد ہونی چاہئے کہ مروجہ قانون کے بجائے اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کریں، اور اگر عدالت کو اس کے بارے میں اطمینان مطلوب ہو تو قابل اعتماد اہل علم کو اپنی اعانت کے لئے طلب کرلیں، یا کسی مشہور دارالافتاء سے رجوع کریں، اور اگر ''شریعت بنچ'' ایک ناگزیر ضرورت ہے تو اس کے لئے جو پینل تشکیل دیا جائے اس میں مغربی قانون کے ماہرین کے بجائے اسلامی قانون کے ماہرین کو تجویز کیا جانا چاہئے، اور اسی کے ساتھ یہ شرط بھی لازم ہے کہ کوئی غیرمسلم نہ اس بنچ کا رکن بن سکتا ہے، نہ وکیل کی حیثیت سے اس کے سامنے پیش ہوسکتا ہے، ورنہ ''شریعت بنچ'' ایک مضحکہ خیز چیز ہوگی، اور اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے فیصلوں کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

چوتھے، صدارتی حکم میں ''شریعت بنچ'' کا دائرہ کار اتنا محدود کردیا گیا ہے کہ اس کا وجود وعدم برابر ہوکر رہ گئے ہیں، اس حکم کی دفعہ ۲ شق الف میں کہا گیا ہے:

''اس حکم میں اصطلاح ''قانون'' کے مفہوم میں کوئی

بھی رواج یا معمول، جو قانون کا اثر رکھتا ہو، شامل ہے، مگر دستور، کوئی مالی قانون، مسلم پرسنل لاء، کسی عدالت ٹریبونل کے طریق کار سے متعلق قانون، یا ٹیکسوں اور بینکوں کے سود یا بیمہ کے کاروبار اور طریق کار سے متعلق کوئی قانون اس مفہوم میں شامل نہیں ہے۔"

اس شق کے مطابق دستور، مالیاتی قوانین اور حد یہ کہ ایوبی دور کے رسوائے زمانہ عائلی قوانین بھی شریعت سے بالاتر قانون کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کو نہ شریعت بنچ کے سامنے چیلنج کیا جاسکتا ہے، اور نہ وہ ان کے بارے میں لب کشائی کا مجاز ہے، سوال یہ ہے کہ ان قوانین کا خالق کون ہے جن کو خدائی قانون سے بھی بالاتر قرار دیا گیا ہے، جن کے بارے میں شریعت کو لب کشائی کی اجازت نہیں اور لطف یہ کہ اس استثناء کے لئے کوئی عارضی میعاد بھی نہیں رکھی گئی، اور پھر قابل غور امر یہ ہے کہ ان قوانین کا کتنا حصہ باقی رہ جاتا ہے، جن کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرنے کی ضرورت ہوگی، یہ چند نقائص ہیں جن کی اصلاح کے بغیر نفاذ شریعت کا کام صحیح طریقے پر نہیں ہو سکے گا۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۸ر دسمبر ۱۹۷۸ء)

شریعت بنچوں کا قیام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

نئے ہجری سال کے آغاز پر صدر مملکت نے اپنی نشری تقریر میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ سے اسلام کے تعزیری قوانین کے نفاذ اور شریعت بنچوں کے قیام کا اعلان کیا تھا۔ صدر کے اس اعلان کا نہ صرف ملک بھر میں پرجوش خیرمقدم کیا گیا بلکہ اس وقت پوری دنیا کی نظریں اس انقلابی اقدام پر لگی ہوئی ہیں اور تمام اسلامی و غیر اسلامی ممالک یہ دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کا تجربہ کس حد تک کامیاب ہوتا ہے اور اسلامی قوانین کے اجراء کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہم اس مبارک تقریب پر صدر مملکت اور پاکستان کی ملت کو پرخلوص مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس ضمن میں چند مخلصانہ گذارشات پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

○

صدر نے شریعت بنچوں کی تشکیل کا جو اعلان کیا ہے اس کی افادیت کیا ہے ؟ اس سوال سے قطع نظر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان شریعت بنچوں کے لئے کن لوگوں کو نامزد کیا جاتا ہے اور علوم شرعیہ میں ان کی بصیرت و مہارت کس حد تک لائق اعتماد ہے ؟

جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس نازک ترین کام کے لئے ہماری موجودہ عدلیہ کے جج صاحبان کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں اور ان بنچوں کے سامنے کسی قانون کے شرعی یا غیر شرعی ہونے پر بحث کرنے کے لئے وکلاء صاحبان کے علاوہ کچھ علماء کرام بھی پیش ہو سکیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری موجودہ عدالتیں اور ان کے فاضل جج یہ اہلیت رکھتے ہیں کہ کسی قانون کے شریعت کے خلاف ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ان کے سپرد کر دیا جا

سکے؟ کیا انہیں قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی میں اتنی مہارت حاصل ہے کہ امت ان کے فیصلوں پر اعتماد کر سکے؟ افسوس ہے کہ ہم موجودہ عدلیہ کے فاضل ارکان کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس سوال کا جواب نفی میں دینے پر مجبور ہیں۔ بلاشبہ وہ عدالت کے طریق کار اور اس کے نشیب و فراز سے واقف ہیں۔ انہیں عدالتی نظام کا وسیع تجربہ ہے اور وہ جدید قانون کی باریکیوں سے آشنا ہیں' لیکن اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی اپنے اندر ہزار صداقتیں رکھتی ہے کہ یہ حضرات اسلامی قانون کے ماہر نہیں۔ اسلام کے فلسفہ قانون سے باخبر نہیں۔ انہیں اسلامی قانون کے اصل -قرآن و سنت اور فقہ اسلامی -تک رسائی نہیں -انہوں نے آج تک جو کچھ پڑھا ہے 'انگریزی میں پڑھا ہے اور اسلامی قانون کی اصل زبان -عربی -کی باریکیوں اور لطافتوں سے آشنائی تو بہت بڑی بات ہے وہ اس کے مفہوم کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ ریٹائرڈ جج صاحبان کے جو مضامین و مقالات اسلامی موضوعات پر شائع ہوتے رہتے ہیں اور ان میں ان حضرات کی طرف سے اسلامی قانون میں جس فقاہت و مہارت 'استدلال و استنباط میں جس ژرف نگاہی کے نمونے سامنے آتے رہتے ہیں وہ اس کی تصدیق کے لئے شاہد عدل ہیں۔

ہماری ناچیز مگر پرخلوص رائے میں اگر صدر مملکت واقعتاً اس ملک کو اسلامی قانون کی نعمت سے بہرہ ور کرنا چاہتے ہیں تو "شریعت بنچ" کے لئے اسلامی فقہ کے ماہرین (جن کی ساری زندگی قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی تشریح و مطالعہ میں گزری ہے) کا انتخاب کیا جانا ضروری ہے ورنہ "شریعت بنچ" کے فیصلوں کو پاکستان کے مسلم عوام کوئی اہمیت نہیں دیں گے 'اور نہ عنداللہ ان کی کوئی اہمیت ہو گی۔

اس سے بڑھ کر لطیفہ یہ ہے کہ جو حضرات کسی قانون کے شرعی یا غیر شرعی ہونے کا فیصلہ کریں گے 'اور جو وکلاء صاحبان کسی قانون کی شرعی حیثیت پر بحث کریں گے ان کے لئے مسلمان ہونے کی شرط بھی نہیں رکھی گئی -گویا زنون کے مطابق ایک غیر مسلم -مثلاً قادیانی -بھی شریعت بنچ کا رکن بن سکتا ہے 'اور بحیثیت وکیل اس بنچ کے سامنے پیش ہو سکتا ہے -یہ ایک ایسی فروگذاشت ہے 'جس کا فی الفور تدارک ہونا چاہئے۔

شریعت بنچ سے متعلقہ صدارتی حکم مجریہ ۲ دسمبر ۱۹۷۸ء میں شریعت بنچوں کے دائرہ اختیار کا تعین کرتے ہوئے تصریح کی گئی ہے کہ پاکستان کے رائج الوقت مالیاتی قوانین کے علاوہ مسلمانوں کے عائلی قوانین بھی شریعت بنچوں کے دائرے سے خارج ہوں گے۔اور انہیں شریعت بنچوں میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔یہ فیصلہ اس قدر تکلیف دہ اور افسوسناک ہے کہ اس سے مسلمانوں کا ایمانی ضمیر تلملا اٹھے گا۔

کون نہیں جانتا کہ جنرل ایوب کے زمانے میں چند ملاحدہ نے مسلمانوں کے عائلی قانون کا حلیہ بگاڑا تھا اور اسے مارشل لاء کے زیر سایہ مسلمانوں پر زبردستی مسلط کر دیا تھا۔ ایوب خان کے بعد آج تک یہ سیاہ قانون مسلمانوں پر مسلط ہے۔موجودہ حکومت ایک طرف تمام قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے کے عزم کا اعلان کرتی ہے' لیکن دوسری طرف ایوب خان کے نافذ کردہ ان بدترین قوانین کو وحی آسمانی کا درجہ دے کر انہیں شریعت بنچوں کے دائرہ اختیار سے خارج کیا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کا عائلی قانون اسلامی شریعت کا حصہ نہیں ؟کیا مسلمانوں کا نکاح وطلاق 'نفقہ و وراثت اسلام کے دائرے سے خارج ہیں ؟اگر اسلام نے مسلمانوں کے نکاح و طلاق اور دیگر شخصی امور کے لئے بھی کچھ قوانین مقرر کئے ہیں تو آپ اپنے رائج الوقت قوانین کو اسلامی قانون کے مطابق ڈھالنے سے کیوں گریز کرتے ہیں ؟

کون نہیں جانتا کہ نکاح و طلاق کا مسئلہ براہ راست حلال و حرام سے تعلق رکھتا ہے اسی پر نسب کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا مدار ہے۔اگر پاکستان میں ایک جوڑا بھی غیر شرعی طور پر میاں بیوی کی حیثیت سے رہتا ہے 'اور رائج الوقت قانون ان کے اس غیر شرعی ملاپ کو قانونی تحفظ عطا کرتا ہے تو اس کا وبال نہ صرف اس غیر شرعی جوڑے پر ہو گا بلکہ واضعین قانون اور پورا مسلم معاشرہ بھی اس گندگی میں ان کا معاون اور شریک ہو گا۔

اگر غلط قانون وراثت کی وجہ سے ایک شخص کسی جائداد پر غیر شرعی طور پر قابض ہو جاتا ہے تو اس غصب کی سزا کا وہ غاصب تو مستحق ہو گا ہی 'مگر اس کے ساتھ اسے قانونی

تحفظ دینے والے بھی عنداللہ غاصب اور مجرم ہوں گے اس لئے عائلی قوانین کو "شریعت بنچوں" کے دائرہ اختیار سے بالا تر قرار دینا نہ صرف ناقابل فہم ہے بلکہ بے شمار قباحتوں کا پیش خیمہ بھی ہے ۔اور جو معاشرہ اسلام کے شخصی قوانین پر ہی عمل پیرا نہ ہو ،جن کے نکاح و طلاق خلاف شرع ہوتے ہوں ،جن کی وراثت غیر شرعی طور پر تقسیم ہوتی ہو ۔جن کے نفقات کا نظام غیر شرعی ہو کیا آپ اس معاشرہ میں اسلام کے پھلنے پھولنے کی توقع کر سکتے ہیں ؟ہماری مخلصانہ گذارش ہے کہ اس فیصلے کو فوراً تبدیل کیا جائے اور مسلمانوں کے عائلی قوانین کو بھی اسلام کے مطابق ڈھالا جائے۔

اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے ایک اہم اقدام یہ ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ذہنی طور پر اس کے لئے آمادہ کیا جائے ۔کیونکہ دو سو سال تک انگریزی قانون پر عمل کرنے کے سبب اکثر مسلمانوں کے ذہن اسلامی قانون سے نامانوس ہو چکے ہیں ،اور انہیں "اسلامی قانون "ایک عجیب سی چیز نظر آنے لگا ہے ۔ادھر اباحیت پسند ملاحدہ ناواقف لوگوں کو اسلامی قانون سے متنفر کرنے کے لئے بہت سے شوشے چھوڑ رہے ہیں ۔گذشتہ دنوں "قومی اتحاد "کی طرف سے "ہفتہ اصلاح معاشرہ "منایا گیا لیکن اسلامی قانون اصلاح معاشرہ کے ہفتے منانے سے نافذ نہیں ہوگا۔ بلکہ دلوں میں ایمان و یقین اور کردار میں خلوص و دیانت پیدا کرنا ضروری ہے ۔ضروری ہے کہ پوری قوم خدا تعالیٰ کے دربار میں جھکے اب تک جو کوتاہیاں اور حماقتیں ہم سے سرزد ہوئی ہیں ان سے توبہ کی جائے اور آئندہ خدا تعالیٰ کے احکام کو بطیب خاطر بجا لانے کا عہد کیا جائے۔ مسجدیں آباد کی جائیں ،تعلیمی اداروں کا ماحول بدلا جائے ،سرکاری دفاتر کو اسلامی روایات کا آئینہ دار بنایا جائے ۔

یہ بات باعث حیرت و تعجب ہے کہ ایک طرف حکومت اس ملک میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کوشاں نظر آتی ہے ،لیکن دوسری طرف ایسے اقدامات کئے جا رہے ہیں جن سے ان تمام کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ چنانچہ رقص و سرود چنگ و رباب اور جنس لطیف کو عریاں کرنے کی برابر حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے اور سرکاری سطح پر ان فواحش کی سرپرستی ہو رہی ہے ،ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے رومانی نغمے اور فیچر نشر ہو رہے ہیں ،سینماؤں

کو ترقی دی جا رہی ہے 'کلب آباد ہیں 'اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ بے حیائی کی تعلیم و تربیت کے لئے باہر سے بھانڈوں اور کنجنیوں کو بلوایا جاتا ہے ابھی گزشتہ دنوں روس سے ثقافتی طائفہ بلوایا گیا 'جس نے نیم برہنہ تھرکتے ناچنے کا مظاہرہ کیا 'اور ہماری "خواتین و حضرات "اس سے لطف اندوز ہوئے۔ اس سے بڑھ کر ستم یہ کہ لڑکیوں کی اچھل کود دیکھنے کے لئے انہیں ہاکی میچ کے میدان میں لایا گیا اور عورتوں اور مردوں نے اس نمائش کا نظارہ کیا۔ کیا یہ معاشرہ کو اسلام کے صراط مستقیم کی طرف لایا جارہا ہے ؟

اناللہ وانا الیہ راجعون ۔ ہم یہاں دلسوزی سے عرض کریں گے کہ اے خداوند ان وطن خدا کے لئے اس ملک کو اس سیلاب سے بچانے کی فکر کرو' ورنہ یہ قوم اور یہ ملک خدا کے عذاب کی لپیٹ میں آجائے گا۔ حق تعالیٰ ہمیں اپنے عذاب سے محفوظ رکھیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

بینات ربیع الاول ۱۳۹۹ھ

○○○

شریعت بنچ، نظرِ ثانی کیجئے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقام صد مسرت ہے کہ یکم محرم الحرام کے اعلان کے مطابق صدر مملکت جنرل محمد ضیاٗ الحق ۱۲ ربیع الاول کو پاکستان میں نفاذ شریعت کا اعلان کر رہے ہیں۔ اور رائج الوقت غیر اسلامی قوانین کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے ''شریعت بنچ آرڈر'' جاری کر کے اس سمت عملی قدم اٹھایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں صحیح طور پر اسلامی قوانین کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائیں تو یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہوگا جس پر پوری قوم کو سجدۂ شکر بجا لانا چاہئے، اور بلاشبہ صدر محترم اس قوم کے ایک عظیم محسن تصور کئے جائیں گے۔

تاہم اس سلسلہ میں ایک چیز بری طرح کھٹکتی ہے، اور اگر اس کی اصلاح نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ صدر کا مقدس مشن کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے گا ـــــ اور وہ یہ کہ ''شریعت بنچ'' کی رکنیت کے لئے موجودہ عدلیہ کے ارکان کو تجویز کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہماری موجودہ عدالتیں اس بات کی اہل ہیں کہ وہ کسی قانون کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں یہ فیصلہ کر سکیں کہ یہ قانون شریعت اسلامی کے

خلاف ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے یا نہیں ہے تو کیوں؟ اور کیسے؟

بلاشبہ ہمارے فاضل جج صاحبان کو عدالتی نظام کا وسیع تجربہ ہے، وہ جدید قانون میں مہارت رکھتے ہیں، اور جدید فلسفۂ قانون اور اصول قانون پر بھی ان کی گہری نظر ہے، لیکن جس طرح یہ ساری باتیں صحیح اور درست ہیں، اسی طرح بلکہ شاید اس سے بھی بڑھ کر یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ ان کی ساری عمر انگریزی قانون کی تعلیم وتربیت اور اس صحراؑ کی آبلہ پائی و بادہ پیمائی میں گزری ہے، انہیں نہ اسلامی قانون کی اصل زبان ــــ عربی ــــ سے کماحقہ واقفیت ہے، نہ انہیں اسلامی قانون ان کے ماہرین سے پڑھنے اور سمجھنے کا کبھی موقع ملا ہے، نہ اسلامی قانون کے اصل مآخذ ــــ قرآن کریم ــــ حدیث نبوی ــــ اور فقہ اسلامی ــــ تک انہیں براہ راست دسترس حاصل ہے، نہ اسلامی قانون کے اصول و قواعد پر انہیں عبور ہے، اسلام کے فلسفۂ قانون کو ٹھیک طرح سمجھنے اور اس پر غور کرنے کی انہیں کبھی فرصت میسر آئی ہے، نہ وہ "قیاس واجتہاد" کے اصول و شرائط اور اس کے مواقع محل سے باخبر ہیں ــــ خلاصہ یہ کہ اسلامی قانون کے بارے میں ان کی معلومات بالکل ایسی ہیں جیسی کہ ایک ڈاکٹر کی معلومات انگریزی قانون کے بارے میں، یا ایک فاضل جج کی معلومات سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں، یا ایک سائنسدان کی معلومات طب و جراحت کے بارے میں۔

ان محترم حضرات کو، جو عربی زبان سے ناواقف اور اسلامی فقہ، اس کے مآخذ، اس کے اصول و قواعد اور اس کے فلسفہ مزاج سے بے خبر ہیں، کسی قانون کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کے لئے بٹھا دیا جائے تو وہ جو فیصلہ کرینگے، جس طرح کریں گے، اور ان کے فیصلے کی جو حیثیت ہوگی اسے سمجھنے کے لئے غیر معمولی

ذہانت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جنرل محمد ضیاءالحق صاحب سے پر زور درخواست کریں گے کہ اگر وہ غیر اسلامی قوانین کو ختم کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں تو یہ کام ان لوگوں کے سپرد کریں جو اس کے واقعتاً اہل بھی ہوں، یہ کام ججوں کے بس کا نہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات جس کا گوش گزار کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ ''شریعت بنچ'' کے صدارتی حکم مجریہ ۲/دسمبر ۱۹۷۸ء میں جہاں رائج الوقت مالیاتی قوانین کو ''شریعت بنچوں'' کے دائرہ اختیار سے خارج قرار دیا گیا ہے، وہاں مسلمانوں کے شخصی قوانین کو بھی ''شریعت بنچوں'' کے دائرہ کار سے بالاتر ٹھہرایا گیا ہے۔ جہاں تک مالیاتی قوانین کا تعلق ہے انہیں تو ایک عبوری مدت تک کے لئے عدالتوں کے دائرے سے باہر رکھنے کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے لیکن افسوس! ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ''پرسنل لاء'' کو وحی آسمانی کا سا تقدس کیوں عطا کیا گیا ہے؟

پاکستان میں مسلمانوں کے ''شخصی قوانین'' دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم ان قوانین کی ہے جو انگریزی دور میں مدون ہو کر ہمیں ورثہ میں ملے، ان پر انگریزی دور میں انگریز حکمرانوں کی منظوری کی مہر ثبت ہے، اسی کے ذیل میں وہ قوانین آتے ہیں جنہیں حکومت پاکستان نے ''عائلی قوانین آرڈی نینس'' اور ''اوقاف آرڈی نینس'' کی شکل میں نافذ کیا۔

دوسری قسم ان قوانین کی ہے جو غیر مدون شکل میں کتب فقہ میں محفوظ ہیں خداترس مسلمانوں نے کبھی ان قوانین کے بارے میں صرف عدالتی فیصلوں پر انحصار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ہمیشہ علمائے کرام سے مسائل معلوم کر کے اسلامی شریعت کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے صدر محترم نے شریعت بنچ کے ذریعہ غیر اسلامی قوانین ختم کرنے کا اعلان فرمایا تو مسلمانوں کو اطمینان ہوا کہ اب وہ عدالتی

دائروں میں بھی ان مسائل میں اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہوسکیں گے، لیکن نہایت دکھ اور صدمے کی بات ہے کہ ان رائج الوقت شخصی قوانین کو شریعت سے بالاتر چیز قرار دے دیا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان عائلی اور شخصی قوانین کو شریعت بنچوں کے دائرہ اختیار سے مستثنٰی کیوں کیا جارہا ہے؟ اگر وہ شریعت کے مطابق ہیں تو انہیں شریعت بنچوں کے دائرۂ اختیار میں شامل کرنے میں کیا گھبراہٹ لاحق ہے؟ اور اگر وہ شریعت کے مطابق نہیں تو نکاح و طلاق اور وصیت و وراثت جیسے نازک مسائل میں — جن کا براہ راست حلال و حرام سے تعلق ہے، اور جن میں ادنیٰ لغزش سے آدمی ساری عمر بدکاری کا مرتکب قرار پاتا ہے — حکومت مسلمانوں کو خلاف شرع قوانین کی پابندی کرانے پر کیوں مجبور کر رہی ہے؟ اور پاکستان میں یہ کیسا اسلامی نظام لایا جارہا ہے، جس میں مسلمانوں کو نکاح و طلاق اور وصیت و وراثت میں شریعت خداوندی کی خلاف ورزی پر مجبور کیا جارہا ہے؟ اور ان کی موجودگی میں جو نکاح خلاف شرع ہوں گے ان کا وبال کن لوگوں پر پڑے گا؟

ہم نہایت خلوص اور دل سوزی کے ساتھ جنرل محمد ضیاءالحق کو یہ مشورہ دیں گے کہ وہ مسلمانوں کے شخصی قوانین کو بھی شریعت بنچوں کے دائرۂ اختیار میں داخل کریں، جس کا مطالبہ پاکستان بار کونسل بھی کرچکی ہے۔

حال ہی میں ادارۂ تحقیقات اسلامی، حکومت پاکستان نے اپنی شائع کردہ کتاب ''مجموعۂ قوانین اسلام'' کے تعارف کے سلسلہ میں ایک پمفلٹ شائع کیا ہے، جس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اب تک ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' کی پانچ جلدیں شائع ہوچکی ہیں، جو اسلامی قانون کے ماہر، ممتاز محقق اور ''ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد'' (وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان) کے اعزازی مشیر قانون جناب

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب کی تحقیقی کوششوں کا نتیجہ ہیں، بلاشبہ برصغیر پاک و ہند میں فتاویٰ عالمگیری کے بعد اسلامی قانون کی تدوین کا یہ اہم ترین کارنامہ ہے۔

اس مجموعہ میں مسلمانوں کے شخصی امور مثلاً نکاح، طلاق، نفقہ، مہر، حضانت، جائز النسبی، ہبہ، وقف، وصیت، وراثت وغیرہ اسلام کے شخصی قوانین کو جدید طرز پر دفعات کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری اور شیعی فقہ کے تشریحی احکام بھی درج کئے گئے ہیں، قریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ ادارۂ تحقیقات کی جانب سے شائع کیا گیا ہے، مسلمانوں کے شخصی قوانین کے بارے میں اگر کسی الجھن یا عملی دشواری پیش آنے کا احتمال ہو تو اس کتاب سے بآسانی حل ہو سکتی ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ شخصی قوانین کو ''شریعت بنچوں'' کے دائرے سے باہر رکھا جائے، ہم صدر جنرل محمد ضیاء الحق سے یہ مطالبہ کرنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ شریعت بنچوں کا دائرۂ اختیار وسیع کیا جائے، اور دیگر قوانین کی طرح جملہ شخصی قوانین کو بھی اسلامی شریعت کے ماتحت کیا جائے بلکہ اس کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے کہ ان احکام کا تعلق براہ راست حلال و حرام سے ہے ــــــ اور حلال و حرام میں خدا کی نافرمانی کا وبال نہایت شدید ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲ر فروری ۱۹۷۹ء)

اسلامی تعزیرات اور روٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۲؍ربیع الاول سے چند اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا جو اعلان کیا جارہا ہے اس کے بارے میں بعض لوگوں کی طرف سے عجیب سی منطق استعمال کی جارہی ہے۔ صرف عوام کی طرف سے نہیں بلکہ قوم کے مقتداؤں اور سیاسی لیڈروں کی طرف سے بھی، مثلاً کیا ان تعزیرات سے روٹی کپڑے کا مسئلہ حل ہوجائے گا؟ کیا اس سے مہنگائی کم ہوجائے گی؟ کیا اس سے ملک کو معاشی استحکام نصیب ہوگا؟

اور بعض دانشوروں کی طرف سے تو یہ تک کہا گیا کہ جب تک معاشی مسئلہ حل نہ کیا جائے اسلامی تعزیرات کے نفاذ کا کیا فائدہ؟

بلاشبہ آج کی پوری دنیا معاشی الجھنوں میں مبتلا ہے، افراطِ زر اور روز افزوں گرانی کا دیو عریاں رقص کررہا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ پس ماندہ طبقے مہنگائی کی چکی میں بری طرح پس رہے ہیں اور ان کے لئے جان وتن کا رشتہ قائم رکھنا مشکل سے مشکل تر ہورہا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ منطق غلط اور بالکل غلط ہے کہ جب تک معاشی مسئلہ حل نہ ہوجائے اسلامی تعزیرات کو نافذ نہ کیا جائے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ملک میں پہلے سے تعزیرات کا ایک نظام اور جرم وسزا کا

ایک سلسلہ جاری ہے۔ اسلام کی نظر میں انگریز کا عطا کردہ نظام تعزیرات غیر منصفانہ ہے۔ نیا اقدام جو کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ انگریزی تعزیرات کے بجائے اسلامی تعزیرات کا نفاذ (اور وہ بھی بہت ہی محدود شکل میں)۔ اگر ملک میں پہلے سے تعزیرات کا کوئی نظام نہ ہوتا بلکہ ۱۲ ربیع الاول کو پہلی بار پاکستان میں تعزیرات کا نفاذ عمل میں لایا جاتا، تو کسی حد تک یہ سوال کیا جاسکتا تھا کہ آج پہلی بار یہ تعزیرات کیوں نافذ کی جارہی ہیں؟ لیکن جب تعزیرات ملک میں پہلے ہی سے نافذ ہیں، اور اس میں صرف اصلاح و ترمیم کی جارہی ہے تو یہ سوال کس قدر غیر معقول ہے کہ جب تک معاشی مسئلہ حل نہیں ہوجاتا اسلامی تعزیرات کیوں نافذ کی جارہی ہیں؟ جو لوگ ان دوچار تعزیرات کی منصفانہ تبدیلی پر چیں بہ جبیں ہیں۔ اور وہ بے چارے غریب عوام کے غم میں گھلے جارہے ہیں اگر ان میں جرأت و استقلال ہے تو ذرا کھل کر یہ کہیں کہ جب تک عوام کے روٹی کپڑے کا بندوبست نہیں ہوجاتا اس ملک میں جرم و سزا کا کوئی سلسلہ ہی نہیں ہونا چاہئے، تمام عدالتیں ختم کردی جائیں، سارے ججوں کی چھٹی کردی جائے، جس کے گھر ڈاکہ پڑے اس سے کہہ دیا جائے کہ پہلے معاشی مسئلہ حل ہوجائے تب تمہاری داد و فریاد سننے کا وقت آئے گا، جس شریف خاتون کا دامن عصمت آلودہ کردیا گیا ہو اس سے کہہ دیا جائے کہ ابھی ہمیں تمہاری ناموس کے تحفظ کی فرصت نہیں، ابھی ہم روٹی کپڑے کی فکر کر رہے ہیں، جس کا باپ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو اس سے کہا جائے کہ میاں! تم اپنے باپ کا قصہ لئے پھرتے ہو یہاں عوام روٹی کپڑے کو ترس رہے ہیں۔

الغرض اگر یہ منطق صحیح ہے کہ پہلے روٹی، پھر تعزیرات تو ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ منطق صرف اسلامی تعزیرات میں کیوں چلتی ہے؟ رائج الوقت

تعزیرات کے بارے میں کوئی احتجاج کیوں نہیں فرمایا جاتا۔ اور اگر مروجہ تعزیرات کے بارے میں ''پہلے روٹی، پھر تعزیرات'' کا نعرہ لگانے والا عقل و خرد سے محروم تصور کیا جائے گا تو یقیناً اسلامی تعزیرات میں ''پہلے روٹی'' کا ساختشانہ کھڑا کرنے والے بھی کسی خاص دانشمندی کا ثبوت فراہم نہیں کر رہے۔

دراصل جو لوگ اسلامی تعزیرات کے خلاف لب کشائی کرتے اور لوگوں کے ذہنوں میں الجھن پیدا کرتے ہیں انہیں خود بھی معلوم ہے کہ وہ ایک غیر معقول بات کر رہے ہیں۔ مگر چونکہ ان کا مقصود ہی مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنا ہے اس لئے وہ ''روٹی'' کا نام لوگوں کو محض بہکانے کے لئے لے رہے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا مقابلہ بس ''روٹی روٹی'' کی دہائی دینے ہی سے کیا جاسکتا ہے ورنہ ایک مسلمان کے لئے ''پہلے روٹی، پھر اسلام'' کا نعرہ ہی شرمناک ہے۔

ان حضرات کے نزدیک ساری انسانی اقدار بس ''روٹی'' میں سمٹ آئی ہیں۔ گھر یا روٹی کے سوا نہ انسان کی کوئی اور ضرورت ہے، اور نہ اس کے سوا انسانیت کا کوئی ہدف، کوئی مقصد اور کوئی قدر و قیمت ہے۔

اسلام نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے الگ الگ ہدایات دی ہیں اور ہر شعبۂ زندگی کی اصلاح کے لئے ایک الگ نظام اور دستور العمل وضع کیا ہے۔ اسلامی تعزیرات کا نظام معاشرہ میں عدل و انصاف کی قدروں کو بلند کرنے اور امن و امان کی نعمت عطا کرنے کے لئے، جس معاشرے میں انسان کی جان، اس کی ناموس اور اس کا مال تک محفوظ نہ ہو، یا جان و مال اور عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈالنے پر اسے ٹھیک ٹھاک انصاف نہ دلایا جاتا ہو اُسے انسانی معاشرہ کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ اسی جان و مال اور عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اسلام نے ایک ایسا تعزیراتی نظام وضع کیا

ہے جسے دنیا بھر کے ماہرین قانون مل کر بھی قیامت تک اپنی عقل سے وضع نہیں کر سکتے تھے۔ اور جسے اگر صحیح طور پر نافذ کر دیا جائے اور اس میں کوئی گھپلا اور کوئی رعایت نہ کی جائے تو جرائم کی جڑ اکھڑ جاتی ہے۔ اور معاشرہ امن و امان کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”عن ابن عمر رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اقامة حد من حدود الله خیر من مطر اربعین لیلة فی بلاد الله. رواه ابن ماجة.“

(مشکوٰۃ ص:۳۱۳)

ترجمہ:......”حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا قائم کرنا اللہ کی زمین میں چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔“

مسلمانوں کا فرض تو یہ ہونا چاہئے کہ اس عظیم الشان نعمت پر شکر کریں اور دنیا بھر کو اس عادلانہ تعزیراتی نظام کے نفاذ کی دعوت دیں، نہ یہ کہ پہلے ”روٹی پھر تعزیرات“ کا نعرہ لگا کر حدود اللہ کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔

ہماری قوم کے وہ راہنما جو روٹی کے نام پر عوام کو اپیل کرتے ہیں ہمیں افسوس ہے کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ روٹی کا مسئلہ الجھا کیوں ہے؟ اور اس کو حل کیسے کیا جاسکتا ہے؟ وہ کبھی ”زرعی اصلاحات“ کا نعرہ لگاتے ہیں، کبھی ”لیبر اصلاحات“ کا سبز باغ دکھاتے ہیں، کبھی سوشلزم کے ذریعے الہ دین کا چراغ جلاتے ہیں، کبھی سودی نظام کی حمایت کرتے ہیں، لیکن ان کی یہ ساری تدبیریں آج تک ناکام رہی ہیں، ملک میں ”زرعی اصلاحات“ بھی ہوئیں۔ ”لیبر اصلاحات“ کے تجربے بھی ہوئے، سوشلزم کا جادو بھی چلا، مگر:

''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی''

اسلام جس معاشی انقلاب کی دعوت دیتا ہے اور اس انقلاب کے لئے جن انقلابی تبدیلیوں کا مطالبہ کرتا ہے، اور ایثار وقربانی، زہد وقناعت اور ایمان و یقین کی جو بنیادیں استوار کرتا ہے افسوس ہے کہ ہمارے قومی راہنماؤں نے اس پر کبھی نظر غلط بھی نہیں ڈالی، اور ہم پیشگوئی کرتے ہیں کہ جب تک اسلام کا انقلابی معاشی نظام برپا نہیں ہوگا قوم کا روٹی کپڑے کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اور یہ انقلابی معاشی نظام سڑکوں پر نعرے لگانے سے برپا نہیں ہوگا، نہ دھواں دھار تقریروں اور شعلہ فشاں بیانوں سے، اس کے لئے عقل و ایمان اور فہم و تدبر کے ساتھ ذہنی و اخلاقی انقلاب برپا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارا موجودہ نظام تجارت انقلابی تبدیلی کا محتاج ہے، ہمارا موجودہ معیار زندگی انقلابی تبدیلیوں کا متقاضی ہے، ہمارا موجودہ ذوق زر پرستی، انقلابی اصلاح کا طالب ہے۔ جب تک ایمان وعقیدہ کی بنیاد پر اعمال میں، اخلاق میں، معاشرے میں، معاملات میں اور انفرادی و اجتماعی زندگی میں انقلاب نہ لایا جائے تب تک دنیا اسی طرح سسکتی رہے گی۔ آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ کی تیرہ سالہ محنت سے جو ایمانی انقلاب برپا کیا تھا جب تک وہی انقلاب برپا نہ ہو، ہوس زر پرستی کا بھوت بدستور ناچتا رہے گا اور غریب عوام اس کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوتے رہیں گے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۹/فروری ۱۹۷۹ء)

صدر ضیاء الحق کے نفاذِ اسلام کے
چند انقلابی اقدامات

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بتاریخ ۱۲ ربیع الاول کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے "نفاذ اسلام" کی بسم اللہ کا آغاز کرکے ایک ایسا انقلابی اور تاریخ ساز اقدام کیا ہے جو ہماری ملی تاریخ کے لئے اہم ترین سنگ میل ثابت ہوگا' یہ اعلان ایسا مبارک' ایسا روح افزا اور ایمان افروز ہے کہ اس پر پوری قوم کو سجدہ شکر بجالانا چاہئے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد اور حضرت امیرالمومنین اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کی حکومت کے بعد برصغیر میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ کو پہلی بار اسلام کی صبح سعید طلوع ہوئی' اور مسلمانوں کو پہلی بار اسلام کے مقدس سایہ رحمت میں راحت وسکون کا سانس لینے کی امید ہوئی۔

اس مبارک اعلان پر صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق' ان کے رفقا و معاونین خصوصاً قومی اتحاد کے صدر جناب مولانا مفتی محمود اور دیگر قومی زعما و وزراء کو جس قدر ہدیہ تبریک پیش کیا جائے کم ہے' اور قوم اس پر فرحت ومسرت کا جس قدر اظہار کرے بجا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ ان تمام لوگوں کو' جن کا اس مبارک عمل میں کوئی حصہ ہے' بہترین جزا عطا فرمائے اور انہیں اپنی خاص رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔

گزشتہ حکمرانوں نے دانستہ یا نادانستہ اس مقدس فریضے سے پہلو تہی کی' جس کی سزا نہ صرف خود ان کو ملی بلکہ پورے ملک کو اجتماعی طور پر بھی اس عظیم جرم کی سزا بھگتنا

پڑی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ۳۲ سالہ جرم معاف فرماکر اس ملک پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے' اور اسے اپنے دین کا گہوارہ اور عالم اسلام اور پوری دنیا کے لئے اس کو ایک مثالی نمونہ بنائے۔

صدر مملکت نے مروجہ قوانین پر اسلام کی بالادستی قائم کرنے کے لئے شریعت بنچوں کا حکم جاری کیا ہے' جسے ایک مستقل باب کی حیثیت سے آئین کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

شریعت بنچوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہم نے گزارش کی تھی کہ اس کے اراکین کے مسلمان ہونے کی شرط ہونی چاہئے' اسی طرح جو قانون دان شریعت بنچوں کی بحث میں حصہ لیں ان کے لئے بھی اسلام کی شرط لازم ہونی چاہئے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس ضرورت کا بروقت احساس کیا گیا اور نئے حکم میں اس شرط کو ملحوظ رکھا گیا ہے' تاہم ابھی تک شریعت بنچوں میں اسلامی قانون کے ماہرین علمائے کرام کی نامزدگی نہیں کی گئی' ہم سمجھتے ہیں کہ اگر صدر مملکت واقعتہً اسلامی قانون کی بالادستی چاہتے ہیں تو یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ صرف جدید قانون کے ماہرین کے فیصلے پر قوم کا ذہن مطمئن نہیں ہوسکے گا۔

اسلامی قانون کی تعلیم اور ماہرانہ تربیت کے لئے اسلام آباد یونیورسٹی میں ایک مستقل شریعت کالج قائم کردیا گیا ہے' یہ ایک بہت خوش آئند اقدام ہے' اور اس سے اسلامی قانون کے ماہرین کی کمی کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ اس ضمن میں ہم علمائے کرام کی خدمت میں بھی گزارش کریں گے کہ وہ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں اور ان کے دینی اداروں سے قانون اسلام کے ایسے ماہرین نکلنے چاہئیں جو عدالتوں میں قانون اسلام کی صحیح تشریح و تفہیم کی پوری اہلیت رکھتے ہوں۔ یہ ایک اہم ترین ملی فریضہ ہے' جس کی ذمہ داری سب سے بڑھ کر براہ راست علمائے کرام پر عائد ہوتی ہے۔ نئی نسل میں محنت و لگن کے بجائے تن آرائی و تن آسانی اور مطالعہ کی وسعت و گہرائی کے بجائے ظاہریت و سطحیت کی جو وبا عام ہورہی ہے یہ بہت ہی روح فرسا اور اندوہناک ہے۔ ہمیں اس کے تدارک

کی طرف بھی فوری توجہ کرنی چاہئے۔

اسلامی قانون کا نفاذ اپنی جگہ بہت ہی اہم اور مبارک اقدام ہے لیکن جو چیز اس سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس قانون کو نافذ کرنے والے ادارے کس حد تک دیانت و امانت، خدا ترسی و محاسبہ، آخرت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں، اب تک ہماری عدلیہ قانونی طور پر غیر اسلامی قوانین کے مطابق فیصلے دینے پر مجبور تھی، لیکن اب اسے قدرت نے "ماانزل اللہ" کے مطابق فیصلہ کرنے کا موقع بہم پہنچایا ہے، اس نعمت کا شکر سب سے بڑھ کر عدلیہ پر فرض ہے، اور وہ یہ کہ قرآن کریم اور ارشادات نبویہ کی ہدایات کے مطابق عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کریں، ہمارے فاضل ارکان عدلیہ کا کردار ایک کھرے سچے مسلمان کا کردار ہونا چاہئے، ان کے بے لاگ فیصلے کی راہ میں کوئی سفارش، کوئی قرابت و رشتہ داری، کوئی مالی منفعت حائل نہیں ہونی چاہئے، ہماری عدلیہ کا کردار پہلے بھی مایہ فخر ہے، لیکن اب اس میں ایک اچھی عدلیہ کا ہی نہیں بلکہ ایک سیاسی عدلیہ کا کردار واضح طور پر جھلکنا چاہئے، عدلیہ سے متعلقہ تمام افراد کو، خواہ وہ فاضل جج ہوں، یا وکلاء، اسلامی ارکان کی پابندی بھی سب سے زیادہ کرنی چاہئے۔

اسلامی قانون کی حکمرانی کے سلسلے میں جو چیز سب سے زیادہ خطرہ کا سبب ہو سکتی ہے وہ رشوت و سفارش کی لعنت ہے، اور یہ ہمارے معاشرے میں اس قدر جڑ پکڑ چکی ہے کہ عام آدمی اس کے بغیر انصاف طلبی اور داد خواہی کا تصور ہی کھو بیٹھا ہے، اگر اسلامی قانون کے نفاذ کے بعد بھی یہ لعنت برقرار رہی تو ظاہر ہے کہ اس سے عدل و انصاف کی قدریں مجروح ہوں گی اور یہ بات اسلامی قانون کی بدنامی کا موجب بنے گی، اور اسلام کے وقار پر حرف آئے گا۔ حالانکہ اس کی ذمہ داری اسلام کے عادلانہ قانون پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر ہوگی جو اس گندے کھیل کے ذریعہ خدا کے قانون کے نفاذ میں رکاوٹ بنیں گے۔ اگرچہ حکومت کی طرف سے پہلے بھی انسداد رشوت ستانی کے محکمے قائم ہیں لیکن یہ سیاہ کاروبار ان کے علی الرغم بلکہ بعض صورتوں میں ان کے زیر سایہ چل رہا ہے اس لئے جہاں یہ

ضروری ہے کہ قانون کے نفاذ کا کام صحیح دینی تربیت یافتہ افراد کے سپرد کیا جائے' وہاں یہ بھی لازم ہے کہ اس کی نگرانی کے لئے شرعی احتساب کا محکمہ قائم کیا جائے' اور جو لوگ خدائی قانون کے نفاذ میں رشوت وسفارش کے مجرم پائے جائیں انہیں عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ اس کے ساتھ معاشرے پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان قباحتوں سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے ارباب اقتدار سے مکمل تعاون کریں۔

صدر نے نظام زکوۃ کے نفاذ کا جو اعلان کیا وہ ملک کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنانے کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔ اس قانون کا مسودہ ابھی منظرعام پر نہیں آیا' تاہم امید ہے کہ اہل علم ودانش اس نظام کو کامیاب بنانے کے لئے بہتر سے بہتر مشورے دیں گے۔ عشر وزکوۃ کا نظام اس ملک میں صحیح طور پر کامیاب ہوا تو آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ چند سالوں میں اس کے کیسے عمدہ اور شاندار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اگر تمام امراء زکوٰۃ کا ایک ایک پیسہ اور زمیندار عشر کا ایک ایک حبہ ادا کریں اور پھر اسے نہایت دیانت وامانت سے صحیح مصرف پر خرچ کیا جائے تو کچھ عرصہ بعد غربت وافلاس کا خاتمہ ہو جائے گا' اس نظام کی کامیابی کا انحصار اس پر ہے کہ قوم کا متمول طبقہ کس حد تک اس میں گرمجوشی دکھاتا ہے' اور جن ہاتھوں کے یہ امانت سپرد کی جاتی ہے وہ کس حد تک امانت ودیانت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

صدر نے ملک میں حدود العیہ کے نفاذ کا اعلان بھی فرمایا ہے' کسی معاشرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کی صورت اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو اسلام نے ان حدود میں ملحوظ رکھی ہے' کچھ لوگ ان سزاؤں کے نفاذ پر چیں بہ جبیں ہیں اور مغرب کی اصطلاح میں انہیں وحشیانہ سزائیں قرار دیتے ہیں۔ دراصل یہ حضرات انسان اور وحشی کے درمیان تمیز کرنے سے معذور ہیں' ان کی نظر صرف ظاہر اور چمڑے تک ہی محدود ہے' وہ ہر دو ٹانگوں پر سیدھا چلنے والے کو انسان سمجھتے ہیں' لیکن اسلام کی نظر صرف ظاہری چمڑے پر نہیں' بلکہ اندر چھپے ہوئے انسان پر ہے' وہ ان لوگوں کو جو دوسروں کی عزت وآبرو اور جان ومال سے کھیلتے ہوں انسانی جوہر سے عاری سمجھتا ہے' اور انکی وحشیانہ

حرکات سے معاشرے کو پاک کرنے کے لئے ان کے مناسب حال سزائیں تجویز کرتا ہے' اگر مغرب کی اصطلاح میں یہ سزائیں وحشیانہ ہیں تو ان سے کہئے کہ یہ سزائیں ہم جاری بھی انسانوں پر نہیں بلکہ وحشیوں پر ہی کر رہے ہیں۔

حدود کے سلسلے میں ایک اہم بات جسے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے تھا وہ سزائے ارتداد ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد موجود ہے "من بدل دینه فاقتلوه" اور دور نبویؐ اور دور صحابہؓ میں اس سزا پر ہمیشہ عمل در آمد رہا ہے' اس لئے ضروری ہے کہ اس کو بھی نافذ کیا جائے۔

نیز سزائے زنا جاری کرتے ہوئے ان عملی اقدامات کی بھی شدید ضرورت تھی جن کے ذریعہ اس فحاشی وبدکاری کے سرچشموں کو بند کیا جاتا۔ مرد وزن کا اختلاط' سینماؤں میں رومانی مناظر' بازاروں اور سڑکوں میں عورتوں کی نمائش اور ہر چیز پر عورت کی تصویر چھاپنے کا رجحان وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام ایسی چیزیں ہیں جن سے نوجوان کا اخلاق بگڑتا ہے اور بدکاری کے جذبات کو انگیخت ہوتی ہے' شر وفساد کے ان گندے جوہڑوں کو جب تک خشک نہ کیا جائے صحت مند معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔

حق تعالیٰ اس ملک کو نیک سیرت حکمران عطا فرمائے' اور یہاں کے باشندوں کو اسلامی نظام کی برکات سے مستفید فرمائے'

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه صفوة البرية

و آله واصحابه واتباعه

بینات ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ

اسلامی نظام اور اس کے تقاضے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

صدارتی حکم کے تحت جسے آئین کا ایک حصہ بنا دیا گیا ہے۔ بارہ ربیع الاول سے صوبائی اور وفاقی سطح پر شریعت بنچوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ جس کا مقصد مروجہ قوانین پر شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم کرنا ہے۔ اس حکم کے مطابق کسی رائج الوقت قانون کے بارے میں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ شریعت اسلام کے مطابق ہے یا نہیں، اسے ''شریعت بنچ'' میں پیش کیا جاسکے گا۔ علاوہ ازیں عدلیہ کو یہ اختیار بھی دیدیا گیا ہے کہ وہ رائج الوقت قانون کے بجائے اسلامی قانون کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرے۔

''نفاذ شریعت'' کا یہ اعلان ایک مثبت اور لائق تحسین اقدام ہے۔ لیکن اسلام کے نظام عدل سے صحیح طور پر بہرہ ور ہونے کے لئے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

سب سے پہلے ہماری عدلیہ کے موجودہ نظام کو بدلنا ضروری ہے۔ یہ نظام اتنا طویل، ایسا پیچیدہ اور تھکا دینے والا ہے جس سے حصول انصاف میں غیر ضروری تاخیر ہوجاتی ہے۔ اور پھر اتنا گراں بار ہے کہ عام آدمی اس کے مصارف برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ چنانچہ حصول انصاف کے لئے ہماری عدلیہ کا دروازہ وہی

لوگ کھٹکھٹا سکتے ہیں جو ضروریات زندگی سے فاضل سرمایہ رکھتے ہوں۔ اس نظام کی بدولت ایک عام آدمی نہ عدالت کا رخ کرسکتا ہے اور نہ اسے حصول انصاف میں کامیابی ہوتی ہے، اس کے برعکس اسلام کا نظام عدل اتنا سہل اور سادہ ہے اور اسے فوری انصاف مہیا کرنا عدالت کے فرائض میں شامل ہے۔ جب تک عدلیہ کا موجودہ نظام باقی ہے، اگر رائج الوقت قانون کی جگہ اسلامی قانون بھی رکھ دیا جائے۔ معاشرہ کا متوسط اور پس ماندہ طبقہ حصول انصاف سے محروم رہے گا۔ اس لئے صرف قوانین کی تبدیلی کافی نہیں بلکہ نظام کی تبدیلی بھی لازم ہے۔

نفاذ شریعت کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں، کہ شریعت بنچیں مقرر کر کے لوگوں سے کہہ دیا جائے کہ وہ جس قانون کو چاہیں ان بنچوں میں چیلنج کر سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایک ایک قانون کو اگر اسی طرح شریعت بنچوں میں لایا جاتا رہے گا تو یہ سلسلہ صبح قیامت تک بھی ناتمام رہے گا۔ ہونا یہ چاہئے کہ رائج الوقت قوانین کی جگہ اسلامی قوانین عدالتوں میں نافذ کردیئے جائیں، اس کے بعد یہ معلوم کرنے کے لئے کہ رائج الوقت قانون کی جگہ جو قانون نافذ کیا گیا ہے وہ اسلامی ہے یا نہیں؟ اس کی نگرانی شریعت بنچوں کو تفویض کی جائے۔ الغرض جب تک حکومت کی طرف سے موجودہ قوانین کو ہٹا کر اسلامی قانون نافذ نہیں کیا جاتا مبہم طور پر شریعت بنچوں کو کسی قانون کے شرعی ہونے یا نہ ہونے کے فیصلہ کا کام تفویض کر دینا خواہ کتنا ہی خوش آئند ہو مگر کوئی خاص نتیجہ خیز نہیں ہوگا۔

شریعت بنچوں کی تشکیل جس نہج پر ہوئی ہے وہ بھی بجائے خود نظر ثانی کی مستحق ہے، ہماری عدلیہ کے فاضل ارکان پر کام کا جتنا بار ہے اس سے کوئی شخص بے خبر نہیں۔ اس گراں باری کی بنا پر بہت سے مقدمات سالوں سے فیصلہ کے انتظار میں

پڑے ہیں۔ شریعت بنچوں کی تشکیل کر کے ان پر یہ اضافی ذمہ داری بھی ڈال دینا نہ صرف نامناسب ہے۔ بلکہ اس سے حصول انصاف میں مزید تعویق بھی پیدا ہوگی اور شریعت بنچوں کا کام بھی قابل رشک انداز میں نہیں ہو سکے گا۔ پھر جیسا کہ ہم قبل ازیں بھی عرض کر چکے کہ شریعت بنچوں میں ان حضرات کو نامزد کیا جانا چاہئے جو نہ صرف اسلامی قانون کے ماہر اور اس کے فلسفہ و مزاج سے آشنا ہوں بلکہ اس اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کے لئے وہ کامل یکسوئی اور فراغت کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار بھی لا سکیں۔ جن جج صاحبان کے کندھوں پر پہلے ہی ذمہ داریوں کا انبار ہو، انہی پر اسلامی قانون کی تشخیص کی نازک ترین ذمہ داری ڈالدینا نہ صرف ناقابل عمل ہے، بلکہ ناقابل فہم بھی۔

شریعت بنچوں کے دائرہ اختیار سے جن چیزوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔ ان کی فہرست خاصی طویل ہے ان میں سے بعض کے لئے تو ایک میعاد بھی مقرر کردی گئی، لیکن بعض کو غیر مشروط اور غیر معینہ مدت کے لئے شریعت کے دائرے سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے کے بعد ایک عام آدمی کو یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کس قانون کو شریعت بنچوں میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اور کس کو نہیں؟ اور لطیفہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین کو بھی شریعت بنچوں کے دائرے سے باہر ہی رکھا گیا ہے۔ جب ایک آدمی ان غیر شرعی قوانین کو جن کا اس کی ذات سے راہ راست تعلق ہے۔ اور جن سے اس کا روز مرہ کا واسطہ ہے، ان بنچوں میں چیلنج نہیں کرسکتا۔ تو کسی دوسرے قانون کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے سے اسے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟ اگر اس پہلو سے شریعت بنچوں کی تشکیل کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ اس سے اسلامی قوانین کے نفاذ کی امید کم اور اس سے مایوسی زیادہ ہوئی ہے۔ صدر محترم کی

خدمت میں ایک بار پھر درخواست کریں گے کہ کم از کم مسلمانوں کو شخصی دائرے میں تو غیر شرعی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے۔ اگر آپ اسلام کے شخصی قوانین کو نافذ نہیں کر سکتے تو موجودہ غیر شرعی شخصی قوانین کو شریعت بنچوں کے دائرے سے مستثنٰی کر کے انہیں تقدس کا درجہ دینا قرین انصاف نہیں۔

قانون اسلام کے نفاذ کے صحیح نتائج اس وقت تک ظاہر نہیں ہوں گے جب تک کہ قانون نافذ کرنے والے ہاتھ خدا ترسی، دیانت و امانت اور فرض شناسی سے آشنا نہ ہوں۔ ہمارے معاشرے میں رشوت، سفارش اور اقربا نوازی و جنبہ داری نے نظام عدل کو تلپٹ کر کے رکھدیا ہے۔ قانون اپنی جگہ خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو جب داد و انصاف کے گرد رشوت و سفارش کی دیواریں حائل ہوں اور قانون پر عمل نہ ہوسکے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنی افادیت کا سکہ نہیں منوا سکتا۔ ہمیں جو سب سے بڑا اندیشہ لاحق ہے وہ یہ ہے کہ اگر اسلامی قوانین کے نفاذ کے باوجود قوانین نافذ کرنے والے اداروں کا رویہ اسی طرح افسوسناک رہا تو عام آدمی یہ دیکھنے کی بھی زحمت نہیں کرے گا کہ قانون پر عمل بھی ہوا یا نہیں؟ بلکہ اپنی مظلومی کی ساری ذمہ داری اسلامی قانون پر ڈال دیگا اور اعدائے اسلام، عام لوگوں کو اسلامی قانون سے بدگمان کریں گے۔ اس لئے جہاں حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کا اہتمام کرے، وہاں اس پر اس سے بڑھ کر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تطہیر و تربیت کا بھی اہتمام کرے۔ اگرچہ ''انسداد رشوت ستانی'' وغیرہ کے محکمے پہلے بھی موجود ہیں لیکن افسوس ہے کہ رشوت و سفارش کی دیواریں ناقابل تسخیر بن چکی ہیں۔ صدر نے اس سلسلے میں کئے جانے والے اقدامات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ جس قدر سنگین ہے اس کے لئے انقلابی

اقدامات کی ضرورت ہوگی۔ آج عام آدمی رشوت دینے پر مجبور ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے یہ حماقت نہ کی تو قانون کی برگشتہ نظریں اسے مظلوم کے بجائے ظالم بنا ڈالیں گی اور اسے حصول انصاف کے بجائے کل مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر اس نے کانوں کان اس کی خبر کسی کو کردی تو قانون کا قہرمانی کوڑا اسی پر برسنے لگے گا اور جس کے خلاف شکایت کی گئی ہے وہ اپنے بے پناہ وسائل اور اثر ورسوخ کے ذریعہ صاف بچ نکلے گا۔

یہ صورت حال اسلامی قانون کے ساتھ کوئی میل نہیں کھاتی۔ وہ لوگ خدا کی زمین پر سب سے بڑے مجرم اور بدترین ملعون ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے عطا کردہ قوانین کے راستے میں حائل ہوں گے۔ اور اس کے گرد رشوت و سفارش کی دیواریں کھڑی کر کے خدا کی مخلوق کو اسلام کے عدل و انصاف سے محروم رکھیں گے۔

صدر نے بارہ ربیع الاول کو ملک میں اسلامی حدود کے نفاذ کا اعلان بھی کیا ہے اس مبارک اعلان پر ہر اس شخص نے جس کے دل میں ایمان کی ادنیٰ رمق موجود ہے فرحت و مسرت کا اظہار کیا ہے۔

شریعت نے جو حدود نافذ کی ہیں، ان کی دو حیثیتیں ہیں۔ وہ خود مجرموں کے لئے ان کے جرم کا کفارہ ہیں اور دوسروں کے لئے تازیانۂ عبرت ہیں۔ چوری ڈکیتی، بدکاری، شراب نوشی اور تہمت تراشی اسلام کی نظر میں ایسی گھناؤنی گندگیاں ہیں کہ وہ اسلامی معاشرہ میں ان کے وجود کو ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان قبیح جرائم پر جو سزائیں مقرر کی ہیں ان کے بغیر نہ تو ان مجرموں کا دامن ان جرائم سے پاک ہوسکتا ہے اور نہ معاشرہ کو ان بدکاریوں سے پناہ مل سکتی ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے

ایک حد کو نافذ کردینا زمین پر چالیس دن کی بارش سے زیادہ خیر و برکت کا موجب ہے۔

دانایان فرنگ، جو انسان کی جانی و مالی اور اس کی عزت و آبرو کی قیمت سے بے خبر ہیں ان سزاؤں کو سخت بلکہ وحشیانہ قرار دیتے ہیں، مشرق کے بہت سے فرزندان مغرب بھی اسی نہج پر سوچنے کے عادی ہیں۔ انہیں اس ظالم بھیڑیے سے تو ہمدردی ہے جو معصوم انسانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کو پامال کرتا ہے۔ مگر معصوم جان و مال اور معصوم آبرو کے تقدس کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہیں لیکن اسلام، جس کی نظر میں اسلامی معاشرہ کے افراد کی جان و مال اور معصوم عصمت کی حرمت کعبہ سے بڑھ کر ہے، وہ دانایان فرنگ کی تقلید میں انسان نما درندوں کو لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو سے ہولی کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ صدر نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ معاشرہ میں چور کے بجائے ہاتھ سے محروم شخص زیادہ بہتر ہے۔

اسلامی حدود میں حد زنا، حد سرقہ، حد شراب نوشی اور تہمت تراشی کی حد کے علاوہ ایک اور حد ابھی باقی ہے، اور وہ ہے حد ارتداد جسے آنحضرت ﷺ نے "من بدل دینه فاقتلوه" میں بیان فرمایا ہے اور اسلامی تعزیرات میں ہمیشہ یہ سزا جاری رہی ہے ۔ باغیوں کو گولی مار دینا اور موت کے گھاٹ اتار دینا آج کے مہذب معاشروں میں معمول و مروج ہے۔ مرتد کی حیثیت اسلامی قانون کے باغی کی ہے اور اسلام اسے وہی سزا دیتا ہے جو دنیا بھر کے مہذب معاشرے باغیوں اور غداروں کو دیتے ہیں۔ مرتد ملت اسلامیہ کا ماؤف عضو ہے جس کا آپریشن نہ کیا جائے تو اس کا زہر جسد ملت میں سرایت کرسکتا ہے اور کوئی سرجن سڑے ہوئے عضو پر ترس کھا کر اس کے آپریشن میں تامل محسوس نہیں کرتا۔ ہم صدر سے درخواست کریں گے کہ اسلامی

تعزیرات میں سزائے ارتداد کو بھی جگہ دی جائے اس سلسلہ میں نہایت ہی لائق توجہ امر یہ ہے کہ تعزیرات کے سلسلہ میں اسلام مسلم و غیر مسلم کی تفریق کا قائل نہیں، شراب نوشی اول تو کسی مذہب و ملت میں حلال نہیں اور بالفرض کسی کے لئے مذہبی طور پر حلال بھی ہو تو اسلامی معاشرے میں اسے کھلے عام شراب نوشی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر کوئی غیر مسلم شراب نوشی کے جرم کا ارتکاب کرتے ہوئے پکڑا جائے گا اس پر بھی اس سزا کا اطلاق ہوگا اس لئے غیر مسلموں کے لئے جو استثنا رکھا گیا ہے اس کا غلط مفہوم نہیں لیا جانا چاہئے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۳رفروری ۱۹۷۹ء)

اسلامی نظام کو ناکام بنانے کی سازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مسلمانان پاکستان کے لئے مبارک دن ثابت ہوا کہ اس دن پاکستان میں اکتیس سال کے طویل عرصہ کے بعد اسلامی نظام کا سورج طلوع ہوا اور بعض اسلامی دفعات کا اعلان کر کے صدر جنرل محمد ضیاءُ الحق صاحب نے اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کی، اس اعلان سے پورے پاکستان میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور ملت کے ہر طبقہ کی جانب سے اس کا خیر مقدم کیا گیا اور مسلمانوں میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی کہ آخر کار وہ دن آہی گیا کہ ہم اپنے اس نظام کو اپنانے اور نافذ کرنے میں کامیاب ہوگئے، جس کے لئے ہم نے الگ خطۂ اراضی حاصل کیا تھا اور جس کے لئے پاکستان وجود میں آیا تھا، اس تاریخی اعلان کا ملک میں ہی خیر مقدم نہیں کیا گیا بلکہ عالم اسلام نے اس اہم اعلان کی کھل کر داد دی اور خراج تحسین پیش کیا اور یہ کہا جارہا ہے کہ انشاءُ اللہ پاکستان میں اس نظام کی برکات اور انوار دیکھ کر نہ صرف عالم اسلام کا ہر ایک ملک اس سے مستفیض ہوگا بلکہ غیر مسلم ممالک کو اسلام کے قریب لانے اور ان کو مسلمان بنانے کے لئے یہ معاشرہ محرک ثابت ہوگا، مگر افسوس کہ اس تاریخی اور متفقہ اعلان کے بعد قوم کے چند مفاد پرست سیاستدانوں، جو کہ سیاسی زیادہ اور

مذہبی کم ہیں، انہوں نے اس اعلان کو بھی سیاسی نقطۂ نگاہ سے پرکھا، اس میں سقم اور اختلافات نکالنے کی سازش شروع کردی اور فرقہ واریت کی آڑ میں اپنا سیاسی مستقبل چمکانا شروع کردیا، دراصل ایسے لوگوں کو نہ قوم کی پرواہ ہے، نہ ملک اور ملت کی، ان کی نظریں بس اپنے سیاسی حالات پر رہتی ہیں، دنیا کس طرف جارہی ہے؟ ان کو اس سے کوئی غرض نہیں، ملکی حالات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں؟ اس سے ان کو کوئی مطلب نہیں، ملکی حالات ںیں کیا کشیدگی پیدا ہوگی اس کی ان کو کوئی پرواہ نہیں، ان کو بس سیاسی بیان دینا ضروری ہے، چاہے وہ حالات کے مطابق ہو یا نہ ہو؟ چاہے اس بیان سے آپس میں نفرتوں میں اضافہ ہو یا کشیدگی اور انارکی پھیلے، بس ان کا نام اخبار میں آئے، اور ان کی شہرت ہو کہ ہم بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ اختلاف رائے کی بھی کچھ حدود ہوتی ہیں، مگر ہمارے پاکستان میں ہر چیز حدود سے بالاتر ہے، حالانکہ ان کو اس بات کا علم نہیں کہ یہ جو اسلامی قوانین بنائے گئے ہیں یہ کسی فرد واحد یا کسی خاص گروہ نے نہیں بنائے بلکہ ایک ایسی اسلامی نظریاتی کونسل نے بنائے ہیں، جن میں پاکستان کے تمام فرقوں کی نمائندگی تھی، انہوں نے طویل عرصے تک بہت بحث و مباحثہ اور محنت و جانفشانی سے عمیق غور وفکر اور تدبر کے ساتھ ہر ہر پہلو کا جائزہ لے کر اس کی تدوین وتشکیل کی، نچلی سطح سے لے کر اوپری سطح تک ایک ایک حرف کو پرکھا گیا اور جب تمام اہل فکر کی طرف سے متفقہ ایک قانون مرتب کرلیا گیا اور ہر ایک کی تسلی ہوگئی تو اس کے بعد اس کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور پوری قوم نے اطمینان کا سانس لیا، ہم اپنی قوم سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ جب تمام فرقوں پر مشتمل ایک کمیٹی نے اس کی تشکیل کی تو پھر آخر اس میں اختلاف پیدا کرنے کی کیا ضرورت؟ اگر کوئی اعتراض تھا تو اس کو اس کمیٹی ہی میں حل کرنا چاہئے تھا، یہ عادت کب بنے گی

کہ ہم ہر معاملہ میں شکوے، شکایت چھوڑ کر افہام و تفہیم کے اصولوں کو اپنائیں گے، خدا خدا کر کے تو یہ دن نصیب ہوا تھا کہ ہم اپنے قوانین سے فیصلے کریں، ورنہ اکتیس سال تک تو ہم انگریز کے قانون کے پابند رہے، دنیا میں غیر مسلم قومیں ہمارا مذاق اڑانے لگیں کہ اسلام، دنیا میں قابل عمل نہیں۔ ہم نے ان کے اس چیلنج کا جواب دیا اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی کہ ہم ان کو اس کی عملی شکل پاکستان میں دکھائیں گے۔ اس کے لئے ہم نے ہر اختلاف کو پس پشت ڈال دیا، متحد اور متفق ہوگئے، ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارا خدا ایک، ہمارا رسول ایک، ہمارا قبلہ ایک اور ہمارا بنیادی مقصد اسلامی نظام، ہمارے مطالبے یہی ہیں اور ہم نے اس کا عملی نمونہ بھی دکھا دیا ہے۔ آپس میں صلاح و مشورے کئے اور ہر ایک نے اتفاق کرلیا اور اس کے اعلان کی تاریخ کا اعلان ہوگیا، دشمنوں کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی، مسلمانوں کے گھروں میں شادیانے بجنے لگے، غیر مسلموں کی آنکھیں کھل گئیں اور ان کو اپنے مذہب کے بارے میں ہی شک ہونے لگا، کیونکہ اسلام جب اپنی اصل شکل میں نافذ ہوگا تو ہر باطل مٹ جائے گا، اس لئے انہوں نے اس کے خلاف لکھنا شروع کردیا، کوئی کہتا ہے کہ سزائیں ظالمانہ ہیں، کوئی کہنے لگا کہ زکوٰۃ ٹیکس ہے، کوئی کہنے لگا کہ ادھورا نافذ ہوا، تو کسی نے کہا کہ فلاں فقہ نافذ نہیں ہوئی، حالانکہ ہم پہلے ہی عہد کر چکے ہیں کہ نہ اسلام کی سزائیں ظالمانہ ہیں نہ زکوٰۃ ٹیکس اور نہ کسی مخصوص فقہ کا سوال ہے، یہاں اصل مسئلہ کتاب اللہ کے قانون کا نفاذ ہے، ہمیں یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم ہر اس قانون کو ٹھکرادیں گے جو کہ قرآن کے خلاف ہو، ہم سب مل کر متحد ہوکر ان دشمنوں کو ناکام بنادیں گے جو ہمارے فروعی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں، ہم دنیا کو دکھادیں گے کہ ہم صرف اور صرف اسلام کا نفاذ اپنے ملک میں کریں گے اور تمہاری سب سازشیں

ناکام ہوجائیں گی، جو ہمارے درمیان اختلاف پیدا کرنے کے لئے کی جارہی ہیں۔ آج ہم پاکستان میں متحد ہوکر اسلامی نظام کا تجربہ کر رہے ہیں۔ جب ہم باہم متحد ہوجائیں گے تو عالم اسلام میں اس نظام کو رائج کریں گے، اس کے بعد یہ نظام عالم اسلام سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل جائے گا، تمام مذاہب باطلہ کا خاتمہ ہوگا اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲ رمارچ ۱۹۷۹ء)

اسلامی نظام کی طرف پیش رفت

صدر مملکت جنرل محمد ضیاءُ الحق لائق ستائش ہیں کہ وہ دین حق کی پاسبانی اور اسلام کے صراط مستقیم پر ملک وقوم کو چلانے کا عزم رکھتے ہیں، اور وہ اس نیک مقصد کے لئے بعض اہم قوانین کا اعلان بھی کر چکے ہیں، ان کی نیک تمناؤں اور ایمان پرور اعلانات کے باوجود ہمیں اندازہ لگالینا چاہئے کہ ہم اسلام کی طرف بڑھ رہے ہیں یا روز بروز اس سے دور ہوتے جارہے ہیں؟ اسلام اس ملک میں آرہا ہے یا اس کے باقی ماندہ آثار بھی یہاں سے ختم ہو رہے ہیں؟ بہت ممکن ہے کہ سرکاری فائلوں میں اسلام کی جانب کچھ پیش رفت بھی ہوئی ہو لیکن آثار ونتائج کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیجئے کہ ان تمام خوش آئند اعلانات کے باوجود قوم کسی ذہنی انقلاب کے لئے تیار ہوئی ہے یا خدائی احکام کے توڑنے میں کچھ زیادہ ہی جری اور بے باک ہوگئی ہے؟

اسلام نے شراب خانہ خراب کو قطعی حرام قرار دے کر شراب نوشی کے مرتکب کے لئے سزا تجویز کی ہے، مگر پاکستان میں شراب کی دو قسمیں تھیں، جائز شراب جو حکومت کے اجازت نامے سے حاصل کی گئی ہو، اور ناجائز شراب جو حکومت کی اجازت اور سرپرستی سے محروم ہو، مسٹر بھٹو نے اپنی گرتی ہوئی دیوار اقتدار کو سہارا دینے کے لئے شراب پر عام پابندی کا حکم جاری کر دیا تھا، تاہم جسمانی یا ذہنی مریضوں کے لئے اس کی گنجائش رکھی گئی تھی، اس وقت سے سرکاری ذرائع ابلاغ سے یہی پروپیگنڈا کیا جارہا تھا کہ ملک شراب نوشی کی لعنت سے پاک کر دیا گیا ہے، اور ۱۲/ربیع الاول کو صدر مملکت نے شراب نوشی کی شرعی سزا کے نفاذ اور سابقہ چور دروازوں کے بند کرنے کا اعلان بھی کر دیا تھا لیکن باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ملک کے چار بڑے

بڑے ہوٹلوں میں جام و سبو کا یہ شغل حکومت کی اجازت سے جاری ہے، اگر یہ خبر صحیح ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قوم نے ۵؍جولائی ۱۹۷۷ء کے بعد اسلام کی طرف پیش قدمی کی ہے یا جاہلیت کی طرف؟

ملک میں اب تک فحاشی کے انسداد کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا، بلکہ طوائفوں کا مخصوص کاروبار کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے، اور اخبارات و رسائل میں اس سلسلہ کی داستانیں شائع ہوتی رہتی ہیں ان سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ ''کاروبار'' کتنی گہرائی و وسعت رکھتا ہے، تاہم پاکستان کی تاریخ میں شاید یہ پہلا موقع ہے کہ طوائفوں نے پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اپنے کاروبار کے جواز و تقدس کی سند ہائی کورٹ سے حاصل کریں گی۔ فیصلہ کیجئے کہ طوائفوں کا یہ اعلان ملک میں اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کی علامت ہے، یا جاہلیت کی طرف بازگشت کی نشاندہی کر رہا ہے؟

فحاشی و عریانی کی غلاظت پھیلانے میں سینماؤں، کلبوں اور دیگر تفریحی اڈوں کے ساتھ ساتھ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اخبارات و رسائل کے فلمی اشتہارات اور فلمی صفحات کا کردار انتہائی شرمناک ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جنرل ضیاءؔ کی حکومت میں شر و فساد کے یہ سوتے خشک ہونے کے بجائے اور بھی شدت و قوت سے ابلنے لگے ہیں، فرمایئے، ہم اسلام کی طرف آگے بڑھے ہیں یا الٹے پاؤں واپس لوٹے ہیں؟ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ غلاظت کے ان ڈھیروں کی صفائی کئے بغیر بھی اسلامی نظام نافذ کیا جاسکتا ہے تو ہمارے لئے ایسا اسلامی نظام ناقابل فہم ہے اور اسلامی نظام کے فیوض و برکات فی الواقع ہوس خام ہے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کا آزادانہ اختلاط، سر برہنہ بنی ٹھنی دوشیزاؤں کا عریاں

اور نیم عریاں لباس میں بازاروں میں ٹہلنا اور پارکوں میں تھرکنا، کودنا صرف اسلام ہی کے لئے نہیں، انسانی غیرت وشرافت کے منہ پر بھی طمانچہ ہے اور یہی وہ شیطانی کھیل ہے جس کے ذریعہ وہ انسانیت کا شکار کرتا ہے اور جس کے بطن سے بیسیوں برائیاں جنم لیتی ہیں، اور قرآن کریم ''جاہلیت اولیٰ کا تبرج'' کہہ کر جس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے اور نہایت تاکیدی لہجے میں خواتین اسلام کو حکم دیتا ہے کہ: ''وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلیٰ.''(اور جم کر بیٹھو اپنے گھروں میں، اور مت نکلو بن سنور کر پہلی جاہلیت کی طرح)۔

ذرا جائزہ لیجئے کہ فوجی حکومت کے دور میں اس ''جاہلی نمائش'' میں کچھ کمی ہوئی ہے یا کئی گنا اضافہ ہوا ہے؟ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ صدر مملکت جو ''چادر اور چار دیواری کے تقدس'' کے قائل ہیں ان کی دن بدن بگڑتے ہوئے حالات پر نظر نہیں؟ غالباً جناب صدر حالات سے بے خبر نہیں ہوں گے، البتہ دو امکانات سامنے آتے ہیں، ایک یہ کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا اس عریانی و بے حجابی کے سیلاب میں بہہ جانا ان کے خیال میں کوئی قباحت نہیں، بلکہ ترقیٔ عقل و دانش کی علامت ہے اور وہ اس سیلاب بلاخیز کا تدارک کرنے سے قاصر ہیں، مزید افسوس یہ ہے کہ ارباب اقتدار کی جانب سے اس قباحت کی حوصلہ شکنی کے بجائے کسی نہ کسی پیرائے میں اس کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، ممکن ہے اسے ایک دقیانوسی بات کہہ کر خندۂ زہر کی نذر کردیا جائے، لیکن ہم واضح کردینا چاہتے ہیں کہ کسی اسلامی معاشرے میں عریانیت اور جنسیت کا فروغ اس کے زوال کی علامت ہے اور یہ خطرے کا الارم ہے، جس کی آواز ہر اس شخص کو سننی چاہئے جو سینے میں حساس دل رکھتا ہے، یا پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سہانے خواب دیکھ رہا ہے۔

وطن عزیز میں جن صنعتوں کو سب سے زیادہ فروغ نصیب ہوا ہے، ان میں "کھیل کی صنعت" سرفہرست ہے، شاید یہ واحد ملکی صنعت ہے جس میں ہم خود کفیل ہو چکے یہی وجہ ہے کہ ہمارے عزیز نوجوانوں میں دوسرے کمالات پیدا کرنے کے بجائے اس فن میں نام پیدا کرنے کی ایک عام لہر پیدا ہوگئی ہے، اور اب چشم بد دور ہماری معصوم بیٹیاں بھی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہاکی کے میدان میں دعوت مبارزت دے رہی ہیں، اگر اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی اسی کا نام ہے تو ہمیں اپنے جہل کا اقرار ہے کہ ہم اس کے سمجھنے سے معذور ہیں۔ مسلمانوں کے لئے دنیا کی سب سے مقدس اور لائق تقلید ہستی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے عوام وخواص پیر و جوان اور مرد و زن آنحضرت ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر فخر کرنے کے بجائے دنیا کی ملعون اور بے خدا قوموں کی تقلید کرنے پر نازاں ہیں، صورت و سیرت، وضع قطع، اعمال و کردار، رفتار و گفتار، معاملات و معاشرت الغرض ہر چیز میں اسوۂ نبوی سے ہمارا بعد بڑھتا جا رہا ہے، ہم اپنے تصورات کی دنیا میں خواہ کچھ ہی سمجھیں مگر خدا تعالیٰ نے یہ قانون طے کردیا ہے کہ اس کی رحمت ملعون قوموں کی تقلید پر نازل نہیں ہوتی، اس کی رحمت و نصرت کا مورد وہی قوم بنتی ہے جو اسوۂ نبویؐ کو اپناتی ہے۔

یہ چند ظاہری مظاہر ہیں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ورنہ زیر زمین اور پس پردہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے تصور سے بھی دل کانپتا ہے، بدعنوانیوں کی رفتار میں کمی نہیں ہوئی، بلکہ اضافہ ہوا، ہمیں معلوم نہیں کہ نوکر شاہی (جسے "سب اچھا ہے" کی خوب مشق ہے) ارباب اقتدار کو کیا رپورٹیں دیتی ہے، اور ملک کی صورت حال کو کس رنگ میں پیش کرتی ہے لیکن اگر ہماری آواز ایوان اقتدار تک پہنچ سکتی ہے تو ہمیں

باادب یہ بات ان کے کانوں تک پہنچانا چاہئے کہ سرکاری اہل کاروں نے اسلام کو جتنا ان دوسالوں میں بدنام کیا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا، اور اسلام دشمن عناصر نے اسلام اور مسلمانوں سے جتنا انتقام ان دنوں میں لیا ہے ایسی جرأت انہیں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، محکمہ مال کا پٹواری، پولیس کا باوردی سپاہی، صاحب کے دفتر کا چپراسی اور ریلوے کا کلرک آج بھی رشوت لے رہا ہے، اور یہ کہہ کر لے رہا ہے کہ ''اب تو اسلامی نظام آرہا ہے''۔

کوثر نیازی صاحب نے وزیر حج کی حیثیت سے یہ بدعت ایجاد کی تھی کہ عورتوں کی درخواستوں پر بھی فوٹو چسپاں کئے جائیں اور تاویل یہ کی گئی تھی کہ یہ حکم سعودی حکومت کا ہے، افسوس ہے کہ ہمارے ''اسلامی نظام'' سے اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ کم ازکم پردہ نشینوں کو اس سے معاف رکھا جاتا: تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم۔

ہم اپنے نیک دل فرمانروا کی خدمت میں عرض کریں گے کہ خدارا یا تو ان تمام بدعنوانیوں اور قباحتوں کے خلاف کوئی اقدام کیجئے جو اسلامی نظام کا منہ چڑا رہی ہیں اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو آپ سے اسلام کی خدمت جتنی ہوسکتی ہے کیجئے، خدا اس کا اجر دے گا، مگر لوگوں کو اسلام کا مذاق اڑانے کا موقع نہ دیجئے اور اسلام کو بدنامی سے بچایئے۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ مؤمن عام لوگوں کے لئے دعا کرے گا مگر قبول نہیں کی جائے گی، حق تعالیٰ شانہ فرمائیں گے کہ اپنے لئے جو مانگنا ہے مانگ! ہم دیں گے، مگر عام لوگوں کے لئے نہیں، اس لئے کہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے۔''

(امام ابن مبارکؒ: کتاب الزہد والرقاق)

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۷/اپریل ۱۹۷۹ء)

اسلامی تعزیرات پولیس اور عدلیہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ملک میں ۱۲ر ربیع الاول کے اعلان کے بعد اسلامی تعزیرات کا نفاذ ہو چکا ہے، اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ بڑھتے ہوئے جرائم کا صحیح اور مؤثر علاج اسلامی تعزیرات کا نفاذ ہے، صدر مملکت اور قومی اتحاد کے راہنماؤں کی جانب سے بھی اس کا برملا اظہار کیا گیا تھا کہ اسلامی تعزیرات کے نفاذ سے جرائم میں تخفیف ہو جائے گی اور سنگین جرائم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھنے میں ہمیں کامیابی ہوگی۔

ہم نے اس موقع پر عرض کیا تھا کہ جب تک ہمارے عدالتی نظام کی اصلاح نہیں ہوگی، جب تک اسے اسلام کی روح ومزاج سے ہم آہنگ نہیں کیا جائے گا، جب تک حصول انصاف کا موجودہ طریق، جو بے حد پیچیدہ، غیر معمولی طور پر طویل اور تھکا دینے والا ہے، اسے بدل کر آسان اور سہل الحصول طریق وضع نہیں کیا جائے گا، اور جب تک موجودہ نظام عدل کی جگہ اسلامی نظام عدل نہیں لایا جائے گا، جرائم کے انسداد کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

ہم نے یہ بھی گزارش کی تھی کہ بلاشبہ اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ جو قانون نافذ کیا جارہا ہے وہ کیسا ہے؟ لیکن اس سے بڑھ کر جس بات کو اہمیت حاصل

ہے وہ یہ ہے کہ جن ہاتھوں سے قانون نافذ کرایا جارہا ہے وہ کیسے ہیں؟ اچھے سے اچھا قانون بھی اگر ٹھیک طور پر نافذ نہ کیا جائے۔ یا اس قانون کو نافذ کرنے والے ادارے امانت و دیانت اور خداترسی و تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہوں تو وہ قانون نہ صرف اپنی افادیت کھو بیٹھتا ہے، بلکہ یہ بات قانون کی بدنامی و رسوائی کا ذریعہ بن جاتی ہے اسلئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ سے پہلے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ اس کا نفاذ کون کرے گا؟

ہمیں اعتراف ہے کہ پولیس کا ادارہ بہت ہی مفید اور ضروری ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ پولیس کے بہت سے افسر اور اہلکار بڑے دیانتدار اور فرض شناس ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے محکمہ پولیس میں ان کا کردار نمایاں نہیں، پولیس کے عام افراد کا کردار جو پبلک کے سامنے آتا ہے، وہ بے حد تکلیف دہ ہے۔ اور اس کی وجہ سے پورے محکمہ پولیس کی بدنامی ضرب المثل بن کر رہ گئی ہے، پولیس کا مشن شر و فساد کا قلع قمع کرنا، جرائم کا انسداد اور جرائم پیشہ لوگوں کے ظلم و ستم سے شریف شہریوں کو محفوظ کرنا تھا، لیکن عملی طور پر پولیس کی جس کارکردگی کا عوام کو تجربہ ہوتا ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے، غریب، پسماندہ، شریف اور بے ضرر شہری پولیس کے نام سے کانپتے ہیں، مگر جرائم پیشہ لوگ دن دہاڑے بینک لوٹ کر لے جاتے ہیں سفارش اور رشوت کے "منتر" سے بڑے سے بڑا مجرم پولیس کی گرفت سے نکل جاتا ہے۔ اور ایک بے گناہ اور معصوم شہری پولیس کے ہاتھوں پس دیوار زنداں پہنچ جاتا ہے، ایک مظلوم اپنی داستان مظلومیت اس بنا پر تھانے میں نہیں لے جاسکتا کہ وہ ظالم سے بڑھ کر "پولیس نوازی" کا مظاہرہ کرنے اور پولیس والوں کی مٹھی گرم کرنے سے قاصر ہے۔ ہماری پولیس نے مقدموں کی خودساختہ رپوٹنگ میں ایسا نام پیدا کیا ہے کہ دنیا کی کوئی قوم

شاید ہی ان سے ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔

ادھر ہمارا عدالتی نظام سارے کا سارا پولیس کی رپوٹنگ کے رحم وکرم پر ہے، اور پولیس کے کارندے ''عدل وانصاف'' کے ایسے گر جانتے ہیں کہ عدل، عدالت میں بھی مرغ نیم بسمل بن کر رہ جاتا ہے، اس لئے جب تک پولیس کی اصلاح نہیں ہوتی، اور جب تک یہ محکمہ اوپر سے نیچے تک خداترس لوگوں کے حوالے نہیں کیا جاتا، اس کے ذریعہ اسلامی قانون کبھی بھی صحیح طور پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے اعلان فرمایا تھا کہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ پولیس کے سپرد نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے ایک الگ نظام وضع کیا جائے گا، مگر شاید ایسا ممکن نہیں ہوسکا، اور غالباً آئندہ بھی اس کی توقع نہیں ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ''اسلامی تعزیرات'' کے نفاذ کے باوجود جرائم کی تعداد میں بظاہر کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

ہم ایک بار پھر صدر مملکت سے درخواست کریں گے کہ اسلام کا تعزیراتی نظام موجودہ نظام عدالت سے میل نہیں کھاتا اور نہ اسے پولیس کی موجودہ ہیئت کذائیہ کے ذریعہ نافذ کیا جاسکتا ہے۔اس کا نتیجہ وہی ہوگا جو اب تک سامنے آیا ہے کہ ایک عدالت اسلامی تعزیر نافذ کرتی ہے۔ وہ اس سے اوپر کی عدالت میں اپیل کردیتا ہے، اس طرح اپیل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اگر واقعتاً اسلامی تعزیرات کے ذریعہ جرائم کا انسداد منظور ہے تو ہمیں اس کے لئے اسلام کا سادہ طریق اپنانا ہوگا اور یہ کام ایسے لوگوں کے سپرد کرنا ہوگا جو اسلامی قانون کو خدا کا قانون سمجھ کر نافذ کریں اور اس میں کسی رو رعایت کے روادار نہ ہوں، اور ان کے قدم سفارش و رشوت کے کیچڑ میں پھسلنے سے محفوظ رہیں۔

اس کے ساتھ محکمہ پولیس کی اصلاح وتطہیر کے لئے ایک سروے کمیٹی بٹھانا بھی ضروری ہے جو ہر طبقہ کے افراد سے رپورٹیں طلب کر کے اس بات کا جائزہ لے کہ پولیس کے موجودہ نظام میں خرابی کی جڑیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں؟ ان خرابیوں کے اسباب وعلل کیا ہیں؟ اور ان کی اصلاح کیسے ہوسکتی ہے؟ اور کس طرح محکمہ پولیس کو قوم کے لئے مفید، کارآمد اور رحمت بنایا جاسکتا ہے؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵رمئی ۱۹۷۹ء)

مذہبی جماعتوں کے اختلاف نے ہمیں اسلامی نظام سے دور کر دیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

پاکستان میں بتیس سال کے طویل عرصہ کی کشمکش کے بعد بارہ ربیع الاول ۱۳۹۹ء کو ملک میں اسلامی نظام کی چند دفعات کا نفاذ ہوا، قوم نے کلمہ شکر ادا کیا کہ چلو کچھ تو ہوا۔ مگر بے دین عناصر کے لئے یہ بم کا گولہ ثابت ہوا اور ان کو اپنی موت صاف نظر آنے لگی، اس بناء پر ان کی ریشہ دوانیاں اسلامی نظام کے نفاذ کے خلاف تیز سے تیز تر ہوگئیں، ایک طرف نوکر شاہی اور افسر شاہی کے ذریعہ اس پر عملدر آمد میں روڑے اٹکانے شروع کئے گئے اور دوسری طرف فرقہ واریت کی آڑ لیکر اس متفقہ نظام میں اختلافات کے بیج ڈالنے شروع کر دئے گئے اور سب سے پہلے شیعہ سنی اختلاف کی بنا پر اس نظام کے بعض دفعات کی تنفیذ پر اعتراض کیا گیا کہ یہ دفعات فقہ حنفیہ کے مطابق نافذ کی گئی ہیں، اس سے فطرتی طور پر شیعہ برادری کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوگئے، اور شیعہ برادری نے اس نظام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور وہ اپنی فقہ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے لگے۔ شیعہ برادری کے اس مطالبہ سے سنی حضرات کے جذبات بھڑک اٹھے اور انہوں نے فقہ حنفیہ کے علاوہ کسی اور فقہ کے تسلط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اہل حدیث حضرات کہنے لگے کہ نہ فقہ حنفی نہ فقہ جعفریہ، بلکہ ان کے مسلک کے مطابق احکام نافذ کئے

جائیں۔ اس اختلاف نے اتنی شدت پکڑی اور آپس کی بیان بازی نے ملک کی فضا میں ایسی کشیدگی پیدا کردی کہ محسوس ہونے لگا کہ مسلمانوں کے یہ فرقے کہیں آپس میں دست وگریباں نہ ہوجائیں اور ایک دوسرے کی جان نہ لینے لگیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور صدر ضیاءالحق اور شیعہ سنی علماء کی بروقت کوششوں سے یہ مسئلہ طے پا گیا اس مسئلے کے حل کے لئے ایک کمیٹی تشکیل پائی اور اس طرح لادین عناصر کا یہ حربہ ناکام ہوگیا۔ ہم اس مسئلہ پر پہلے بھی عرض کرچکے تھے کہ پاکستان میں کسی کی فقہ یا کسی فرقہ کے مسلک کے نفاذ کا سوال نہیں، اگر اکثریت یا اقلیت کا سوال ہوتا یا کسی فقہ کے نفاذ کا مسئلہ ہوتا تو اکثریت کے مطابق قانون بنادیا جاتا یا تمام فرقوں کے علماء کو کہہ دیا جاتا کہ اپنی اپنی فقہ لے آئیں تاکہ اس کو ملک میں نافذ کردیا جائے، مگر مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ تمام فرقے مل کر ایک ایسا متفقہ قانون وضع کریں جو کہ قرآن وسنت کے بھی مطابق ہو اور تمام فرقوں اور سیاسی جماعتوں اور افراد کے لئے قابلِ قبول ہو، خدا کرے کہ صدر ضیاءالحق کی قائم کردہ کمیٹی اس مسئلہ کا صحیح حل نکال سکے اور ایک متفقہ قانون تشکیل دینے میں کامیاب ہوجائے تاکہ کسی قسم کا اختلاف باقی نہ رہے۔ اس طرف سے ناکامی کے بعد لادین عناصر خاموش نہیں بیٹھ گئے بلکہ انھوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور کسی موقع کی تلاش میں سرگرداں رہے آخرکار فرقہ واریت کی دوسری آگ بھڑکا دی گئی اور مذہبی جماعتوں کو آپس میں ٹکرادیا، جمعیۃ علماء پاکستان، قومی اتحاد اور جماعت اسلامی کے خلاف کفر، واسلام دشمنی، تحریک پاکستان اور قائدین پاکستان کے خلاف ہونے کے فتوی لگانے لگے، اعلان کیا گیا کہ وہ جماعت اسلامی کے اسلام کو نہیں قبول کریں گے، تو دوسری طرف جماعت اسلامی نے جمعیۃ علماء پاکستان کے خلاف محاذ کھول دیا اور ان پر کفر اور پاکستان دشمنی کے الزامات عائد کئے جانے لگے

اور ایک دوسرے کی کتابوں میں ایسی عبارتیں اور حوالہ جات تلاش کرنے لگے جن کی بنا پر ان کے کفر کا اعلان کیا جاسکے، ان کے پاکستان اور تحریک پاکستان اور قائدین پاکستان کے خلاف ہونے کا فتویٰ دیا جاسکے۔ اور صورت حال روز بروز سنگین صورت اختیار کرتی جارہی ہے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ تحریری و زبانی اور اخباری جنگ گلی کوچوں تک پھیل جائے گی، ایک دوسرے کے جلسوں کو تہہ وبالا کیا جائے گا، عوام، عوام سے لڑیں گے، اس کا نتیجہ یا تو ۱۹۷۷ء جیسا ہوگا کہ انتخابات ہی ملتوی ہوجائیں یا پھر ۱۹۷۰ء جیسا ہوگا کہ باوجود اس کے کہ مذہبی جماعتوں نے ووٹوں کی اکثریت حاصل کی مگر حزب اختلاف کی نشستیں سنبھالیں اور ایک جماعت جس نے بہت ہی کم ووٹ حاصل کرنے کے باوجود حزب اقتدار کا کردار ادا کیا، پھر سات سال تک قوم ان مذہبی جماعتوں کے اختلاف کی وجہ سے مصیبت کا شکار رہی، اگر ان سات سالوں کو پاکستان کا بدترین دور کہا جائے تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا، آخر کار ان جماعتوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور پہلے ان میں سے بعض جماعتوں نے متحدہ محاذ بنایا اور وہ متحدہ محاذ قومی اتحاد کی شکل میں قوم کے سامنے آیا اور پھر قوم، سیاسی اور مذہبی رہنماؤں نے اس اتحاد کی برکت جلد ہی دیکھ لی، ایک آمر و جابر حکمراں جس کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے تمام حربے ناکام ہوچکے تھے اور وہ قوم پر ایک ظالم حکمراں کی حیثیت سے مسلط تھا اس کے خلاف قوم نے قومی اتحاد کا ساتھ دیا، اس ظالم اور جابر حکمراں کو اپنا بوریا بستر اٹھانا پڑا اس طرح قوم کو ایک ظالم حکمران سے نجات ملی اور ملک ایک مرتبہ پھر صحیح راستے پر گامزن ہونے لگا۔ مگر افسوس کہ اس سیاسی اتحاد نے قوم کی توقعات پوری نہیں کیں۔ پہلے اس اتحاد سے ترقی پسند جماعتیں علیحدہ ہوئیں، کیونکہ ان کا مقصد صرف ظالم حکمران کو علیحدہ کرنا تھا ادھر قوم پھر بھی خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ چلو اسلام پسند اور

مذہبی جماعتیں کم ازکم متحد اور متفق ہیں، مگر افسوس کہ یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا اور قومی اتحاد کی مذہبی جماعتیں بھی آپس میں متصادم ہوکر علیٰحدہ ہوگئیں، قوم کے نوجوان اس تذبذب میں مبتلا ہیں کہ کس جماعت کو اسلامی کہیں اور کس جماعت کو غیراسلامی؟ اگر یہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا کہ پاکستان میں نوجوانوں کی اسلام سے بیزاری کی ذمہ دار یہ مذہبی جماعتیں ہیں جن کے آپس کے اختلاف نے ان نوجوانوں کو دین سے بیزار کر کے سوشلزم اور کمیونزم اور لادینیت کے غار میں دھکیل دیا۔ ان کا یہ سوال ہے کہ جب خدا ایک، رسول ایک، کتاب ایک، شریعت ایک، راستہ ایک، مقصد ایک تو پھر آخر یہ اختلاف کیوں؟ یہ مختلف جماعتیں کیوں؟ ایک دوسرے پر کفر کے فتوے کیوں؟ ان مذہبی جماعتوں کے اختلاف نے جہاں پاکستان کو اسلام کی منزل سے دور کیا، نوجوان نسل کو اسلام سے برگشتہ کیا، وہاں لادین طبقے کی نادانستہ طور پر حوصلہ افزائی کی اور ان کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ یہ آپس کے اختلاف میں اپنے اصل محاذ سے ہٹ گئے۔ حالانکہ قرآن مجید میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعًا ولا تفرقوا."

(آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ:......"اور تم اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو۔"

"وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا فأصلحوا بینهما."

(الحجرات:۹)

ترجمہ:......"اگر دو مسلمان بھائیوں یا گروہوں کے درمیان جھگڑا ہوجائے تو ان کی صلح کرادیا کرو۔"

پیغمبر آخر الزماں ﷺ نے اکثر احادیث میں فرمایا:

"يد الله على الجماعة. فمن شذ في النار." (مستدرک حاکم ج:۱ ص:۱۵)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ کی امداد اور تعاون جماعت کے ساتھ ہوتا ہے، افراد کے ساتھ نہیں، جو جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔"

اور اختلاف ہی تو ہے جس کی بناء پر ہم مسلمان لیلۃ القدر جیسی متبرک اور ثواب والی رات سے محروم ہو گئے جب نبی کریم ﷺ کو لیلۃ القدر کا علم عطا ہوا تو آپؐ صحابہ کرامؓ کو بتانے کے لئے باہر تشریف لا رہے تھے کہ باہر دو صحابی آپس میں کسی بات پر اختلاف کر رہے تھے جس کی طرف توجہ ہونے کی بنا پر آپ سے لیلۃ القدر کا علم واپس لے لیا گیا۔

دوسری جگہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "جو بکری ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے اس کو بھیڑیا کھا جاتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کی جماعت سے جو علیحدہ ہوگا دشمن کے ہاتھوں شکست کھائے گا۔"

اب ذرا ان آیات قرآن مجید اور احادیث نبوی کو دیکھا جائے، تو معلوم ہوگا کہ یہ ہمیں کیا سبق دیتی ہیں؟ اور ہم کس راہ پر چل رہے ہیں؟ ہم اپنے ارباب سیاست اور مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں سے درخواست کریں گے کہ خدارا اب آپ قوم پر رحم فرمائیے۔ اور ۱۹۷۰ء والا کردار پھر نہ دہرایئے، اس قوم پر پہلے ہی بہت سی مشکلات کے پہاڑ گر چکے ہیں اب اس میں مزید برداشت کی سکت نہیں۔ اس قوم کو مزید آزمائش میں نہ ڈالئے اور ایک دوسرے پر کفر کے فتویٰ لگانے کے رجحان کو ختم

کیجئے۔ تحریک پاکستان کو اب بتیس سال گزر گئے، اب پرانے ہتھکنڈے ختم کیجئے پاکستان بننے کے بعد اب صرف پاکستان کی بات کیجئے کہ کس نے پاکستان میں آنے کے بعد کیا کیا؟ اور کیا کرے گا؟ اور کس نے کیا کیا تھا؟ سب مل جل کر وطن کی ترقی اور خوشحالی کے لئے کام کیجئے ورنہ اس دفعہ اگر مذہبی قوتیں ناکام ہوگئیں، تو پھر یہ وقت ہاتھ نہیں آئے گا، اور خدانخواستہ قوم بے دینی کے شکنجے میں ایسی جکڑی جائے گی کہ کوئی بھی قوت اس کو اس شکنجے سے نہیں نکال سکے گی، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہم سب کو متحد ہوکر اسلامی نظام کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اسلامی نظام کی برکات نصیب فرمائے اور ہماری معاشی، اقتصادی تکالیف کو دور فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی یکم جون ۱۹۷۹ء)

اسلامی نظام

بیانات سے نہیں، عملی اقدامات سے نافذ ہوگا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاءالحق صاحب نے شب قدر کے موقع پر قوم کے نام ایک بیان جاری کیا جس میں اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کی طرف اور پیش قدمی کی جائے گی، اور اسلامی نظام کے سلسلے میں پاکستان میں موجودہ حکومت نے بہت اہم اقدامات کئے ہیں اور آئندہ بھی کرتی رہے گی، انہوں نے مزید کہا کہ اس وقت عالم اسلام کو اتحاد کی سخت ضرورت ہے اور عالم اسلام کو مل کر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا چاہئے جو بھوک، افلاس اور استحصال سے پاک معاشرہ ہو۔

صدر محترم کے خیالات بہت اچھے اور لائق تحسین ہیں اور خدا کرے کہ عالم اسلام اور پاکستان میں ان خیالات کو عملی شکل دی جائے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے رہنما حضرات ہر ایسے موقع پر ایک بیان ضروری سمجھتے ہیں مگر اس کی عملی شکل کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا جاتا، اگر ہم اسلامی معاشرہ پر نظر ڈالیں تو اس کی تعلیمات تو ایسی ہیں کہ اگر اس پر نیک نیتی سے عمل کیا جائے تو بھوک، افلاس اور استحصال سے پاک معاشرہ قائم ہوگا، اور یہ بات کوئی زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے اور اس کی مثال اسی دنیا میں پہلے قائم ہو چکی ہے اور اب بھی اگر کوشش کی جائے تو وہ مثال دوبارہ قائم ہو سکتی ہے، نبی کریم ﷺ کا ابتدائی زمانہ آپ دیکھیں کس تکلیف اور

مصیبت میں گزرا مگر جب آپ کو معمولی سی حکومت مدینہ منورہ کی ملی تو آپؐ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل دی اور وہ مثالی معاشرہ اتنا پاک وصاف تھا اور اس میں اتنا ایثار اور اعلیٰ قربانی کا جذبہ تھا کہ کوئی شخص کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی میں مبتلا نہ تھا، اگر اس معاشرہ میں عام آدمی بھوکا ہوتا تھا تو سربراہ مملکت اس بھوک میں شریک ہوتا تھا، اور اس معاشرے میں عام آدمی کو جس قسم کا کھانے کا سامان میسر ہوتا تھا، سربراہ مملکت بھی اسی قسم کا کھانا تناول کرتا تھا۔

جنگ خندق کے منظر کو آپ اپنے سامنے لائیے، تمام مسلمان خندق کھود رہے ہیں اور پریشانی میں مبتلا ہیں، کھانے کے سامان کی تنگی ہے، دو دن متواتر فاقہ پر گزر رہے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم فاقے کی بنا پر پیٹ پر پتھر باندھ رہے ہیں، اس موقع پر حضور ﷺ کو حالات بتائے جاتے ہیں تو آپؐ ﷺ اپنا پیٹ مبارک دکھاتے ہیں تو اس پر دو پتھر بندھے ہوتے ہیں، ایسے موقع پر ایک صحابیؓ کو آپؐ پر بہت ترس آتا ہے اور وہ جذبۂ محبت میں گھر جاتا ہے اور بیوی کو کہتا ہے کہ کسی طرح دو آدمیوں کے کھانے کا بندوبست کر کیونکہ میرے سے حضور ﷺ کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اور پھر چپکے سے حضور ﷺ کو اس کی اطلاع دیتا ہے، آپؐ حکم فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرامؓ میں اس کا اعلان کر دو کیونکہ اگر ایک ایک لقمہ بھی ہمیں میسر آئے تو ہم سب برابر کے اس میں شریک ہوں گے، کیونکہ اس کام میں بھی ہم برابر شریک ہیں، کیا حضور ﷺ نے اس جنگ میں خود خندق نہیں کھودی؟

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے معاشرے پر نگاہ ڈالئے آپ اپنی سلطنت کے سب سے معمولی اور ادنیٰ آدمی کے برابر تنخواہ مقرر کرتے ہیں اور اس میں بھی بیوی معمولی سی بحث کرتی ہے کہ کچھ میٹھا بنا لیا جائے تو اس دن کے بعد سے اتنا حصہ تنخواہ

میں کم کرا دیتے ہیں کہ ہمارا اس سے کم پر گزارہ ممکن ہے اور آخر میں وہ تنخواہ بھی واپس کر دیتے ہیں اور اپنی قوم اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے ہر وقت پریشان اور ان کے کاموں میں سرگرداں رہتے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ کی حکومت پر نگاہ ڈالئے کیا ملے گا؟ حکومت کہاں سے کہاں تک، تمام دنیا کا اکثر علاقہ فتح ہوگیا مگر اپنے لئے اور اپنے امرأ اور عمال کے لئے کیا حکم ہے؟ موٹا کپڑا پہنو، اپنے دروازے پر دربان نہ کھڑا کرو، ہر سائل کی مشکل حل کرو، کیا حضرت عمرؓ گھر گھر جا کر اپنے عوام کے مسائل معلوم نہیں کرتے تھے؟ کیا انہوں نے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل نہیں دی کہ جس معاشرے میں بھوک کا تصور بھی نہیں تھا؟ کیا حضرت عمرؓ کے دور میں ایسا وقت نہیں آیا کہ کوئی شخص زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا؟ کیا ان کے دور میں کسریٰ کے تاج کو کوئی لگانے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اس سے خدا دشمنی اور تکبر کی بو آتی ہے؟ کیا آپ تاج کی قیمت کا تصور کر سکتے ہیں؟ مگر آپ کیا کھاتے تھے؟ موٹے آٹے کی روٹی! جس کو آج کل کے دور میں ایک ادنیٰ اور معمولی آدمی بھی کھانے کے لئے تیار نہیں، کیا وہ بھی آج کل کے حکام کی طرح ہزاروں اور لاکھوں روپیہ نہیں خرچ کر سکتے تھے؟ کیا وہ اس قسم کی عیاشی میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے؟

چلئے آپ اس بارے میں قوم کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ چودہ سو سال پہلے کی بات ہے اس زمانے میں اس قسم کے تکلّفات نہیں ہوتے تھے اگرچہ یہ اعتراض صحیح نہیں کیونکہ اس زمانے کے بادشاہ آج کل کے بادشاہوں سے زیادہ عیاشی میں مبتلا تھے، مگر حضرات صحابہ کرامؓ اور خلفأ راشدینؓ نے اس دور میں ان بادشاہوں کی تقلید نہیں کی بلکہ اسلامی تعلیمات کو اپنایا، نتیجہ یہ نکلا کہ ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا جو استحصال،

بھوک اور افلاس سے بالکل پاک و صاف تھا، ہم آج سے کچھ عرصہ قبل کی خلافت عثانیہ اور سعودی عرب کی اب سے چند برس قبل کی حکومت کی مثال ایک اسلامی معاشرے کے بارے میں پیش کر سکتے ہیں، کہ اس دور میں اگرچہ مکمل طور پر اسلامی معاشرے کی تشکیل کی جدوجہد نہیں کی گئی اور نہ ہی ان بادشاہوں اور حکام نے اس طریقہ کو مکمل طور پر اپنایا جو کہ خلفاءٔ راشدین نے اپنایا تھا مگر اسلامی تعلیمات کے بعض دفعات کا اس طرح نفاذ کیا کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا گیا جو ان تمام برائیوں سے پاک تھا۔

آج سے چند برس قبل کے سعودی عرب میں چوری اور ڈاکہ اور زنا اور دیگر برائیوں کا تصور تک نہ تھا، لوگ دکانیں کھلی چھوڑ کر چلے جاتے تھے، حجاج کرام اپنا سامان جہاں بھول جاتے، قیمتی سے قیمتی، لیکن کوئی اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا، ایک انگریز نے اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے کہ وہ سعودی عرب کے کسی علاقہ میں گیا جہاں کے لوگ خانہ بدوش زندگی گزار رہے تھے اور بہت پریشان حال تھے کیونکہ اس وقت سعودی عرب اتنا امیر ملک نہیں تھا، یہ بہت ہی غریب ملک تھا، اور جو کوئی باہر سے آتا اس سے بھیک مانگتے، یہاں تک مانگتے تھے کہ چمٹ تک جاتے، تو اس انگریز کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ جب اتنے غریب اور مانگنے والے ہیں تو یہ چور بھی ضرور ہوں گے اس خیال کو یقینی درجہ تک پہنچانے کے لئے اس نے اپنا بٹوہ ایک جگہ پھینک دیا اور خود ایک خفیہ مقام پر کھڑا ہو گیا وہ خود کہتا ہے کہ میں بہت حیرت میں پڑ گیا جب میں نے دیکھا کہ وہ خانہ بدوش بھوکے ننگے مسلمان جب اس بٹوے کو دیکھتے، تو اس طرح اس سے دور گزرتے جیسے وہ کوئی سانپ یا کاٹنے والا جانور ہے، اور شام تک وہ بٹوہ اسی طرح پڑا رہا یہاں تک کہ وہ بٹوہ اس نے خود اٹھایا، دیکھئے یہ

ہے اسلامی تعلیمات کا اثر کہ بھوک اور افلاس سے مرجائیں گے مگر چوری گوارہ نہیں، ڈاکہ گوارہ نہیں، حرام اور باطل مال گوارہ نہیں، آج کل لوگ کہتے ہیں کہ چوری اور بے ایمانی اور غلط کام بھوک اور غربت کی بنیاد پر کرتے ہیں، سعودی عرب کا یہ واقعہ اور دوسرے واقعات ان کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہیں۔

آج کے سعودی عرب اور کل کے سعودی عرب میں زمین و آسمان کا فرق ہے، کل کا سعودی عرب غریب تھا مگر امن و امان سے بھرپور تھا اور کبھی اکا دکا واقعات بھی وہاں جرائم کے نہیں تھے، لیکن آج کا سعودی عرب اگرچہ پوری دنیا میں سب سے امیر علاقہ ہے مگر اس کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی بنا پر سب سے زیادہ امن والا علاقہ ہونے کے باوجود اکا دکا واقعات سے خالی نہیں اور حکومت کو وقتاً فوقتاً ان جرائم کو روکنے کے لئے تازہ احکامات جاری کرنا پڑتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے کہ آج کل کے دور میں حکام اور عوام میں بہت فرق ہوگیا، حکام اور امرأ عملی کام کے بجائے زبانی بیانات میں الجھ گئے، کبھی شب قدر، کبھی عید اور کبھی رمضان اور کبھی کسی دوسرے مواقع پر بیانات کی بھرمار کردی جاتی ہے، لیکن عملی اقدامات صفر، کل کا حکمران عوام کی طرح رہتا تھا، آج کے حکمران کو عوام کی تکالیف کا احساس تک نہیں، کل کا حکمراں اپنے اعمال میں مخلص تھا، آج کا حکمراں اخلاص سے خالی۔ آج کا دور منافقت کا دور ہوگیا، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ قوم کو بہلایا جاتا ہے، عالم اسلام کی درستگی اور اصلاح اسی وقت ممکن ہے جب اس کے افراد اور مالک اچھے ہوں، عالم اسلام کوئی الگ چیز تو نہیں کہ اس کی اصلاح کے لئے علیحدہ منصوبہ بندی کی ضرورت ہے، عالم اسلام، ممالک اسلامیہ کا مرکب ہے جس میں پاکستان بھی شامل ہے، اگر یہ تمام ممالک اپنے اپنے علاقوں کی اصلاح کرلیتے ہیں تو یقیناً عالم اسلام ایک طاقتور قوت بن کر ابھرے گا، اور

اگر یہ ممالک خود ہی انتشار اور غیر اسلامی طریقۂ کار کا شکار ہوں تو عالم اسلام کی کیا اصلاح ہوگی؟ عالم اسلام کی رٹ بیان بازی کی حکومت تو چل سکتی ہے مگر عملی صورت اس کی یہی ہوسکتی ہے کہ ہر ملک اپنی اصلاح کرے، ہم نے اپنے ملک میں کیا چند تعزیرات نافذ کیں وہ بھی کالعدم ہونے کا درجہ رکھتی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں، زکوٰۃ کے نظام کا حکم ملتوی پڑا ہے، نماز کے حکم کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا، آخر ان دو تین سالوں میں ہمارے اندر کیا تبدیلی ہوئی؟ کیا آج نظام اسلام پاکستان میں زیادہ مظلوم نہیں؟ کل تک تو ہم یہ کہتے تھے کہ ابھی تک تجربہ ہی نہیں ہوا، مگر اب ہم کیا کہیں گے؟ کیا یہی اسلامی نظام ہے کہ چوری، ڈکیتی، زنا اور ہر قسم کے جرائم عام ہوں، عوام مہنگائی کے بوجھ میں دب جائیں اور حکام اور سرکاری افسران کو اپنی شاہ خرچی سے فرصت نہیں، کیا اسلامی نظام ہم سے زیادہ ٹیکس مانگتا ہے؟ کیا اسلامی نظام ہم سے بچا کھچا بھی چھیننا چاہتا ہے؟ یہ وہ اسا می نظام تو نہیں جو دور صدیقؓ میں تھا! یہ وہ اسلامی نظام تو نہیں جو دور عمرؓ میں تھا! یہ وہ اسلامی نظام تو نہیں جو دور عثمانؓ و علیؓ میں تھا اور نہ ہی یہ وہ اسلامی نظام ہے جس نے سعودی عرب کی حالت بدلی بلکہ اس اسلامی نظام نے حالات اور خراب کردیئے، خدارا اسلام کو اور زیادہ مظلوم نہ بنایئے اس کو اگر نافذ نہیں کرسکتے تو کم از کم اس کو اتنا رسوا بھی نہ کریں کہ قوم اسلامی نظام سے ہی عاجز آجائے قوم کو بیانات اور وعدوں سے دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ عملی اقدامات چاہتی ہے، وہ جرائم کا خاتمہ اور بھوک اور افلاس کا خاتمہ چاہتی ہے، اور اس کے لئے مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کی ضرورت ہے نہ کہ زبانی جمع خرچ کی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴/اگست ۱۹۷۹ء)

شریعت فیکلٹی...

اسلام آباد میں کلاسوں کا اجرأ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۷؍اگست ۱۹۷۹ء کو پی پی آئی کے حوالے سے ایک خبر شائع ہوئی کہ قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں ستمبر کے تیسرے ہفتہ سے شریعت فیکلٹی کام کرنا شروع کردے گی، اور اس میں ماسٹر آف لاز (ایم ایم ایل) کا تین سالہ کورس شروع ہوگا، جس میں اسلامی قوانین اور فلسفۂ قانون کے ساتھ ساتھ جدید اصول قانون، بین الاقوامی قوانین اور کمپنی قانون کی تعلیم دی جائے گی ـــــ اور یہ کورس درحقیقت اسلامی قوانین اور عمومی قوانین کا ایک دلکش امتزاج ہوگا، اور ان کے ذریعہ ججوں کے عہدوں کے لئے مستند اور اچھے افراد تیار کئے جائیں گے۔

پاکستان دراصل اسلامی قوانین کے آزادانہ نفاذ کے لئے ایک علیحدہ مملکت کے طور پر وجود میں آیا تھا، تاکہ اس علیحدہ مملکت میں عدالتی، سیاسی، حکومتی اور معاشرتی، الغرض نظام زندگی کے ہر شعبے میں اسلامی نظام کو مکمل طور پر نافذ کیا جائے، لیکن افسوس کہ پاکستان بننے کے بعد اس سلسلے میں کوئی کام نہیں کیا گیا اور معاملہ جوں کا توں رہا، بلکہ تیس سال گزرنے کے بعد بھی اس سلسلے میں کوئی پیشرفت نہیں کی گئی، اور ہر شعبۂ زندگی میں وہی انگریزی قانون نافذ اور رائج ہے اور باوجود اس کے کہ ہر

طرف سے اس بارے میں احتجاج کیا جارہا ہے، انگریزی قانون بدستور ہم پر مسلط ہے اور انتہا تو یہ ہے کہ اسلامی قانون کے ماہرین کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنا ذاتی مقدمہ یا اسلامی مقدمات پر اپنی رائے عدالتوں میں پیش کرسکیں، ان کو بھی وکیل کی ضرورت کا پابند بنادیا گیا ہے جو عدالت عالیہ میں ان کا مقدمہ پیش کرسکے، چند مہینہ قبل اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا گیا تھا اور شرعی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا تھا مگر اس میں اس روش کو نہیں بدلا گیا اور علماء اور انگریزی داں طبقہ کے درمیان اس خلیج کو اسی طرح برقرار رکھا گیا، اسلامی قانون کے ماہرین کو شرعی عدالتوں میں فیصلہ کن حیثیت نہیں دی گئی جس کی بنا پر ان شرعی عدالتوں کی اہمیت غیر مفید ہوکر رہ گئی ہے، اس پر مستزاد یہ بات ہے کہ ان عدالتوں کی ایک سزا پر بھی اب تک عمل نہ ہوسکا ہے اور ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کو اعلیٰ عدالتوں نے منسوخ کردیا، جس کی بنا پر اسلامی تعزیرات کا نفاذ بے فائدہ ہوکر رہ گیا، اب شریعت فیکلٹی اسلام آباد میں ایم ایم ایل کی کلاسوں کو شروع کرکے اس خلیج کو دور کرنے، اسلامی اور بین الاقوامی قانون کے بیک وقت ماہرین پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اسی لئے اس کلاس میں داخلے کی شرائط میں ایل ایل بی، عربی دانی یا دینی مدرسے کی فقہ کی سند اور معمولی انگریزی واقفیت شامل ہے، خدا کرے کہ یہ ترکیب کامیاب ہوجائے اور ایک ایسا گروپ تیار ہوسکے جو اسلامی قوانین اور بین الاقوامی قوانین کا ماہر ہو، تو انشاءاللہ پھر اسلامی تعزیرات کے نفاذ کے عمل کا کامیاب تجربہ ممکن ہوسکے گا، لیکن اس سلسلہ میں بھی ہماری گزارش یہ ہے کہ اس شرعی فیکلٹی کو دوسرے محکمہ کی طرح نہ رکھا جائے، اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ایک نیا تجربہ ہے اگر ابتداءً میں ہی یہ تجربہ ناکام ہوگیا تو پھر اس سلسلے کے دوسرے اقدامات بھی ناکام ہوجائیں گے، اس لئے اس

شعبہ کے اساتذۂ کرام کے چناؤ اور طلبہ کے چناؤ میں سفارش اور اقربا پروری کا شائبہ ہی نہیں ہونا چاہئے اور ہر حالت میں قابلیت اور استعداد کو بنیاد بنانا چاہئے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۱/اگست ۱۹۷۹ء)

اسلامی نظام اور آئندہ حکومت؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر مملکت جنرل محمد ضیاءُ الحق نے قائد اعظم یونیورسٹی (اسلام آباد) میں شریعت فیکلٹی کے سنگ بنیاد کے موقع پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اپنی حکومت کی کوششوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ موجودہ حکومت کے بعد جو حکومت آئے گی، وہ اسلامی نظام کے لئے کی گئی کوششوں کو ختم نہیں کر سکے گی، صدر نے کہا کہ: ''میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کوششوں کو ختم کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوگی۔''

صدر ضیاءُ الحق اور ان کی حکومت نے اسلام کے عملی طور پر نفاذ کے لئے جو کوششیں کی ہیں اگر وہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہیں تو یقیناً ان کے لئے سرمایۂ سعادت ہیں، لیکن ہمارے خیال میں اسلامی نظام کے لئے ابھی اس قدر پیش رفت نہیں ہوئی جس کی بنیاد پر جناب صدر کی پیشگوئی کی قبل از وقت تصدیق کی جاسکے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس عمارت کے بارے میں جناب صدر یہ اظہار خیال فرما رہے ہیں کہ آئندہ کوئی اس کو منہدم نہیں کر سکے گا، ابھی تک وہ عمارت ہی وجود میں نہیں آئی، بلکہ شاید یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس کا سنگ بنیاد رکھنے کی تیاری بھی مکمل نہیں ہوئی، اسلامی نظام چند پرعزم اعلانوں اور چند خوشنما مگر رسمی تقریروں سے نافذ نہیں ہوجاتا، اس کے لئے ایمان ویقین، ذہن وفکر، قانون وعدالت، سیاست ومعاشرت کے دائروں میں دور رس تبدیلیاں لانے اور ایمانی انقلاب برپا کرنے کی ضرورت

ہے، جب تک اسلامی نظام کے بنیادی تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے ہمیں یہ توقع کبھی نہیں رکھنی چاہئے کہ آئندہ آنے والی حکومت اس فریضہ کی ادائیگی میں تساہل پسندی سے کام نہیں لے گی۔

پاکستان کی تیس بتیس سالہ تاریخ میں ہمارے حکمرانوں نے اسلام سے منافقت کا جو رویہ اختیار کئے رکھا ہے، قوم کو اسلامی قانون، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی اخلاق و معاشرت سے برگشتہ کرنے کے لئے جو دانستہ یا نادانستہ کوششیں کی گئی ہیں، روٹی، کپڑا، مکان اور دیگر نعروں کے سبز باغ دکھا کر جس طرح قوم کی سوچ اور فکر کے دھارے بدل دیئے گئے ہیں اور مختلف تدابیر سے قوم کو اسلام فراموشی کی مسلسل تربیت دی گئی ہے، اور پھر مختلف بحرانوں کے ذریعہ قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے حرص و آز، خود غرضی و چاپلوسی اور انتشار و افتراق کی جن آندھیوں کے حوالے کر دیا گیا ہے ان تمام امور کو سامنے رکھ کر یہ کہنا بجا ہوگا کہ جس طرح گزشتہ تیس سالوں میں اسلام کی منزل تک پہنچنے میں ہم ناکام رہے ہیں آئندہ بھی اس ناکامی کے گرداب سے نکلنے کی کوئی توقع نہیں:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

صدر ضیاء الحق کی کوششیں لائق صد تحسین ہیں مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان کی تمام مساعی کی رفتار اتنی سست رہی ہے کہ وہ زمانہ کی تیز رفتاری کا ساتھ نہیں دے سکتی، وہ اسلام کی سمت ایک قدم اٹھاتے ہیں تو اسلام دشمن طاقتیں (جو حکومت سے باہر ہی نہیں بلکہ حکومت کے اندر بھی موجود ہیں) الٹی سمت دس قدم اٹھاتی ہیں۔

انگریزوں کی آمد سے صدیوں پہلے ہندوستان میں اسلامی نظام نافذ تھا اور

اس کی جڑیں اس قدر مضبوط تھیں کہ انگریزوں کو اپنے تمام جابرانہ اختیارات کے باوجود ایک صدی تک اس نظام سے مصالحت کرنا پڑی، ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کے بقول:

''حتیٰ کہ ۱۸۶۴ء میں ہم نے ایک دلیرانہ قدم اٹھایا یعنی مجلس قوانین ساز کے ایکٹ کے ذریعہ ہم نے تمام مسلمان قاضیوں کو برطرف کردیا۔'' (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص:۱۹۵)

۱۸۶۴ء وہ منحوس سال تھا جس میں اسلامی قانون کو معطل اور مسلمان قاضیوں کو برطرف کر کے اس کی جگہ انگریزی قانون، انگریزی عدالتوں اور ججوں کا نظام مسلط کیا گیا، عدالتی زبان (جو اس وقت فارسی تھی) کو بدل کر اس کی جگہ انگریزی زبان کو عدالتی زبان بنایا گیا، مگر ہندوستانی معاشرے میں اس وقت اسلام کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ یہ منحوس تبدیلی اس وقت کے مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی، اس لئے ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کو اعتراف کرنا پڑا کہ: ''میرے خیال میں یہ قدم بڑا ہی غیر دانشمندانہ تھا۔''

۱۸۶۴ء سے لے کر آج تک عدالتوں میں اسلامی قانون کی جگہ انگریزی قانون نافذ ہے، عدالت کی زبان عربی، فارسی یا اردو کے بجائے انگریزی ہے اور مسلمان قاضی اب تک عدالت سے برطرف ہیں، اس سے خود ہی قیاس کرلیجئے کہ ہم نے بتیس سال میں اسلام کی خدمت کی ہے یا انگریز اور انگریزیت کی؟ اور یہ بھی واضح ہے کہ عدالتوں کا سارا نظام اب تک جوں کا توں موجود ہے، تو اسلامی نظام کے نفاذ کی کیا کوششیں ہوئی ہیں؟ اور اس سے کس نتیجے کی توقع کی جاسکتی ہے؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۲/اکتوبر ۱۹۷۹ء)

قاضیوں کا تقرر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخباری اطلاع کے مطابق حکومت چاروں صوبوں میں تھانوں کی سطح پر قاضیوں کے تقرر پر غور کر رہی ہے، (جس کی طرف جناب صدر نے اپنی نشری تقریر میں اشارہ فرمایا تھا) ان قاضیوں کو دیوانی و فوجداری مقدمات کی سماعت کے اختیارات ہوں گے۔

خبر میں بتایا گیا ہے کہ صوبائی حکومتیں جلد ہی عوامی خدمات کا جذبہ رکھنے والے ذہین اور دیندار افراد کو، جو اپنے کردار کے اعتبار سے معاشرے میں قابل احترام شخصیت ہوں، ان کو دعوت دیں گی کہ وہ قاضی کے عہدے کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کریں، صوبائی حکومتیں ضروری جانچ کے بعد رضا کاروں میں سے قاضیوں کا تقرر کریں گی۔

پاکستان میں اسلام کی قانونی بالادستی قائم کرنے کے لئے شریعت بنچوں کی تشکیل اور شرعی عدالتی نظام کے قیام کے بعد قاضیوں کا تقرر موجودہ حکومت کا تیسرا تجربہ ہے، صدر کی نشری تقریر کے مطابق پہلے دو تجربوں کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں

ہوئے، اور اسلامی اقدار کی بالادستی کے سلسلہ میں ان دونوں تجربوں سے کوئی ٹھوس اور محسوس مدد نہیں مل سکی، اس تیسرے تجربہ کے نتائج کیا ہوں گے؟ سابقہ نظائر کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے بارے میں کسی پیشگوئی کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

غالباً ان تجربات سے حکومت کو یہ تجربہ ضرور حاصل ہوا ہوگا کہ ان اداروں سے جن نتائج کی توقع وابستہ کی گئی تھی وہ کیوں برآمد نہ ہوسکے؟ اور اس کے وجوہ و اسباب کیا ہیں؟ اور اس نئے تجربہ کو ان وجوہ و اسباب سے پاک رکھنے کی بھی کوئی نہ کوئی صورت تجویز کی گئی ہوگی، اگرچہ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جب اعلیٰ اختیاراتی ادارے بھی مطلوبہ نتائج فراہم نہیں کرسکے تو تھانے کی سطح پر مقرر کئے گئے، قاضی صاحبان جن کے اختیارات یقیناً نہایت محدود ہوں گے، اور جن کے فیصلوں کو اعلیٰ عدالتوں میں فوراً چیلنج کیا جاسکے گا، ان نتائج کے بروئے کار لانے میں کس طرح کامیاب ہوجائیں گے؟ موجودہ حکومت کی اسلامی قانون کی بالادستی کے لئے مخلصانہ مساعی اپنی جگہ لائق قدر سہی، لیکن ان پے در پے ناکام اقدامات سے اندرون و بیرون ملک کیا یہ تاثر نہیں لیا جائے گا کہ اس ملک میں اسلامی قانون کی بالادستی ناممکن ہے اور اس کے لئے جو اقدام کیا جاتا ہے وہ بالآخر مایوسی میں تبدیل ہوجاتا ہے، اور کیا یہ تأثر اسلام، اسلامی قانون اور خود نظریۂ پاکستان کے حق میں سم قاتل تو نہیں؟

ہم ان کالموں میں ایک سے زیادہ بار اس بدیہی نکتہ کا اعادہ کرچکے ہیں کہ کوئی نظام خواہ بذات خود کتنا ہی مفید اور قیمتی ہو اس کے کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے دو شرطیں ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ اس نظام کو اس کی صحیح روح کے مطابق خارجی اثرات اور حدود و قیود سے پاک رکھتے ہوئے نافذ کیا جائے، دوم یہ کہ اس نظام کا نفاذ ایسے امین ہاتھوں سے ہو، جو نہ صرف اس پر یقین رکھتے ہوں، بلکہ اس کی روح اور

اس کے مزاج و فلسفہ سے لے کر اس کی ادنیٰ ادنیٰ جزئیات سے بھی واقف ہوں۔

اسلامی قانون کے راستہ میں جو سب سے بڑی اور سب سے پہلی مشکل حائل ہے وہ یہ ہے کہ ہم رائج الوقت غیر اسلامی قانون کی مشینری مین اسلامی قانون کے پرزے فٹ کرنا چاہتے ہیں، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ اس طرح ایک ایک دو دو پرزے بدلتے رہے تو ایک وقت آئے گا کہ اس مشینری کے سارے فرسودہ پرزے بدل چکے ہوں گے اور یہ مشینری پوری کی پوری اسلامی بن جائے گی، ''اسلامی قوانین کو تدریجاً ہی نافذ کیا جاسکتا ہے'' کا جو نعرہ بلند کیا جاتا ہے، غالباً اس تدریج کی شکل یہی تجویز کی گئی، مگر تجربات نے عملی طور پر یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ تجویز غیر مؤثر ہے اور اس کے ذریعہ شاید اسلامی قانون کی کسی ایک دفعہ کا نفاذ بھی کامیاب نہیں ہوسکے گا۔

اسلامی قوانین کے نفاذ میں تدریج کا اصول اپنی جگہ معقول بھی تسلیم کرلیا جائے تب بھی تدریج کا صحیح مفہوم یہ ہونا چاہئے کہ جو اسلامی قانون نافذ کیا جائے، اسے رائج الوقت قانون اور اس کے نظام سے بالکل آزاد رکھا جائے، مثلاً شرعی عدالتیں اگر واقعۃً شریعت کے مطابق فیصلہ کریں یا یہ قاضی صاحبان جن کا تقرر زیرِ غور ہے، اگر صحیح اسلامی فیصلہ کریں تو کسی عدالت کو اس فیصلے کے منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ الغرض جس قدر اسلامی قوانین نافذ کئے جائیں، ان کو مکمل بالادستی حاصل ہونی چاہئے اور ان پر کسی غیر اسلامی قانون یا نظام قانون کی بالادستی اسلامی قوانین کی توہین ہے۔

قاضیوں کے تقرر کا جو طریقہ تجویز کیا گیا ہے کہ قاضی بننے کے خواہش مند حضرات اپنی درخواستیں پیش کریں، پھر ارکان حکومت ان درخواست گزاروں کا انتخاب کریں گے، یہ طریقہ بھی اسلامی روح سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ کسی شخص کا از

خود عہدۂ قضا کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا، اسلامی نقطۂ نظر سے اس کے اس عہدے کے لئے غیر موزوں ہونے کی علامت ہے، یہ منصب تو ان لوگوں کو دیا جانا چاہئے جو اس سے بھاگتے ہوں اور ان کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی یہ نہ آیا ہو کہ وہ قاضی بنیں گے، اس کے لئے کوئی ایسا طریق کار وضع کیا جانا ضروری ہے جو اسلامی روح سے مطابقت رکھتا ہو۔

قاضی کی اہلیت کے لئے جو صفات ذکر کی گئی ہیں وہ ناکافی ہیں، سب سے بڑی شرط کہ امیدوار مسلمان ہو، اور مسائل قضا سے کوئی مناسبت بھی رکھتا ہو، غالباً اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی جس کا آغاز یہ ہو اس کا انجام کیا ہوگا ؟:

''قیاس کن ز گلستان من بہار مرا''

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۰؍ جون ۱۹۸۰ء)

”خدمتِ اسلام“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۵ر اگست کو ٹیلی ویژن بوسٹر اسٹیشن کا افتتاح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے وہ اہل فکر اور اہل علم خصوصاً ان کے اپنے قائم کردہ علماء بورڈ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے لئے بطور خاص توجہ کا مستحق ہے۔ انہوں نے فرمایا:

”پاکستان ٹیلی ویژن مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی پوری کی ہیں، یہ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ ٹیلی ویژن انجینئروں، فن کاروں اور دوسرے کارکنوں نے ملک میں نفاذ اسلام کے لئے سازگار فضا پیدا کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے......

ٹیلی ویژن کو چاہیئے کہ اس بحث میں پڑے بغیر کہ اسلام میں رقص و موسیقی کی اجازت ہے یا نہیں؟ وہ ایسے صحتمندانہ تفریحی پروگرام پیش کرے جن میں اسلام کی جھلک ہو......

صدر نے اعلان کیا کہ فیصل آباد اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کے یکم ستمبر ۱۹۸۰ء تک کے ٹیلی ویژن لائسنسوں کے واجبات حکومت ادا کرے گی......

انہوں نے اس موقع پر یہ اعلان بھی کیا کہ فیصل آباد کے لوگوں کو ٹیلی ویژن سیٹ خریدنے کے لئے بلا سودی قرضے

دینے پر غور کیا جائے گا، یہ قرضے چھوٹی چھوٹی قسطوں میں قابل
واپسی ہوں گے، انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ فیصل آباد
کے لوگ زیادہ سے زیادہ ٹیلی ویژن سیٹ خریدیں کیونکہ میں
اسلام سے ان کی محبت سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

یہ تو "علماء بورڈ" کے علماء و مشائخ (جن کے کاندھوں پر نفاذ اسلام کی نئی نئی ذمہ داری ڈالی گئی ہے) ہی بتائیں گے کہ جو چیز شرعاً صریح حرام ہو اور جس پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمائی ہو جس کو مزمار شیاطین فرمایا گیا ہو، وہ کیسے اسلام کے نفاذ میں اہم کردار ادا کر رہی ہے؟ اس اسلام کی ماہیت کیا ہے؟ اور پھر اس بات سے قطع نظر، کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ کسی چیز کو کیسے جانا جائے کہ یہ اسلام کے نفاذ میں مد و معاون ہے یا اسلام کی تخریب اور بیخ کنی کا موجب ہے؟ یہ معمہ کم از کم ہماری ناقص فہم سے بالا تر ہے۔

صدر جنرل محمد ضیاء الحق پہلے حکمران ہیں جنہوں نے نفاذ اسلام کی مہم کا اعلان فرمایا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے انہوں نے بھی آج تک کسی اسلامی شعار کے قائم کرنے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلانے کے لئے ایسے حوصلہ مندانہ اعلانات نہیں فرمائے ہیں جیسا کہ فیصل آباد کے لوگوں کو ٹیلی ویژن کے رقص و موسیقی کی "نعمت" سے مالا مال کرنے کی تحریص و ترغیب سے بھرپور اعلان فرمایا ہے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ جس اسلام کا نفاذ مطلوب ہے اس کا سب سے بڑا شعار رقص و موسیقی ہے:

"بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست"

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۵ ستمبر ۱۹۸۰ء)

علمائے و مشائخ کنونشن...

کیا کھویا اور کیا پایا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ دنوں اسلام آباد میں علی الترتیب علمائے و مشائخ کے سرکاری کنونشن ہوئے، اس سے قطع نظر کہ ان حضرات نے ان کنونشنوں سے کیا کھویا اور کیا پایا، اور یہ حضرات وہاں سے امید و بیم کی کیسی کیسی کیفیتوں سے قلب و نظر کو معمور کر کے واپس لوٹے، ایک عام آدمی کا تاثر یہ ہے کہ اب ملک میں اسلام کے نفاذ یا عدم نفاذ کی ذمہ داری ان حضرات پر عائد ہوگی، اگر یہ حضرات اس ملک میں اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری کرنے میں کامیاب ہوگئے تو یہ ان کے حسن اخلاق، حسن نیت اور بہترین کارکردگی کی دلیل ہوگی، اور اگر خدانخواستہ وہ اس میں ناکام رہے تو اس سے نہ صرف ان حضرات کی عزت و سیادت کو ٹھیس پہنچے گی، بلکہ ان کا کردار اسلامی نظریۂ حیات کے حق میں یاس انگیز اور حیرت افزا ہوگا، گزشتہ تہائی صدی سے یہاں ''اسلام، اسلام'' کے نعرے ہر دور حکومت میں بلند ہوتے رہے ہیں، لیکن عملی طور پر اسلام کا ایک حکم بھی ٹھیک ٹھیک خدا و رسول کی منشائے کے مطابق یہاں جاری نہیں ہوا، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کا نعرہ سابقہ حکومتوں کے عقیدہ و ضمیر کی آواز نہیں تھی، کیونکہ ابنائے وطن کے مذہبی جذبات کو اس ''طفل تسلی'' کے بغیر مطمئن نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے ہر دور حکومت میں نام کی حد تک تو اسلام کے پرچار سے کبھی بخل سے کام نہیں لیا گیا، لیکن اہل نظر واقف ہیں کہ عملی طور پر اسلام کی جڑیں کھودنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی گئی، موجودہ حکومت قریباً تین سال سے نفاذ اسلام کی مہم چلا رہی

ہے، لیکن خاطر خواہ کامیابی کجا اب تک نفاذ اسلام کے ابتدائی آثار بھی رونما نہیں ہوئے تھے، اس لئے حکومت نے یہ ذمہ داری ان علماء و مشائخ کے سر ڈال دی ہے، جنہوں نے اپنے وجود سامی کی شرکت سے کنونشن کو اعزاز بخشا ہے، حضرات علماء و مشائخ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک کسی عمل کے مقبول ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے جذبے سے کیا جائے، دوم یہ کہ وہ ٹھیک سنت نبوی اور طریقہ محمدی (ﷺ) کے مطابق ہو، اگر پہلی شرط مفقود ہو تو ریا کاری و نفاق ہے، اور دوسری شرط نہ پائی جائے تو بدعت و ضلالت ہے۔

حضرات علماء و مشائخ یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام عقائد، عبادات، اخلاق، معاملات، معاشرت اور سیاست و تعزیر کے تمام شعبوں پر مشتمل ہے، نفاذ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ عقائد کی تصحیح بھی کی جائے، عبادات کی پابندی بھی ہو، اخلاق بھی اسلامی تعلیم کے مطابق ہوں اور معاملات و معاشرت اور تعزیر و قانون کے شعبے بھی اسلام کی راہنمائی میں کام کر رہے ہوں، نفاذ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے یہ سارے شعبے ''مسلمان'' ہو جائیں، جب تک ان میں کوئی ایک شعبہ نفس و شیطان کا پیرو اور گمراہ اور بے دین قوموں کے نقش قدم پر ہے، تب تک نفاذ اسلام کا دعویٰ حرف غلط ہے اب جب کہ نفاذ اسلام کی ذمہ داری ان علماء و مشائخ کو سونپ دی گئی ہے، اور انہوں نے اس بارِ امانت کو بطیب خاطر اٹھالیا ہے ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نظر بصیرت سے جائزہ لیں کہ ہمارے معاشرے کی تصویر اسلام کی تصویر کے مطابق کیسے ہوگی۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳/اکتوبر ۱۹۸۰ء)

اسلامی نظام کے قیام کی شکل!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اسلام دین رحمت ہے، یہ خدا تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ہے جو انسانیت کی سعادت و کامیابی کے لئے نازل کیا گیا، جن قوتوں نے اسلام سے بے نیاز ہوکر ارتقاء کی منزلیں طے کیں، وہ فطرت سے بغاوت کی مرتکب ہوئیں، اور آج وہ اس بغاوت کا خمیازہ بھگت رہی ہیں، ان کے پاس دولت کے ڈھیر ہیں، راحت و آرام کے سارے اسباب جمع ہیں، لیکن دلوں کے چین اور سکون کی دولت ان سے چھن گئی ہے، وہ دل بہلانے کے لئے سو سو جتن کرتی ہیں لیکن سکون قلب کی دولت انہیں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی، نیند کے لئے خواب آور گولیاں غذا کی طرح کھائی جا رہی ہیں، اس کے باوجود چین کی نیند انہیں میسر نہیں، راحت و آرام کے اسباب ان کے لئے "عذاب الیم" کا ذریعہ بن گئے ہیں۔

اہل اسلام کی خوش قسمتی تھی کہ ان کو حق تعالیٰ شانہ نے اسلام کی دولت سے نوازا تھا، لیکن بدقسمتی سے مسلمانوں کو اس نعمت لازوال کی قدر نہ ہوئی، اور قوم مسلم بھی بے خدا قوموں کی ظاہری چمک دمک دیکھ کر انہی کے نقش قدم پر چلنے لگی، اور اسلامی

شعائر سے روگرداں ہوگئی، آج تہذیب و معاشرت، اخلاق و اعمال اور افکار و نظریات تک میں ایک مسلم و کافر کے درمیان امتیاز کرنا مشکل ہے، جیسی شکل ایک کافر کی ہے ٹھیک وہی مسلمان کی، جیسا لباس اور وضع قطع ایک عیسائی، یہودی اور پارسی کی ہے ویسی ہی مسلمانوں کی، جس طرح میز کرسی پر کھانے کا رواج ایک کافر گھرانے میں ہے، ویسا ہی مسلمان گھرانے میں بھی، جس طرح ایک کافر کی زندگی نماز روزہ، امانت و دیانت، خدا خوفی اور آخرت کے محاسبہ کے اندیشے سے عاری ہے، اسی طرح مسلمانوں کی بھی (یہ گزارش عام معاشرہ سامنے رکھ کر کی جارہی ہے، ورنہ مسلمانوں میں اب بھی بے شمار افراد ایسے ہیں جو ظاہراً و باطناً اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں)۔

ہمارے صدر مملکت جنرل ضیاء الحق (اللہ تعالیٰ انہیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کے نیک ارادوں میں برکت فرمائے) پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کرنے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں یہ خیال بہت ہی مبارک ہے اور ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان کی رمق اور اسلام کی روشنی موجود ہے ان کے اس خیال کی تائید و تصدیق کرے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ جب تک مسلمانوں کی زندگی اسلام کے سانچے میں نہ ڈھل جائے اور وہ دل و زبان اور قلب و قالب سے خدا کے حکم کے آگے سر جھکانے کا عزم نہ کرلیں تب تک اسلام کے نفاذ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس پر جنرل صاحب اور ان کے اعوان و انصار کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

اسلامی نظام قائم ہونے کی صرف دو صورتیں عقلاً ممکن ہیں، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہ عقلاً ممکن ہے اور نہ تاریخ سے اس کی کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ کسی ملک کی اکثریت اپنی انفرادی زندگی میں دین کی پابند اور دیانت و امانت کے اوصاف کی حامل ہو، اور وہ اجتماعی زندگی میں اسلام کو نافذ

کرنے کی طرف متوجہ ہو، معاشرے کی دینداری اور دیانت و امانت خود ہی اسلامی نظام کے نفاذ کی منزل تک پہنچادے گی، اس صورت میں اگر کوئی گروہ اسلامی نظام کی مزاحمت کرے گا، تو کامیاب نہیں ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کو قوت و اقتدار حاصل ہوجائے جو دیانت و امانت کی اعلیٰ صفات کی حامل ہو، جو معاشرے میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی خواہش مند ہو، جو کتاب و سنت کو مسائل حیات کا اصل مرجع اور خلافت راشدہ کو اسلامی ریاست کا مرقع سمجھے جو صحابۂ کرامؓ کے اقوال و اعمال کو کتاب وسنت کا شارح اور عملی نمونہ تصور کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلنے کا عزم مصمم لے کر اٹھے، اور جو جاہلیت کے ان تمام آثار کو جو اسلامی تعلیمات کے خلاف، معاشرے میں پائے جاتے ہیں ایک ایک کر کے مٹا ڈالے، اور مسلمانوں کو اس اسلامی تہذیب و معاشرت کے راستہ پر ڈال دے جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی، اگر برسر اقتدار طبقہ کو یہ قوت ایمان، یہ جذبۂ عمل، یہ عشق سنت، نصیب نہیں تو اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے تو ضرور لگا سکتا ہے مگر عملی طور پر اسلام کو نافذ کرنا اس کے لئے ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ناپاک کے لئے نماز کی امامت۔

اب ان دو صورتوں کو سامنے رکھ کر اپنے معاشرے پر غور فرمایئے تو معلوم ہوگا یہاں معاشرہ کا دینی و اخلاقی رجحان اسلام کی جانب نہیں بلکہ لادینی معاشرت کی طرف ہے، اس لئے یہاں اسلام کے نفاذ کی پہلی صورت ممکن نہیں، رہی دوسری صورت؟ تو اگر جنرل صاحب کے پاس ایسی پاک وصاف، خدا ترس و متقی اور نیک و پارسا ٹیم موجود ہے جو حکومت اور معاشرہ کے ایک ایک شعبے اور ایک ایک گوشے میں اسلام کی روشنی پہنچا سکتی ہے، اور مغربی تہذیب کے صنم خانوں کو مسمار کر کے وہاں خلافت راشدہ کا قصر رفیع تعمیر کرنے کی اہلیت رکھتی ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ یہاں اسلام کو بھی نافذ کر سکے گی، اور بلاشبہ اس کا یہ کارنامہ انسانیت کے لئے پیام حیات اور

پاکستانی معاشرہ کے لئے پیام امن ہوگا، لیکن اگر اقتدار پر فائز حضرات ـــــ باستثنائے معدودے چند ـــــ خود ہی اسلام کی برکات سے محروم اور معاشرے کے عام افراد سے بڑھ کر اخلاقی، اعتقادی، عملی اور معاشرتی کمزوریوں کا شکار ہوں تو ظاہر ہے کہ ان کے بارے میں یہی کہا جاسکے گا:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۱/اکتوبر ۱۹۸۰ء)

اسلامی قانون کا مسودہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اللہ تعالیٰ شانہ کا آخری پیغام ہے، اور اس میں انسان کی دنیوی و اخروی سعادت کا راز مضمر ہے۔ اس لئے امت مسلمہ حق تعالیٰ شانہ کے اس انعام پر جس قدر فخر کرے، بجا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ کر کے اسے ایک کامل و مکمل دین سے سرفراز فرمایا، آج امت مسلمہ کے سوا، اقوام عالم میں کسی قوم اور کسی ملت کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس کے پاس کامل و مکمل آسمانی ہدایت نامہ موجود ہو، دوسری تمام قومیں انسانیت کی الجھی ہوئی گتھیوں کو ناخن تدبیر اور اپنی عقل خام اور فکر نارسا سے سلجھانا چاہتی ہیں، اور وحی الٰہی کی روشنی سے محروم ہونے کی بنا پر تاریک وادیوں میں بھٹک رہی ہیں، لیکن مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے تکمیل دین کی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر زبان نبوت سے یہ اعلان کرایا گیا:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ

نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔" (المائدہ:۳)

ترجمہ:...... "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا، اورتم پر اپنا احسان پورا کردیا اورتمہارے لئے دین اسلام کو پسند کرلیا۔"

اس احسان خداوندی کی قدر شناسی کا تقاضا یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام معاملات وحی الٰہی کی روشنی میں طے کرے اور وہ ہر شعبۂ زندگی میں اپنے ہادیٔ برحق ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھے اور آپ ﷺ کے نقش پا کی پیروی کو سب سے بڑی سعادت سمجھے، امت مسلمہ کو اگر اس قدر شناسی کی توفیق ہوجائے اور نور ہدایت اس کی راہنمائی کرے تو نہ صرف یہ کہ وہ خود دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے ہمکنار ہوسکتی ہے، بلکہ ان گمراہ قوموں کو بھی عقل و انسانیت کی راہ پر لاسکتی ہے جو وادیٔ ضلالت میں بھٹک رہی ہیں، اور وحی الٰہی کے نور سے محرومی کی بنا پر وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے سے معذور ہیں، لیکن بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ کی غلامی نے مسلمانوں کو اس نعمت عظمیٰ کی قدردانی سے محروم کردیا، اور وہ اپنے نبی برحق ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے سفید آقاؤں کے اوضاع و اطوار اور طرز زندگی اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، افسوس بالائے افسوس یہ کہ ہمیں آزاد ہوئے تہائی صدی بیت گئی لیکن ہم آج تک سفید آقاؤں کی ذہنی غلامی سے آزاد نہیں ہوپائے، ہماری سرکاری زبان آج بھی وہی ہے، جو دور غلامی میں تھی، ہمارا دفتری لباس وہی ہے جو دور غلامی میں تھا، ہماری شکل و وضع وہی ہے جو سفید آقاؤں کو محبوب و پسند ہے، اور ہمارا تعلیمی انتظامی، عدالتی، تجارتی، سیاسی معاشی نظام آج ٹھیک وہی ہے جو خدا و رسول نے نہیں بلکہ بے خدا اور ملعون قوموں نے دور غلامی میں ہمارے لئے وضع کیا

تھا، یہ امت مسلمہ کی وہ گراوٹ ہے جس کے تصور سے بھی شرم آتی ہے۔

ہمیں اس نظام میں تبدیلی کا اگر کبھی خیال بھی آیا تو ہم نے اس کے لئے خدا و رسول کے احکام کو اس طرح مسخ کیا کہ دین کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا، ہمارے ملک میں نافذ شدہ عائلی قوانین اس کی نمایاں مثال ہے، جن میں قرآن کریم اور ارشادات نبوت میں صاف اور صریح تحریف کر کے اسے ایک اسلامی مملکت میں مسلمانوں پر مسلط کیا گیا ہے، اور علمائے امت کے شدید احتجاج کے باوجود ایوبی دور سے لے کر آج تک اسے واپس نہیں لیا گیا، حکومتوں پر حکومتیں بدلیں لیکن وہ سیاہ قانوں اس بدقسمت قوم کے لئے تقدیر مبرم اور صحیفۂ آسمانی بنا رہا، جس میں گویا کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔

جناب صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کوئٹہ میں علماء و مشائخ اور زکوٰۃ کمیٹیوں کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ماہرین قوانین کو اسلام کے مطابق اور آسان اور سہل بنانے کے کام میں مصروف ہیں قوانین کے مسودے پر رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے اگلے ماہ کے وسط تک جاری کر دیا جائے گا اور رائے عامہ معلوم ہونے کے بعد ضروری قانون جاری کر دیا جائے گا۔

جناب صدر کا یہ اعلان مسلمانان پاکستان کے لئے نوید ایمان کی حیثیت رکھتا ہے، اسلامی قوانین کے نفاذ کے سلسلے میں ان کی اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بھی لائق صد ستائش قرار دیا جائے گا، تاہم ماہرین جو قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں، ان کی مصروفیت کی نوعیت کا اندازہ عائلی قوانین اور مسودۂ زکوٰۃ و عشر سے ہو جاتا ہے، اور پھر اسلامی قانون پر رائے عامہ کا معلوم کرنا جدید دنیا کا ایک نیا تجربہ ہے، پرانے زمانے کے مسلمان اسلامی قوانین کو فرمودہ خدا و رسول اور

وحی الٰہی کے حیثیت سے قبول کرنا اور ان پر ایمان لانا ضروری سمجھتے تھے، اور اسلام اور اسلامی قانون کو عوام کی رائے زنی سے بالاتر سمجھتے تھے، ان کے نزدیک حکام وقت کا کام خدا کے قانون کو خدا کی زمین میں نافذ کرنا تھا، حکام یا ان کے مشیر اسلامی قانون گھڑنے کے مجاز نہیں تھے لیکن ترقی پسند زمانے میں شاید خدا و رسول کی بات کو جوں کا توں قبول کرنا بھی دقیانوسی کی علامت ہے، اس پر پہلے ترقی یافتہ ماہرین کا عمل جراحی ضروری ہے اور پھر رائے عامہ کی تصدیق و تصویب بھی لازم ہے۔

"انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۸/نومبر ۱۹۸۰ء)

اسلام کا ایجاب وقبول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیر ۱۲ ربیع الاول کو جنگ کراچی میں نمائندہ خصوصی کے حوالے سے حسب ذیل خبر چھپی:

''میں قوم سے ہاں کرانا چاہتا ہوں''

''اسلام آباد (خصوصی نمائندہ جنگ) صدر پاکستان جنرل محمد ضیاءالحق نے کہا کہ وہ اسلامی نظام کے بارے میں قوم سے ہاں کرانا چاہتے ہیں، چھ اسلامی ملکوں کے دورے سے واپسی کے بعد اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر صدر مملکت سے سوال کیا گیا کہ آپ نے کہا ہے کہ آپ اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ریفرنڈم کرانا چاہتے ہیں، کیا اسلام کے خلاف اس ملک میں کوئی آواز موجود ہے؟ اور کیا پاکستان کے قیام کے وقت لوگوں نے اسلام کے حق میں رائے نہیں دی تھی؟ صدر پاکستان نے کہا کہ میں آپ کو اس سوال کا جواب ایک مثال کے ذریعہ دوں گا، اسلامی طریقے میں جب نکاح کیا جاتا ہے تو لڑکی بے شک رضامند ہو لیکن نکاح کے وقت اس سے ہاں کرائی جاتی ہے، میں بھی قوم سے ہاں کرانا چاہتا ہوں۔''

ہم اس خبر کے سلسلے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں، محترم صدر صاحب کا یہ فرمان تو صحیح ہے کہ قوم سے اسلامی نظام کے بارے میں ہاں کرانا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہم یہ کہیں گے کہ ہاں تو اس صورت میں ضروری ہوتی ہے جب قوم نے اس سے قبل ''ہاں'' نہ کی ہو، یا رضامندی نہ ظاہر کی ہو، پاکستان میں بفضل اللہ

مسلمان قوم آباد ہے اور اس قوم نے جس وقت کلمہ اسلام لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیا تو اس نے اس بات کی گواہی دی کہ وہ اپنے اوپر اسلام کے تمام احکام کو نافذ کرے گی اور اس کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرے گی، پھر تحریک پاکستان کے وقت قوم نے قربانیاں دے کر ہی ثابت کر دیا تھا کہ وہ اسلامی نظام کی خواہشمند ہے، پھر ۱۹۷۷ء کی تحریک، تحریک نظام اسلام میں قوم نے دوبارہ قربانیاں دے کر اس عہد کا اعادہ کیا کہ وہ اسلامی نظام ہی چاہتی ہے اور کوئی دوسرا نظام نہیں، اور یہ وہی تحریک ہے جس نے موجودہ حکومت کو اقتدار عطا کیا، اتنے بار کی "ہاں" کرنے کے بعد اب کسی اور "ہاں" کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ پھر مسئلہ تو یہ ہے کہ قوم کا سکوت بھی تو رضامندی پر دلالت کرتا ہے، اور ہم نے آپ کے اقدامات پر نہ صرف اطمینان کا اظہار کیا بلکہ ان اقدامات کی تعریف کی، کیا اس کے بعد بھی اب کسی "ہاں" کی ضرورت ہے؟ قوم بے چاری اپنے آپ کو کئی مرتبہ اسلامی نظام کے نکاح کے لئے پیش کر چکی ہے، رہا سوال اس جگہ لڑکی کی رضامندی کا اور لڑکے اور لڑکے والوں کی رضامندی کا تو جواب یہ ہے کہ وہ اس نکاح کو قبول کریں گے، جب کبھی بھی اسلامی نظام کے سلسلے میں رکاوٹیں ہوئیں وہ اکثر ارباب اقتدار ہی کی طرف سے ہوئیں، قوم نے کسی بھی مرحلہ پر اسلامی نظام کی مخالفت نہیں کی، بلکہ اس کو بار بار اسلام کے نام پر استعمال کیا گیا، مگر وہ باوجود دھوکہ کھانے کے پھر دوبارہ بھی اسلامی نظام کے لئے کمر بستہ ہوگئی، اور اس نے اسلامی نظام ہی کو ووٹ دیا، لیکن پھر بھی اس کو دھوکہ دے دیا گیا، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اصحاب اقتدار خلوص دل سے اسلامی نظام رائج کریں اور قوم کا مزید امتحان نہ لیں، ورنہ لوگوں کا اسلامی نظام پر سے اعتماد اٹھ جائے گا، پھر نہ یہ ملک باقی رہے گا اور نہ یہ قوم ہی باقی رہے گی، اور نہ ہی یہ حکومت۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مقدور بھر کوشش کرنے کی خلوص نیت کے ساتھ توفیق عطا فرمائیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ ۲۳ر جنوری ۱۹۸۱ء)

وفاقی شرعی عدالت میں
تین علمائ کی شمولیت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

گذشتہ دنوں وفاقی شرعی عدالت نے متعدد ایسے فیصلے کئے جو جمہور اہل اسلام میں بے چینی واضطراب کا موجب ہوئے۔ اس لئے حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل نو کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ اس آٹھ رکنی عدالت میں تین علماء کو شامل کرلیا گیا (ملک غلام علی صاحب کا شمار پہلی بار علماء میں ہوا ہے) ۵ر شعبان ۱۴۰۱ھ ' ۸ر جون ۱۹۸۱ء کے اخبارات میں ان تین علماء ججوں کے بیانات شائع ہوئے ہیں جو انہوں نے ایک دن پہلے "حلف برداری" کی تقریب کے بعد اخبار نویسوں کو دیئے۔

"پیر محمد کرم شاہ الازہری نے اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ شریعت کورٹ میں علماء کی شمولیت سے ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل تیز ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جب صدر محمد ضیاء الحق کی حکومت نے باگ ڈور سنبھالی تھی تو انہوں نے ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ صدر نے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں' اور اس بارے میں مختلف تدابیر اختیار کی ہیں۔ ان میں سے ایک وفاقی شریعت کورٹ کا قیام ہے' اور اب علماء کی شمولیت سے ملک میں مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کو مزید تقویت ملے گی۔

مولانا محمد تقی عثمانی نے کہا کہ وفاقی شریعت کورٹ کے قیام کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس قانون کو کالعدم قرار دے دیا جائے جو اسلام کے منافی ہو۔ کورٹ کو حدود کے مقدمات کے بارے میں سیشن عدالتوں کے

خلاف فوجداری اپیلوں کی سماعت کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔ اب علمائے
دین اور قانون کے ماہرین اکٹھے بیٹھ کر مکمل اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے
اہم فیصلے کریں گے۔

مولانا غلام علی نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ پوری دنیا کی توجہ
پاکستان پر مرکوز ہے کیونکہ یہ ملک صرف اسلام کی بنیاد پر قائم کیا گیا
ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ خود کو اپنے مقاصد کے شایان شان ثابت کریں۔
انہوں نے کہا کہ عدالتوں کو معاشرے کی اصلاح اور ملک کے قوانین پر
عمل در آمد میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ وفاقی شریعت کورٹ میں علماء کی
شمولیت بڑا اچھا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اس سے مذہب اور قانون کے ماہرین
اکٹھے ہوجائیں گے اور علم میں ہمہ گیری سے ایک مقصد کے لئے
کوشش کریں گے"۔ (روزنامہ جنگ کراچی۔ ۸ جون ۱۹۸۱ء)

علماء جج صاحبان نے جن نیک تمناؤں اور خوش آئند آرزوؤں کا اظہار فرمایا ہے وہ
ہر صاحب ایمان کے دل کی آواز ہے لیکن کیا یہ حسین خواب شرمندہ تعبیر بھی ہوگا؟ یا جس
طرح مولانا تقی عثمانی نے مایوس ہوکر اسلامی نظریاتی کونسل کو طلاق دی تھی کچھ یہی
صورت حال یہاں بھی پیش آسکتی ہے؟ اس کا صحیح فیصلہ تو قاضی مستقبل کرے گا۔ تاہم
ماضی کے تجربات کی روشنی میں اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے۔ البتہ ان بیانات سے
امام غزالیؒ کا ایک فقرہ یاد آیا' انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے :

كتب عمر بن عبدالعزيز رحمه الله' الى الحسن:
اما بعد : فاشر على باقوام استعين بهم على
امر الله تعالى۔
فكتب اليه : اما اهل الدين فلا يريدونك'
واما اهل الدنيا فلن تريدهم' ولكن عليك

بالاشراف فانهم یصونون شرفهم ان یلنسوه
بالخیانۃ

ترجمہ :"حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت حسن بصری کو لکھا کہ مجھے کچھ ایسے لوگوں کی نشاندہی کیجئے جن سے میں اللہ تعالیٰ کے اس کام پر مدد لوں۔

انہوں نے جواب میں لکھا :

اہل دین تمہارے پاس نہیں آنا چاہیں گے۔ رہے اہل دنیا سو ان کو آپ نہیں چاہتے۔ اس لئے اہل وجاہت سے کام چلاؤ۔ وہ اپنی وجاہت و شرافت کو خیانت میں ملوث ہونے سے بچائیں گے"۔

اس واقعہ کو نقل کرکے امام غزالیؒ لکھتے ہیں :

ھذا فی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ وکان ازھد اھل زمانہ ۔فاذا کان شرط اھل الدین الھرب منہ فکیف یستنسب طلب غیرہ

(احیاء العلوم ج۱ ص ۷۵)

ترجمہ :"یہ بات عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حق میں کہی گئی جو اپنے زمانے کے سب سے بڑے زاہد تھے، پس جب ان سے بھاگنا اہل دین کی شرط ہے، تو کسی اور کا قرب کس طرح مناسب ہوگا"۔

اول تو شرعی عدالت کے قیام سے مقصد صرف اتنا ہے کہ غیر اسلامی قوانین کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے تو اس کا طریقہ یہ نہیں جو تجویز کیا گیا ہے، کیونکہ اس طریقہ سے صبح قیامت تک بھی اسلامی قانون نافذ نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں پہلے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ ماہرین قانون اور ماہرین شریعت کی تعداد برابر ہوگی۔ لیکن تشکیل کے وقت ۵۔ ۳ کی نسبت رکھی گئی ہے۔ آخر وہ کیسی شرعی عدالت ہے جس میں ماہرین شریعت کو فروتر رکھا گیا ہے۔ اور پھر اس عدالت کی صدارت بھی ایک ماہر شریعت کو نہیں بلکہ "ماہرین

قانون" کو تفویض کی گئی ہے۔ (یہ بزرگ اپنے ایک فیصلے میں قرار دے چکے ہیں کہ از روئے قانون غیر مسلم بھی اپنی عبادت گاہیں مسجد کے نام سے تعمیر کر سکتے ہیں) اگر کسی فاضل جج کا کسی عالم کے ماتحت ہونا اس کی کسرِ شان ہے تو کسی عالم کا کسی غیر عالم کے ماتحت ہونا خود شریعت کی تحقیر ہے۔ آخر ایسے طریق کار سے اسلامی نظام کیسے نافذ ہوگا جس کی بنیاد ہی ماہرین قانون کی ماہرین شریعت پر بالادستی وبالاتری پر رکھی گئی ہو۔

اور پھر ان تمام امور سے قطع نظر کیا اسلامی نظام چند قوانین کے نافذ کردینے کا نام ہے؟ جو لوگ اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں وہ اس معاشرے کی روش تبدیل کرنے کے لئے کوئی تدبیر کیوں اختیار نہیں کرتے۔ جو انسانی حدود کو پھلانگ رہا ہے' جس معاشرہ میں عریانی وبے حجابی کا طوفان بلاخیز برپا ہو۔ جس میں کھیل تماشے اور تفریح کے نام پر اخلاق کے مقتل جگہ جگہ قائم ہوں' جس میں اسلامی شعائر کی کوئی پابندی نہ ہو' جس کی معیشت ومعاشرت' سیرت وکردار' اخلاق واعمال اور عقائد ونظریات میں دین نام کی کوئی چیز نظر نہ آتی ہو اس میں یہ توقع رکھنا کہ شرعی عدالت میں تین علماء کی شرکت سے اسلامی نظام کے مکمل نفاذ میں مدد ملے گی' خالص خوش فہمی ہے۔

یہ سطور زیر قلم تھیں کہ ماہنامہ البلاغ کراچی کے رجب کا شمارہ موصول ہوا۔ اس کا ایک اقتباس اس موضوع کے مناسب ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں :

> "آئین میں ایک نئے ترمیمی آرڈی نینس کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے ساتھ فقہ میں مہارت رکھنے والے علماء کا ایک پینل ملحق کردیا گیا ہے اور وفاقی شرعی عدالت کے چیئرمین کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہر مقدمے کی سماعت کے وقت اس پینل کے تین علماء سے عدالت کے رکن کی حیثیت سے ساتھ بیٹھنے کی درخواست کرے اور یہ واضح کردیا گیا ہے کہ ان تین علماء ارکان کو ہر مقدمے میں وہی اختیارات سماعت حاصل ہوں گے جو عدالت کے دیگر ارکان کو حاصل ہوتے ہیں۔
>
> یہ آرڈی نینس مجموعی طور پر نہایت قابل اطمینان اور باعث

مسرت ہے، اور صدر مملکت نے ملت کے اس دیرینہ مطالبے کو جس تدبر اور معاملہ فہمی کے ساتھ پورا کیا ہے، اس پر وہ بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ہماری پر خلوص دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اقدام کو ملک وملت کے لئے مفید اور بار آور بنائیں، اور حکومت کو نفاذ شریعت کے سلسلے میں مزید بنیادی امور انجام دینے کی توفیق وہمت عطا فرمائیں۔ آمین۔

البتہ یہاں حکومت کی توجہ دو باتوں کی طرف مبذول کرانی ضروری ہے جو اس آرڈی نینس سے واضح نہیں ہوتیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کا صحیح فائدہ اسی وقت ظاہر ہو سکتا ہے جب اس میں فیصلہ کن اکثریت علماء کی ہو، اور آرڈی نینس میں یہ واضح نہیں ہے کہ تین علماء کے ساتھ دیگر ارکان کی تعداد کیا ہوگی؟ دوسری بات یہ ہے کہ بحالت موجودہ "وفاقی شرعی عدالت" کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ کی شریعت بنچ میں اپیل کا حق موجود ہے، اور اسی حق کی بنا پر حکومت نے رجم کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ کی شریعت بنچ میں چیلنج کیا ہے، وہاں کی شریعت بنچ میں کسی تبدیلی کا ذکر آرڈی نینس میں نہیں ہے، حالانکہ جو صورت حال وفاقی شرعی عدالت کی ہے، سپریم کورٹ کی شریعت بنچ کی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے، اور جب اصولی طور پر یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ کسی قانون کے شریعت کے مطابق یا خلاف ہونے کا فیصلہ علماءِ کے بغیر ممکن نہیں، تو پھر وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ میں تفریق کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ لہٰذا فیصلے میں علماء کی شرکت کا جو اہتمام وفاقی شرعی عدالت کے سلسلے میں طے کیا گیا ہے، سپریم کورٹ کی شریعت بنچ میں بھی اسی قسم کا اہتمام ضروری ہے، ورنہ وفاقی شرعی عدالت کی تشکیل نو کا

فائدہ ہمیشہ خطرے میں رہے گا' صدر مملکت سے ہماری یہ اپیل ہے کہ جب انہوں نے یہ مبارک قدم اٹھایا ہے تو اسے اس مرحلے پر تشنہ چھوڑنے کے بجائے پہلے ہی مرحلے پر ایسا انتظام کردیں جس سے آئندہ کسی خلفشار کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی مزید توفیق وہمت عطا فرمائیں۔ آمین۔" (البلاغ کراچی رجب ۱۴۰۱ھ ص ۶ و ۷)

اس تمام صورت حال کے بعد یہی کہا جاسکتا ہے :

لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ الی یوم الدین۔

بینات جمادی الاولیٰ ۹۹ '۱۳ھ

پاکستان میں نفاذِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ' اما بعد

پاکستان میں اسلامی نظام کے سلسلے میں جو کوششیں ہو رہی ہیں ان پر نظر کرتے ہوئے ابھی امید وبیم کی کیفیت ہے' امیدیں ٹوٹ ٹوٹ کر بندھتی ہیں' اور بندھ بندھ کر ٹوٹ جاتی ہیں۔ اس بارے میں کیا پیش رفت ہوئی ہے؟ اسلام کے نفاذ کا کیا خاکہ تجویز کیا جارہا ہے؟ ابتداء کہاں سے ہوگی؟ اور کتنے مرحلوں میں اسے نافذ کیا جائے گا؟ یہ سب کچھ ابھی پردہ راز میں ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حالات کیا کروٹ لیں گے؟ اور پردہ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوگا۔

اسلامی نظام کے نفاذ کے نعروں سے ملک میں واقعتاً اسلام آتا بھی ہے یا نہیں؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا' لیکن اس خالی شور وغوغا کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ جو عناصر اسلام کو نہیں چاہتے انہوں نے اس کا راستہ روکنے کے لئے منظم ہونا شروع کردیا ہے' اور وہ تمام لوگ جو اب تک نفاق کا لبادہ اوڑھے "اسلام" کا نعرہ لگاتے تھے وہ بھی کھل کر اسلامی نظام کے خلاف باتیں کرنے لگے ہیں' اس کے برعکس اسلامی نظام کی داعی جماعتیں اپنے انتشار وافتراق کی بدولت باہمی خانہ جنگی میں مصروف ہیں' ان حالات میں اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے کس حد تک شرمندہ تعبیر ہوں گے؟ اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

قومی اتحاد کے حکومت میں شامل ہونے پرلوگوں نے ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں' اور خود اتحادی رہنما بھی یہی یقین دلاتے تھے کہ ان کے آتے ہی سب حالات ٹھیک ہوجائیں گے' مگر اب تک جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے ہے' اور آئندہ وہ آٹھ دس مہینے کے اندر کیا کرسکیں گے اس کا اندازہ لگانا بھی زیادہ مشکل نہیں' گزشتہ چھ سات سال میں حالات اتنے بگاڑ دیئے گئے تھے کہ حکومت سے باہر کے لوگوں کو ان کا تصور

کرنا بھی مشکل ہے، اس ہمہ گیر بگاڑ کے آثار و نتائج کچھ ظاہر ہو رہے ہیں، اور کچھ رفتہ رفتہ ظاہر ہوں گے، مگر اب چونکہ قومی اتحاد کے وزراء حکومت میں ہیں اس لئے عام لوگوں کی نظریں انہی پر جم کر رہ جائیں گی، اور وہ ان تمام خرابیوں اور ان سے پیدا ہونے والے بدترین نتائج کی ساری ذمہ داری بھی صرف قومی اتحاد کے نامہ اعمال میں درج کردیں گے، ان کی نظر ماضی وحال کے تسلسل کو قائم نہیں رکھ سکے گی، یہ ایک سخت ترین آزمائش ہے جس سے قومی اتحاد گزر رہا ہے۔

قومی اتحاد کے لئے دوسرا درد سر ہماری دیمک خوردہ انتظامیہ ہے، ظاہر ہے کہ جب تک اس کی اصلاح نہیں ہوجاتی ملک کا انتظامی بگاڑ محض اتحاد کے وزیروں کے چھو منتر سے درست نہیں ہوسکتا۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ تادم تحریر مرکز میں سول وزرا ہیں، اور صوبوں میں فوجی حکومت چل رہی ہے، یہ دو عملی بھی انتظامی الجھنوں کی موجب ہے۔

سیاسی جماعتیں نعروں میں اس قدر مصروف رہتی ہیں کہ برسراقتدار آنے کی صورت میں حکومت چلانے کا کوئی خاکہ مرتب نہیں کرسکتیں۔ اس لئے وہ اقتدار میں آکر پرانے خاکوں میں رنگ بھرنا شروع کردیتی ہیں، یا بعد میں منصوبوں کی لکیریں بھرنے میں صرف ہوجاتا ہے یا بے سوچے سمجھے جلد بازی کے منصوبے بنانے میں۔ حالانکہ جب ایک جماعت حکومت میں آنے کے لئے پر تولتی ہے تو اسے حکومت کے تمام شعبوں سے متعلق ٹھوس منصوبے اور پالیسیاں پہلے سے تیار رکھنی چاہئیں، اور اس کے لئے ماہرین پر مشتمل ایک کمیشن (جماعتی کمیشن) کو ہمہ وقت غور کرتے رہنا چاہئے۔

مثلاً قومی اتحاد اور جمعیت علمائے پاکستان وغیرہ اسلامی نظام کی داعی ہیں، کیا ان کے ماہرین نے بیٹھ کر کوئی لائحہ عمل وضع کیا ہے کہ بینکاری نظام سے سود کو کس طرح خارج کیا جائے گا؟ کیا اس کے لئے کوئی خاکہ تیار کیا گیا ہے کہ ہمارے بازاروں میں لین دین اسلامی نظریات کے خلاف ہو رہا ہے اس کی اصلاح کیسے کی جائے گی؟ کیا اس کے لئے کوئی پالیسی وضع کی گئی ہے کہ ملک میں زکوٰۃ کا نظام کس طرح نافذ کیا جائے گا؟ اور اس کی آمد وصرف کے حسابات کا طریقہ کار کیا ہوگا؟

کیا زرعی معیشت کی ترقی و فروغ اور اس شعبہ میں ملک کی خود کفالت کے لئے کسی طریق کار پر غور کیا گیا؟ اور اس کے لئے کوئی ٹھوس عملی تجاویز مرتب کی گئیں؟

الغرض وہ تمام شعبے جو حکومت کے کنٹرول میں ہوتے ہیں یا جن کی نگرانی کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے' ہماری سیاسی جماعتیں ان کے لئے کسی ٹھوس منصوبے سے عاری رہتی ہیں' اور جب انہیں حکومت میں شمولیت کا موقع ملتا ہے تو یکایک ان پر تمام ذمہ داریوں کا بوجھ آگرتا ہے جس کی انہوں نے کوئی تیاری اس سے پہلے نہیں کی ہوتی نتیجہ یہ کہ انتظامیہ اپنی من مانی کرتی ہے' اور جو پارٹی حکومت میں آتی ہے وہ چند دن بعد بدنام اور ناکام ہوجاتی ہے۔ اکتیس برس سے یہ ملک اسی مرض کا شکار ہے' یہاں نعروں کی بہتات ہے' مگر ٹھوس تجاویز' منصوبوں اور عملی تدابیر کا فقدان۔

ع قیاس کن زگلستان بہار مرا

لطیفہ یہ ہے کہ جو جماعتیں اقتدار سے باہر ہوں وہ موٹے موٹے نعرے لگانے کو کامیاب سیاست سمجھتی ہیں' اور جب انہیں نشیمن اقتدار میں چہچہانے کا موقع ملتا ہے ان کی نعرہ بازی کا سارا نشہ ہرن ہوجاتا ہے' مولانا شاہ احمد نورانی آج کل بڑی شد ومد سے چوبیس گھنٹے میں اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ لگا رہے ہیں' کاش اقتدار کا پھندا ان کے گلے میں ہوتا اور پھر ان سے عرض کیا جاتا کہ حضور بینک کے پورے نظام کو چوبیس گھنٹے میں بدل کر دکھایئے' بازار کے سارے غیر اسلامی نظام کو ایک دن میں تبدیل فرمادیجئے' عدالتی نظام' معاشرتی نظام' سماجی نظام الغرض پاکستان کے بگڑے ہوئے معاشرے کو چوبیس گھنٹے میں اسلامی انقلاب میں بدل دیجئے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کے پاس وہ کون سی جادو کی چھڑی یا الہ دین کا چراغ ہے جس کے ذریعے آپ پلک جھپکتے ہی آج کے گندے معاشرے کو خلافت راشدہ میں تبدیل کردیں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے اتنے بڑے لیڈر بھی مضحکہ خیز نعرے لگانے کے عادی ہیں' جن کو سن کر کوئی شخص ان کے بارے میں اچھی رائے قائم نہیں کرسکتا۔

بینات ذو القعدہ ۱۴۰۱ھ

نفاذ اسلام کی رکاوٹ کے اسباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے یوم آزادی کے موقع پر پرچم کشائی کی تقریب میں خطاب کرتے ہوئے قوم کو یاد دلایا کہ پاکستان' اسلام کو عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا' اور انہوں نے اعتراف کیا کہ قیام پاکستان کا مقصد ایک تہائی صدی کی مدت گزر جانے کے باوجود آج تک حاصل نہیں کیا جاسکا۔

"صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پاکستان اس مقصد کے حصول کے لئے جس کے لئے وہ قائم کیا گیا تھا صحیح سمت میں رواں دواں ہے' پاکستان کے قیام کا مقصد محض یہ نہیں تھا کہ ایک ایسی ریاست قائم ہو جہاں کے حکمران مسلمان ہوں بلکہ اس کا قیام ایک ایسے وطن کی حیثیت سے عمل میں آیا تھا جہاں لوگ ان اسلامی اصولوں کے مطابق زندگی گزاریں جن کا اعلان اب سے ۱۴۰۰ سال قبل کیا گیا تھا۔ صدر نے کہا کہ قیام پاکستان بجائے خود کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ تھا۔ اس بارے میں ہمارا ضمیر صاف ہے اور ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے' لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنا دل ٹٹول کر دیکھیں کہ آیا انہوں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا ہے' قوم نے اب سے چالیس سال قبل اپنی آرزوؤں کا اظہار کردیا تھا' اگر ان کی یہ آرزوئیں اب تک پوری نہیں ہوئی ہیں تو ہمیں خلوص دل کے ساتھ ان کے حصول کے لئے کوشش شروع کرنی چاہئے۔ لوگوں کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جنوبی ایشیا میں قیام پاکستان کا انقلاب

کیوں برپا ہوا' صدیوں کے بعد جغرافیائی سرحدیں کیوں تبدیل ہوئیں' لاکھوں افراد نے عظیم الشان قربانیاں کیوں پیش کیں' عورتوں کو کیوں بے عصمت کیا گیا' اور لاکھوں افراد نے نئے ملک میں آنے کے لئے اپنا گھربار کیوں چھوڑا' کیا ان سب کے پاس رہنے کے لئے گھر نہ تھے یا وسائل نہ تھے' آپ یہ سوالات ان لوگوں سے پوچھیں جنہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا اور زبردست قربانیاں دینے کے بعد نیا ملک حاصل کیا تھا' یہ چشم دید گواہ آپ کو بتائیں گے ۱۴۰۰ سال قبل رسول اللہ ﷺ نے جو پیغام دیا تھا اپنی عملی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کے لئے ہم اسلام کے نام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے متحد ہوئے تھے' ہم اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے مختلف آزمائشوں اور مصائب سے گزرے۔ صدر نے کہا کہ پاکستان کے قیام کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کا قیام تھا اور نظریہ پاکستان کا مطلب اسلامی نظریہ تھا۔ تحریک پاکستان کے دوران اس نظریے سے برصغیر کا طول و عرض گونج اٹھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا' لا الہ الا اللہ" انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ اس مبارک موقع پر اس عہد کو تازہ کریں اور اپنے دلوں میں اسی روح کو پھونکیں جو قیام پاکستان کا سبب بنی تھی' جس نصب العین کے لئے پاکستان بنایا گیا لوگ ایک بار پھر اس کے لئے خود کو وقف کردیں۔ قیام پاکستان کے بعد تحریک پاکستان کو اور زیادہ مضبوط بنانا اور بھی ضروری ہوگیا ہے' لوگ ملک میں مکمل اسلامی نظام چاہتے ہیں' وہ ایک ایسے معاشرے کے قیام کی تمنا رکھتے ہیں جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو' لوگ ایک ایسے اسلامی سماجی اور اقتصادی نظام کے حامی ہیں جس کی بنیاد اسلامی انصاف اور افلاس' جہالت' مصائب اور استحصال کے خاتمے پر رکھی گئی ہو' انہوں نے ایک ایسے معاشرے کے قیام کی تمنا اور جدوجہد

کی تھی جہاں انہیں اپنے عقائد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی آزادی ہو۔ صدر نے کہا کہ کچھ کاموں کی تکمیل میں خاصا وقت لگتا ہے اور کچھ کام آسانی سے کم وقت میں ہو سکتے ہیں ان میں ایک کام قومی تشخص کو قائم کرنا اور فروغ دینا ہے لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے قومی تشخص پر فخر محسوس کریں' قومی تشخص کے کئی نشان ہوتے ہیں اور انہیں قوم کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہوتا ہے ان نشانات میں قومی لباس' قومی زبان' قومی پرچم اور قومی ترانہ شامل ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ قومی لباس پہنیں اور قومی زبان بولیں' اتحاد اور عظمت و وقار کے یہ نشانات کسی شخص کی داخلی خوبیوں کے آئینہ دار ہوتے ہیں انہیں اپنانا بڑی عزت اور وقار کی بات ہے یہ قوم کو سچا پاکستانی بننے میں مدد دیں گے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۵ر اگست ۱۹۸۱ء)

جناب صدر کے ان ایمان افروز خیالات سے ہر دردمند مسلمان اتفاق کرے گا' لیکن اس ضمن میں صرف اظہار خیال ہی کافی نہیں بلکہ ان اسباب کا انسداد بھی ضروری ہے جو پاکستان کو اسلامی معاشرہ میں ڈھالنے اور اسلامی نظام کے نفاذ سے مانع ہیں۔ ان میں سب سے اہم ترین سبب یہ ہے کہ خال خال افراد کے سوا' ہمارے یہاں کا سرکاری طبقہ دل سے اسلامی نظام اور اسلامی معاشرہ کا خواہاں نہیں ہے' بلکہ اسے رجعت پسندی کی علامت سمجھتا ہے۔ عوام کی اکثریت اگرچہ اسلام پر یقین رکھتی ہے' لیکن اس طبقہ کی بدولت قوم کا عمومی مزاج دین سے بے قیدی و آزادی بن گیا ہے جب تک اس طبقہ کی موثر اصلاح کی کوئی تدبیر نہ ہو اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی نظام کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ اگر جناب صدر واقعۃً پاکستان میں اسلامی انقلاب لانا اور اس ملک کو اس کے مقصود وجود سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ چھوٹے بڑے تمام سرکاری اہلکاروں کے لئے اسلامی شعائر کی پابندی لازم قرار دی جائے'

اور اس پابندی کو سرکاری ملازمت کے لئے اولین شرط قرار دیا جائے۔

انگریز کے دور حکومت سے ہمارے سرکاری حلقوں میں یہ خیال رچ بس گیا تھا کہ مذہب ہر شخص کا انفرادی وذاتی مسئلہ ہے' یہی خیال آج بھی سرکاری اہلکاروں میں کار فرما ہے' یہ خیال ایک لادینی ریاست میں تو شاید کوئی معقولیت رکھتا ہو لیکن پاکستان جیسی نظریاتی مملکت میں اس کا کوئی جواز نہیں۔ جس ریاست کے اہلکار' افسران اور ملازمین اسلامی شعائر کے پابند نہ ہوں وہ اسلامی ریاست کہلانے کی مستحق ہے اور نہ صبح قیامت تک وہاں اسلامی نظام پنپ سکتا ہے۔ اب ہمارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ اگر ہم اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہیں تو ہمیں اس کے راستے کے اس پتھر کو ہٹانا ہوگا' اور اگر صاحب صدر یہ محسوس فرماتے ہیں کہ سرکاری اہلکاروں پر اسلامی شعائر کی پابندی ممکن نہیں' بلکہ یہ معاملہ بدستور "رضاکارانہ" ہونا چاہئے' تو پھر اس عزم کا اظہار کہ ہم اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں عقل وفہم سے بالاتر چیز ہے۔

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں دوسری بڑی رکاوٹ خواتین کی عریانی وبے حجابی اور ناچ رنگ' گانے بجانے اور فلموں کے ایمان سوز اور روح فرسا مناظر ہیں' ٹیلی ویژن کی بدولت تو اب پورا ملک سینما ہال میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے گھروں سے جہاں تلاوت وذکر کی آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی بدولت قریباً ہر گلی کوچے سے بلکہ ہر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں انگلینڈ سے ایک خط موصول ہوا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ عبرت کے لئے اس کا متن یہاں درج کردیا جائے۔ مراسلہ نگار لکھتے ہیں :

" محترم مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

برائے نوازش مندرجہ سوالات پر اپنا فتویٰ صادر فرمائیں۔

پاکستان میں سینماؤں اور ٹیلی ویژن پر جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان میں جو ایکٹر' ایکٹرس' رقاصائیں' گویے اور موسیقی کے ساز بجانے والے کام کرتے ہیں' یہ ایکٹر' ایکٹرس اور رقاصائیں کسی زمانے کے

کنجروں اور میراثیوں سے بھی زیادہ بے حیائی و بے شرمی کے کردار پیش کرنے میں سبقت لے گئے ہیں۔ نیم برہنہ پوشاک پہن کر اداکاری کرتے ہیں' اور فلموں میں فرضی شادیاں بھی کرتے ہیں۔ کبھی وہی ایکٹرس ان کی ماں کا' کبھی بہن کا اور کبھی بیوی کا کردار ادا کرتی ہے۔ یہ لوگ اس معاش سے دولت کما کر حج کرنے بھی جاتے ہیں' اور بعض ان میں میلاد اور قرآن خوانی بھی کراتے ہیں' ظاہر ہے کہ مولوی صاحبان کو بھی مدعو کرتے ہوں گے' ان لوگوں کے ذمہ حکومت کی طرف انکم ٹیکس کے لاکھوں ہزاروں روپے واجب الاداء بھی ہیں' یہ لوگ حج سے آنے کے بعد بھی وہی کردار پھر اپناتے ہیں :

س ۱۔ .... یہ ایکٹر' ایکٹرس' رقاصائیں' گویے اور طبلے سارنگیاں بجانے والے وغیرہ جو اس معاش سے دولت کماتے ہیں کیا ایسی کمائی سے حج اور زکوۃ کا فریضہ ادا ہوتا ہے' کیا میلاد اور قرآن خوانی کی محفل میں ان معاش کے لوگوں کے ساتھ شامل ہونا' کھانا پینا وغیرہ شریعت اسلامی کی رو سے جائز ہے؟

س ۲۔ ــــ کیونکہ ان لوگوں کے کردار بے شرمی' بے حیائی کے برملا مناظر فلموں اور ٹیلی ویژن پر عام طور پر پیش ہوتے ہیں کیا شریعت اسلامی کی رو سے ان کے جنازے پڑھانے اور ان میں شمولیت جائز ہے؟

س ۳۔ ــــ کیا علماء کرام پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہ حکومت کو مجبور کریں کہ ایسی فلمیں سینماؤں اور ٹیلی ویژن پر ایسے لچر اور بے حیائی کے کردار دکھانے بند کئے جائیں' اور کیا خواتین کا فلموں میں کام کرنا جائز ہے؟

س ۴۔ کیا خواتین کے لئے ہاکی کھیلنا، کرکٹ کھیلنا، بال کٹوانا اور ننگے سر باہر جانا، کلبوں، سینماؤں یا ہوٹلوں اور دفتروں میں مردوں کے ساتھ کام کرنا، غیر مردوں سے ہاتھ ملانا، اور بے حجابانہ باتیں کرنا، خواتین کا مردوں کی مجالس میں ننگے سر میلاد میں شامل ہونا، ننگے سر اور نیم برہنہ پوشاک پہن کر نعت خوانی غیر مردوں میں کرنا اسلامی شریعت میں جائز ہے، کیا علما کرام پر واجب نہیں کہ وہ ان بدعتوں اور غیر اسلامی کردار ادا کرنے والی خواتین کے برخلاف حکومت کو انسداد کرنے پر مجبور کریں۔

والسلام

خیر اندیش خاکسار

محمد یوسف۔ انگلینڈ

خواتین کی عریانی اور فلمی کرداروں کی فحاشی ہماری نوجوان نسل کے ذہن کو جس طرح بگاڑ رہی ہے، اور اس کی صحت، اخلاق، تعلیم اور شرافت کو جس طرح تباہ کررہی ہے اگر اس کا کوئی جائزہ مرتب کیا جائے تو ہولناک نتائج سامنے آئیں گے، لیکن وائے بدقسمتی! کہ حکومت کی طرف سے نہ صرف یہ کہ معاشرے کے ان رستے ہوئے ناسوروں کے علاج کی کوئی تدبیر نہیں کی جارہی، بلکہ یہ سب کچھ حکومت کی سرپرستی اور آشیرباد سے ہورہا ہے۔ جاہلیت جدیدہ کے ان مظاہر کی موجودگی میں کیا اسلامی معاشرہ تشکیل پاسکتا ہے؟

ع ایں خیال است و محال است و جنون

ہمارا خیال ہے کہ ارباب اقتدار شاید ان جاہلی مراسم کو گناہ یا "بری بات" ہی تصور نہیں کرتے۔ اور نہ قوم کو ان سے بچانے کی ضرورت محسوس فرماتے ہیں، ورنہ کیا وجہ ہے کہ ایک طرف اسلامی نظام کے نفاذ کے عزائم کا بڑی بلند آہنگی سے اظہار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف یہ سب کچھ حکومت ہی کی سرپرستی میں ہورہا ہے۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

یہ تو وہ مظاہر تھے جن کا نظام اسلام سے قطعاً متصادم ہونا بالکل ظاہر ہے۔ بعض مظاہر ایسے بھی ہیں جو بظاہر بڑی نیک نیتی سے اسلامیت کا مظاہرہ کرنے کے لئے شروع کئے گئے ہیں لیکن واقعۃً ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

ان میں سے ایک ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اذان ہے' اسلام کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ شریعت نے اذان محض شوق یا لحن کا مظاہرہ کرنے کے لئے مشروع نہیں کی' بلکہ اسے نماز باجماعت کے لئے مشروع کیا گیا ہے' سوال یہ ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اذان آخر کس مد میں آتی ہے؟ اور لطف یہ ہے کہ جہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اذان نشر ہوتی ہے دوسرے ہی لمحہ وہاں سے راگ راگنی کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں' جو ایک پہلو سے اذان کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے' اور اس میں ایک قباحت یہ ہے کہ مثلاً لاہور سے عشاء کی اذان نشر ہو رہی ہے' جب کہ مغربی علاقوں میں نماز کا وقت نہیں ہوا ہوتا' بہت سے لوگ اذان سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں' اور قبل از وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر یہ "بدعت" اسی طرح جاری رہی تو بعید نہیں کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جماعت بھی ہونے لگے اور دور دراز کے لوگ اس جماعت میں شریک ہونے لگیں۔ اور یہ محض احتمال اور اندیشہ نہیں' بلکہ واقعات ہیں کہ امام حرم نے کراچی میں جماعت کرائی جسے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیا گیا' امام حرم کی اقتداء کی سعادت حاصل کرنے کے لئے حیدر آباد کے لوگوں نے اس جماعت میں اقتداء کی۔ صاحب صدر سے ہماری درخواست ہے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اذان کا بے مصرف سلسلہ بند کیا جائے۔

دوسرا مظاہرہ اس سال رمضان المبارک میں سرکاری شبینہ کے ٹیلی ویژن پر دکھانے کا تھا' اسلام آباد میں بھی اور کراچی میں بھی سرکاری اہتمام سے شبینہ کرایا گیا' اور اسے ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا' اس سے قطع نظر کہ تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے' اور ان کے لئے سخت ترین عذاب کی وعید سنائی ہے' سوال یہ ہے کہ ٹیلی ویژن پر شبینہ کا منظر دکھانا ریاکاری کے سوا اور کیا ہے' اور اس ریاکاری کی ضرورت کیا تھی؟۔

تیسرا مظاہرہ حج فلم کا ہے جو ایام حج میں ہر سال ٹیلی ویژن پر دکھائی جاتی ہے' یہ بھی شعائر اسلام کو لہو ولعب اور تفریح کا ذریعہ بناتا ہے' شروع میں جب حج فلم آئی تھی' علمائے کرام نے اس پر شدید احتجاج کیا تھا' مگر برائی جب عام ہوجاتی ہے تو رفتہ رفتہ کان اور آنکھیں مانوس ہوجاتی ہیں' اور قلوب سے اس کی نفرت مٹ جاتی ہے۔ ان مظاہر و مناظر کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں' بلکہ یہ اسلام کی ضد ہیں۔ ہماری درخواست ہے کہ خدا کے لئے اس امت پر رحم کیا جائے اور ان چیزوں کو بند کیا جائے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ صفوۃ البریۃ
سیدنا محمد وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین۔

(ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ)

نئی حکومت اور نفاذِ اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہمارے یہاں یہ بات معمولات سیاست میں شمار ہونے لگی ہے کہ انتخابات کے موقع پر نظریہ پاکستان کے تحفظ اور اسلامی نظام کے نفاذ کا نعرہ بڑی شدت و بلند آہنگی سے لگایا جاتا ہے، لیکن انتخابات میں کامیاب ہونے والے حضرات جونہی حریم اقتدار میں قدم رکھتے ہیں، یہ وعدے اور نعرے آئندہ انتخاب تک طاق نسیاں کی زینت بن جاتے ہیں۔ تحریک پاکستان سے ایوب خان کے بی۔ڈی نظام تک اور بھٹو صاحب کی عوامی سیاست سے صدر ضیاء کے ریفرنڈم اور غیر جماعتی سیاست تک ہر انتخاب کے موقع پر ہمیں پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الّا اللہ کی گونج سنائی دیتی رہی، لیکن عملاً کیا ہوا؟ وہ سب کے سامنے ہے، اور شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے وقت ہم اسلام کے جتنے قریب تھے، اب اڑتیس سال بعد (اپنے حکمرانوں کی اسلام پسندی کی بدولت) اس سے سینکڑوں میل دور جا چکے ہیں، اڑتیس سالہ تجربہ شاہد ہے کہ اسلامی نظام کا نعرہ ہمارے اہل سیاست و اہل حکومت کے نزدیک بام اقتدار کے زینہ کی حیثیت رکھتا ہے، جسے اقتدار کے ایوان بالا میں پہنچنے کے بعد فوراً اٹھا دیا جاتا ہے۔ نئی منتخب حکومت نے بھی اسلام کا انتخابی نعرہ استعمال کیا (اور آئندہ جب بھی حکومت کو کبھی کسی گرم ہوا کا اندیشہ لاحق ہوا یہ مقدس نعرہ ضرور استعمال کیا جائے گا) اس لئے بہت سے خوش فہم یہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ نئی حکومت اسلام کا مکمل نفاذ کرے گی۔ جناب صدر نے بھی علماء و مشائخ کانفرنس میں بڑی نیک تمناؤں کے ساتھ فرمایا تھا کہ "آپ (علماء و مشائخ) نفاذ اسلام کے لئے تجاویز پیش فرما رہے ہیں، منتخب عوامی

نمائندے اسی ایوان (قومی اسمبلی) میں بیٹھ کر نفاذ اسلام کی تکمیل کریں گے" لیکن جوں جوں نئی حکومت کے پاؤں جمتے نظر آتے ہیں اسلام کا نام چھپتا نظر آتا ہے' چنانچہ قومی اسمبلی کے بجٹ سیشن میں دنیا بھر کے مسائل پر اظہار خیال ہوا' لیکن ایک غریب اسلام تھا کہ اس کی پرچھائیں کہیں دور دور بھی نظر نہیں آئی۔ اہل تجربہ تو شروع ہی سے کہہ رہے تھے۔

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لیکن عام لوگ بھی دیکھ لیں گے کہ جس دن موجودہ حکومت کی میعاد پوری ہو گی' اس دن ہم آج کی بہ نسبت اسلام سے مزید کچھ دور ہو گئے ہوں گے۔

صدر ضیاء کے "اسلامی مارشل لاء" سے بہت سے لوگوں کو توقع تھی (جن میں ان سطور کا راقم بھی شامل ہے) کہ یہ اسلام کے لئے کچھ نہ کچھ کر گزرے گا' لیکن اب جب کہ مارشل لاء کا پیمانہ عمر لبریز ہو رہا ہے ہم اپنے نفع نقصان پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ:

خود غلط بود آنچہ ماپندا شتیم

جناب صدر نے نفاذ اسلام کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کی ہو گی' لیکن بقول مولانا محمد یوسف دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سابق امیر تبلیغ کے "ان لوگوں کو نفاذ اسلام کے لئے کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ جنبی کو نماز پڑھانے کے لئے کہا جائے" جناب صدر جس قسم کا اسلام اس ملک میں لانا چاہتے ہیں وہ بھی ان کے عملی اقدامات سے واضح ہے' یعنی جس میں موسیقاروں کو آلات موسیقی عطا کئے جائیں 'خواتین کی ہاکی ٹیمیں مقابلوں کے لئے بیرون ملک بھیجی جائیں۔ وغیرہ وغیرہ:

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

حوادث کا تسلسل

نئی منتخب حکومت ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ہم پر پے در پے حوادث کی یورش ہونے لگی اور حکومت کو غیر متوقع طور پر کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کراچی کے ایک ٹریفک حادثہ کے نتیجہ میں جو واقعات رونما ہوئے اور جن کی شاخیں ابھی تک پھوٹتی نظر آتی ہیں) ان کو عذاب الٰہی سے تعبیر کرنا کسی طرح غیر موزوں نہ ہوگا' فسادات حکومت کے قابو سے باہر ہو گئے تو کرفیو نافذ کرنا پڑا اور مخلوق خدا ایک عرصہ تک کرفیو کے حبس میں رہی' اس عرصہ میں لوگوں کو بنیادی ضروریات کے حصول میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا اندازہ شکم سیر امراء کیسے کر سکتے ہیں۔

فسادات کی آگ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو کراچی پر پانی کا قحط نازل ہوا' لطف یہ کہ اس عذاب کا نزول عین رمضان میں ہوا۔ اسی کے ساتھ بجلی کی لوڈ شیڈنگ ۔گویا رحمت کا مہینہ اہل کراچی کے لئے ہوا اور پانی سے محرومی کا مہینہ تھا۔ ان مسائل سے ذرا فرصت ملی تو نہری پانی کی تقسیم کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس مسئلہ میں پنجاب اور سندھ کے وزرائے اعلیٰ کے بیانات سے ایسی فضا پیدا ہوئی گویا روس اور امریکہ ایک دوسرے کو الٹی میٹم دے رہے ہیں' خشک سالی 'غذائی قلت' پانی اور بجلی کی قلت 'اخلاق و مروت کی قلت 'ہمدردی و خیر خواہی کی قلت وغیرہ وغیرہ ایسے حوادث ہیں جو نئی حکومت کا استقبال کر رہے ہیں۔ پردہ مستقبل میں کیا پوشیدہ ہے اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے تاہم بادلوں کو دیکھ کر بارش کے امکان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن افسوس کہ نہ حکومتی سطح پر اور نہ عوامی سطح پر ان واقعات سے کوئی عبرت نہیں' توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ کے کوئی آثار نہیں' درج ذیل آیت کریمہ اگرچہ منافقین کے حق میں تھی 'لیکن اسے موجودہ حالات پر منطبق کیجئے تو ایسا لگتا ہے گویا آج ہی ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

او لا یرون انهم یفتنون فی کل عام مرة او مرتین ثم لا یتوبون ولا هم یذکرون۔

(التوبہ ۱۲۶)

ترجمہ": کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہر برس میں ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔"

(ترجمہ شیخ الہند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ و آزمائش میں ڈالا جاتا ہے' مثلاً قحط' بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی و سماوی میں مبتلا ہوتے ہیں' یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زبانی ان کا نفاق علانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جہاد و جنگ کے وقت ان کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسے بے حیا اور بدباطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں' نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں"۔

نئی حکومت کے آغاز پر ان حوادث کا ظہور اسی فتنہ و آزمائش کی ایک کڑی ہے جو ہم سے توبہ و نصیحت پذیری کا مطالبہ کرتا ہے' اور نفاق اور دوغلے پن کے ترک کی دعوت دیتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ' ہمیں عقل و ایمان نصیب فرمائیں' اور توبہ و انابت کی توفیق بخشیں۔

بینات شوال ۱۴۰۵ھ

پاکستان میں
اسلام کا آفتاب کب طلوع ہوگا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد

۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے ۱۱ بج کر ۳۳ منٹ پر مارشل لاء اٹھانے کا اعلان کیا اور وزیر اعظم جناب محمد خان جونیجو نے بڑی مسرت سے اعلان فرمایا کہ آج ملک میں جمہوریت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے' اور عوام کے بنیادی حقوق' جو بیس سال سے معطل چلے آ رہے تھے آج ان کو واپس دیئے جا رہے ہیں۔ حکومت سے باہر کے سیاستدانوں کے نزدیک ابھی تک ملک کا سیاسی مطلع غبار آلود ہے۔ تاہم جمہوریت کا آفتاب طلوع ہونے پر ہم جمہوریت کے پرستاروں کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ارباب اقتدار 'علمائے کرام' اور ملک کے عوام سے یہ سوال کرنا چاہتے ہیں کہ "پاکستان میں اسلام کا آفتاب کب طلوع ہوگا؟" اور ہماری عدالتوں میں اسلامی قانون کے جو حقوق ۳۸ سال سے معطل چلے آ رہے ہیں ان کو کب بحال کیا جائے گا؟ یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ تقسیم سے پہلے انگریز کا بنایا ہوا لادینی قانون جو "تعزیرات ہند" کے نام سے نافذ تھا' قیام پاکستان کے بعد اسی کو "تعزیرات پاکستان" کے نام سے مسلمانوں پر مسلط کر دیا گیا۔ ارباب اقتدار کی طرف سے وعدے ہوتے رہے کہ اس عبوری قانون کی جگہ بہت جلد اسلامی قانون نافذ کیا جائے گا۔ اس کے لیے "اسلامی تعلیمات بورڈ" بٹھائے گئے' اسلامی نظریاتی کونسلیں بنائی گئیں' کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ رپورٹیں مرتب ہوئیں' لیکن ان تمام نمائشی عوامل کے باوجود محاکم عدلیہ میں انگریز کا کافرانہ قانون

جوں کا توں نافذ ہے۔ (ا)سوال یہ ہے کہ ہمارے محاکم عدلیہ کو انگریز کے ظالمانہ و جابرانہ قانون سے کب نجات دلائی جائے گی؟ ملک میں جمہوریت کا آفتاب طلوع ہونے کی خوشخبری دینے والے وزیراعظم سے اسلام یہ پوچھتا ہے کہ ملک میں اسلام کا آفتاب کب طلوع ہوگا؟ عوام کے حقوق کا اعلان کرنے والے وزیراعظم سے خدا و رسولؐ یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس ملک میں خدا و رسولؐ کے غصب شدہ حقوق کب واپس دلائے جائیں گے؟

یہ ایک سوال ہے' اور اس کا جواب آج نہیں تو کل صدر مملکت کو' وزیراعظم کو' ان کی کابینہ کے وزراء کو' قومی اسمبلی اور سینیٹ کے ممبران کو' سیاستدانوں کو' جج صاحبان کو' وکلاء کو' علماء کو اور ملک کے دیگر تمام بااثر طبقات اور افراد کو دینا ہوگا؟

ہمارا جرم صرف یہی نہیں کہ ہم نے اب تک (تمام اختیار و اقتدار کے باوجود) اس ملک کو قانون اسلام سے محروم رکھا' بلکہ اس سے بدتر جرم یہ ہے کہ اسلامی قانون کو بنظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔ اسے دقیانوسی سمجھا جاتا ہے اور برملا یہ کہا جاتا ہے کہ بارہ چودہ سو سال کے دقیانوسی قانون جدید معاشرے میں جوں کے توں کیسے نافذ ہو سکتے ہیں۔ ان کو معاشرہ پر منطبق کرنے کے لیے اصلاح و ترمیم اور اجتہاد کی ضرورت ہے۔ یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہمارے محاکم عدلیہ نے (انگریز کے کافرانہ قانون کے تحت فیصلے کر کے) عدل و انصاف کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ ـــــ قانون اسلام کو نافذ کرنا اگر فسق اور عملی کفر تھا تو اسلامی قانون کی تحقیر کرنا' اس میں اصلاح و ترمیم کی ضرورت سمجھنا اور اس کے مقابلے میں انگریز کے قانون کفر کو عدل و انصاف کا پرچم بلند کرنے والا سمجھنا

....

(اور جو کہیں جزوی ترمیمات کی گئی ہیں وہ اصل سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ان میں قرآن وسنت کی صریح تحریفات کو "اسلامی قانون" کا نام دیا گیا ہے' جس کی واضح مثال عائلی قانون ہے' جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مقابلہ میں "ایوب خان کی شریعت" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ بدقسمتی سے اب ملک میں ایوب خان کی شریعت بھی نافذ ہے۔

خالص اور صریح کفر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کا اعلان یہ ہے:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فا ولٰئک ہم الکا فرون

(مائدہ: آیت ۴۵)

ترجمہ: اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا سو وہی لوگ کافر ہیں (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فا ولٰئک ہم الظا لمون

(مائدہ آیت ۴۵)

ترجمہ: "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فا ولٰئک ہم الفا سقون

(مائدہ: آیت ۴۷)

ترجمہ: "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں فاسق۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ پہلی آیت کریمہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"ماانزل اللہ کے موافق حکم نہ کرنے سے غالباً یہ مراد ہے کہ منصوص حکم کے وجود ہی سے انکار کر دے اور اس کی جگہ دوسرے احکام اپنی رائے اور خواہش سے تصنیف کرلے، جیسا کہ یہود نے حکم "رجم" کے متعلق کیا تھا، تو ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ ماانزل اللہ کو عقیدۃً ثابت مان کر پھر فیصلہ اس کے خلاف کرے تو کافر سے مراد "عملی کافر" ہوگا یعنی اس کی حالت کافروں جیسی ہے"۔

جو لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہمارے محاکم عدلیہ عدل و انصاف کا پرچم بلند کر رہے ہیں وہ شاید عدل و انصاف کے مفہوم ہی سے ناآشنا ہیں عدل و انصاف کے معنی ہیں:

"صحیح قانون کے مطابق صحیح فیصلہ کرنا"۔

اگر ملک میں صحیح قانون نافذ ہو اور جج نے پوری دیانتداری سے بغیر کسی رو رعایت کے اس قانون کے مطابق فیصلہ کیا ہو تو یہ فیصلہ عدل و انصاف کا فیصلہ کہلائے گا' لیکن اگر ملک میں صحیح قانون ہی نافذ نہ ہو بلکہ عدالت "قانون کفر" کے مطابق فیصلہ کر رہی ہو تو یہ عدل و انصاف نہیں بلکہ ظلم و جور ہے۔ اسی بناء پر قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو "فاولئک هم الظالمون" کا خطاب دیا ہے۔

ایک شرانگیز اداریہ

ایک گمنام روزنامہ "حیدر" راولپنڈی ۲۶ نومبر ۱۹۸۵ء کے اداریہ کا تراشہ ہمیں موصول ہوا ہے جسے محتاط الفاظ میں "شرانگیز" کہا جا سکتا ہے۔

"دینی مدارس"

صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی ایک حالیہ تقریر میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق کی قباحتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے بجا طور پر فرمایا ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس سے پڑھ کر نکلنے والوں کے لیے ذریعہ معاش تلاش کرنا خاصا دشوار ہو گیا ہے' اس دشواری کی وجہ ظاہر و عیاں ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں جو تقریباً سب ہی نجی ہاتھوں میں ہیں ایسی تعلیم دی جاتی ہے کہ جو نہ تو دفتری نظام میں کام دے سکتی ہے نہ ہی کارخانوں یا کاروباری اداروں کی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر مناسب ہو گا کہ یا تو ان تمام اداروں کو بند کر دیا جائے کہ جہاں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے یا پھر ان کے مالکوں و منتظمین کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے ہاں دینی علوم کے ساتھ وہ سارے

مضامین پڑھانے کا انتظام کریں جو عام اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔
جہاں تک ہماری رائے کا تعلق ہے ہم یہ چاہیں گے کہ دینی مدارس بند کر دیئے جائیں کیونکہ ایسے اقدام سے کسی نقصان کا احتمال یوں نہیں ہو سکتا کہ اب الحمدللہ تمام اسکولوں و کالجوں کے نصاب میں اسلامیات کے مضمون کو شامل کیا جا چکا ہے نجی طور پر چلائے جانے والے دینی مدارس کو بند کر دینے سے وہ کثیر رقم بھی بچ جائے گی جو انہیں زکوٰۃ فنڈ سے دی جا رہی ہے' یہ بچت کی رقم اگر محکمہ تعلیم کو دے دی جائے تو اسے نئے اسکول قائم کرنے میں سہولت ہو گی۔

دینی مدارس کی بندش سے ان کے مالکوں کو جو مالی نقصان ہو گا اس کی تلافی کے لئے انہیں اگر چند ایکڑ زرعی زمین تحفتاً دے دی جائے تو نہ صرف ان کی روزی کا متبادل انتظام ہو جائے گا بلکہ ملک کی زرعی پیداوار بڑھانے میں بھی مدد ملے گی"۔

اخبار کا نام ہی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اخبار کا مالک اور ایڈیٹر کس قماش کا آدمی ہے اور اس کا تعلق کس بددین اور ملحد فرقے سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے "دینی مدارس" کے خلاف اس کی شرانگیزی و زہرافشانی پر ہمیں ذرا بھی تعجب نہیں۔ ہمارے لیے جو چیز موجب حیرت ہے وہ یہ کہ یہ اداریہ اگر ارباب اقتدار کے اشارہ چشم و ابرو سے نہیں لکھا گیا تب بھی یہ تو ظاہر ہے کہ یہ ارباب اقتدار کی ٹھوڑی کے نیچے بیٹھ کر لکھا گیا اور راولپنڈی سے شائع کیا گیا ہے۔ ہم اداریہ نویس کو تو مرفوع القلم سمجھتے ہیں اس لئے اس کی ہذیان سرائی کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ لیکن ارباب اقتدار کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ایسی احمقانہ بلکہ مجنونانہ تحریروں سے ملک و ملت میں شر و فساد کے دہانے کھلیں گے اور یہ سودا حکومت کو مہنگا پڑے گا۔ حکومت کو چاہئے کہ ملک بھر کے "دینی مدارس" اور علمائے کرام کی ہتک عزت کے جرم میں اس اخبار پر مقدمہ چلائے' اس کا ڈیکلریشن منسوخ کرے۔ اور اس کے یا وہ گو ایڈیٹر کو سزا دے۔ لیکن اگر حکومت ان نازک ترین حالات میں ملک

بھر کے دینی مدارس اور علمائے کرام سے پنجہ آزمائی کا ارادہ رکھتی ہے تو بصد شوق اس کا بھی تجربہ کر دیکھے۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
بادُرد کشاں ہر کہ در افتاد برافتاد

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بینات شوال ۱۴۰۶ھ

شریعت بل... نیا صدارتی ارشاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہندوستان و پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک بزرگ نے فرمایا تھا "ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل مخدوش ہے' اور پاکستان میں اسلام کا"" یہ پیش گوئی صد فی صد صحیح نکلی' ہندوستان کی آزادی کو چالیس سال ہونے کو آتے ہیں لیکن ہندوستان میں آج تک مسلمانوں کو قرار و سکون نصیب نہیں ہوا۔ وہ آئے دن بے رحم اکثریت کے سفاکانہ حملوں اور بلووں کا نشانہ بنتے چلے آئے ہیں' جو حالت ہندوستان میں مسلمانوں کی ہے قریب قریب وہی پاکستان میں اسلام کی ہے۔ ہندوستان میں مسلمان مظلوم ہیں اور پاکستان میں اسلام مظلوم ہے۔ وہاں مسلمان جارح اکثریت کے جور و ستم کا تختہ مشق بنا ہوا ہے اور یہاں کے ارباب اقتدار اسلام پر مشق ناز فرما رہے ہیں۔

جنرل محمد ضیاء الحق نے کرسی اقتدار پر تشریف فرما ہوتے ہی جس بلند آہنگی' جس تسلسل اور بظاہر جس اخلاص و ایقان کے ساتھ نفاذ اسلام کا نعرہ لگایا' اس سے کچھ آس بندھ چلی تھی کہ شاید ان کا اور ان کی انتظامیہ کا رویہ مثبت ہوگا' اور یہ بہادر سپاہی نفاذ اسلام کا معرکہ سر کرکے ہی دم لیں گے لیکن :

ما زیاران چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

مارشل لاء کے آٹھ سالہ دور اور اس کے بطن سے جنم لینے والی سول حکومت کے یک سالہ وقفہ میں جیسا کچھ اسلام نافذ ہوا ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ "عیاں

راچہ بیاں"۔

آج تک ضیاء حکومت کو یہ دو حرفی قانون نافذ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ "آج سے تمام غیر اسلامی قوانین منسوخ کئے جاتے ہیں' آئندہ تمام عدالتیں شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی۔" سوال یہ ہے کہ نو سالہ دور میں صدر اگر اسلام اور اسلامی شریعت کے حق میں یہ دو حرفی فرمان بھی جاری نہیں کر سکے تو ان سے یا ان کی انتظامیہ سے "پاسبانی اسلام" کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔؟

جنرل ضیاء خدا تعالیٰ کے سامنے یہ عذر بھی پیش نہیں کر سکتے کہ ان کے اختیارات محدود تھے کہ وہ تو اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تھے مگر انہیں اپنے محدود اختیارات کی بنا پر اس کی قدرت نہیں تھی' ان کا یہ عذر اس لئے صحیح نہیں کہ وہ آٹھ سال تک پاکستان اور پاکستانی عوام کے سیاہ و سفید کے بلا شرکت غیرے مالک رہے ہیں۔ اس عرصہ میں سول اور فوج کے اقتدار کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہی ہیں' اگر وہ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے تو کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں تھا۔

قریباً" چھ مہینے ہوئے ہیں کہ جناب قاضی عبداللطیف صاحب اور جناب مولانا سمیع الحق صاحب نے "شریعت بل" کے نام سے ایک مسودہ "سینٹ" میں پیش کیا تھا وہ مختلف کمیٹیوں کے مراحل سے گزرتا ہوا جب بحث اور منظوری کے لئے ایوان کے سامنے پیش ہوا تو اسلام کے علمبرداروں نے اسے "عوام کی رائے" معلوم کرنے کے لئے مشتہر کر دیا اس طرح نفاذ اسلام کے مسئلہ کو پھر سرد خانے میں ڈال دیا گیا۔ گویا کچھ عرصہ کے لئے یہ بلا سر سے ٹل گئی :

بلائے رسیدہ بود ولے بخیر گزشت

اور اس کو عوام میں مشتہر کرنے کا مستقل فائدہ یہ ہوا کہ نفاذ اسلام کا مسئلہ متنازعہ فیہ بن جائے گا' اور ارباب اقتدار کو ہمیشہ کے لئے اس کے دفن کرنے کا بہانہ

ہاتھ آجائے گا۔

نفاذ شریعت کے مسئلہ کو "عوام کی عدالت" میں پیش کرنا در حقیقت شریعت الٰہی کی تذلیل ہے اور یہ ایک ایسا جرم ہے جس پر سلب ایمان کا اندیشہ ہے۔ اس سے انگریزوں کے ابتدائی دور کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ جب انہوں نے اسلامی قانون کو معطل کر کے اپنا قانون عدالتوں کو دیا تھا' اور تقسیم وراثت کے بارے میں "عوام کی رائے" معلوم کرنے کے لئے یہ پوچھا تھا کہ وہ وراثت کی تقسیم "محمڈن لا" کے مطابق چاہتے ہیں یا رواج (یعنی انگریزی قانون) کے مطابق؟ اس وقت کے جاگیردار و سرمایہ دار اور دانشور طبقہ نے عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں "محمڈن لاء" نہیں چاہئے' رواج چاہئے۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جن لوگوں نے اس وقت یہ بات کہی بتاؤ وہ مسلمان کیسے رہے؟ انگریز خود کافر تھا اور اس کا مقصد خود مسلمانوں کے ہاتھوں شریعت کی (جس کو وہ محمڈن لاء کہتے تھے) تذلیل کرا کر انہیں ایمان سے محروم کرنا تھا۔ اسی تاریخ کو آج سینٹ میں دہرایا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ سینٹ کے چیئرمین اور ارکان مسلمان ہونے کے مدعی ہیں۔

بہرحال عوام نے اپنی رائے کا بھرپور اظہار کر دیا اور ملک کے گوشے گوشے سے "شریعت بل" کی حمایت میں بیانات دیئے گئے' قرار دادیں منظور کی گئیں' لاکھوں افراد کے دستخط "سینٹ" کو بھیجے گئے' جس سے واضح ہوا کہ کوئی مسلمان جو اس ملک میں اسلام کی بالا دستی اور شریعت کے نفاذ کا خواستگار ہے وہ "شریعت بل" کا مخالف نہیں۔ البتہ شیعہ' مرزائی' کمیونسٹ اور لا دین طبقوں کی طرف سے اس بل کی مخالفت کی گئی ہے' اور اس مخالفت کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں کہ اگر یہ بل منظور ہو گیا تو ان کے

سفید آقا کے نافذ کردہ قوانین کی جگہ عدالت میں اسلامی قانون نافذ ہو جائے گا۔ اور یہ ان کو کسی طرح گوارا نہیں۔ بہرحال اس بل کے مخالف صرف وہ طبقات ہیں جو جلی یا خفی طور پر اسلام کے دشمن اور محمد رسول اللہ کے غدار ہیں۔

ہم نے پہلے لکھا تھا کہ اس بل کی تشہیر کا مقصد صرف یہ ہے کہ لادین طبقات اس کے خلاف اظہار رائے کریں' اور ارباب اقتدار کو یہ کہہ کر گلو خلاصی کا موقع مل جائے کہ کیا کیجئے "عوام" اس پر متفق نہیں' چنانچہ یہی ہوا۔

اب ۲۸ مئی کے اخبارات کے مطابق صدر محترم جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کو حکم فرمایا ہے کہ:

" اسلامی نظریاتی کونسل "شریعت بل" پر سفارشات پیش کرے' بل میں اگر نقائص ہیں تو انہیں دور کیا جائے۔"

لیجئے "شریعت بل" کے سلسلہ میں عوام کی رائے معلوم کرنے کا چکر خدا خدا کر کے ختم ہوا تھا' تو جناب صدر کے اس حکم سے دوسرا چکر شروع ہو گیا۔ اب پہلے "اسلامی نظریاتی کونسل" اس پر اپنی سفارشات مرتب کرے گی' پھر ان سفارشات پر ایوان میں بحث ہو گی' اول تو یہی معلوم نہیں کہ چشم بددور اسلامی نظریاتی کونسل کو سفارشات مرتب کرنے میں کتنا عرصہ لگے گا' پھر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان' جن میں شیعہ' منکرین حدیث اور بے دین قسم کے لوگ بھی شامل ہیں' اس بل کا کیا حلیہ بگاڑیں گے؟ اور یہ کہ ان کی سفارشات بالاتفاق ہوں گی' یا اکثریت کی بنیاد پر' اور اگر بالاتفاق ہوں گی تو یہ اتفاق حق پر ہو گا (جس کی ایک فیصد بھی توقع نہیں) یا باطل پر؟ اور پھر جب یہ ایوان میں زیر بحث آئیں گی تو ان کا کیا حشر ہو گا؟ اس پورے چکر میں مزید کتنا عرصہ لگے گا۔ اور اتنے عرصہ تک کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ اقتدار اور اس کے قائم کردہ اداروں کا پیمانہ حیات لبریز اور وقفہ

مہلت ختم نہیں ہو جائے گا؟ یہ دور گیا تو آئندہ "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت" کا مضمون ہو گا۔ یہ وہ چکر ہے جو اس ملک میں چالیس سال سے چل رہا ہے۔ جس طرح چالیس سال تک اسلام پاکستان میں قدم نہیں رکھ سکا' اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ بھی کسی چالیس سالہ دور میں اسلام کو یہاں قدم رنجہ فرمائی کی زحمت نہیں دی جائے گی۔ ہاں! اسلام کے نام پر اسلام کے مسخ و تحریف کا سلسلہ ضرور جاری رہے گا' خالص کفرو الحاد کو اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا رہے گا' جیسا کہ ایوب خان نے اپنے دور کے ابوالفضلوں اور فیضیوں سے ایک نئی شریعت تصنیف کرائی (جو اسلام کے سراسر خلاف تھی) اور اسے "مسلمانوں کا عائلی قانون" کے نام سے نافذ کر دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں کے ارباب حل و عقد نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص نہیں وہ پاکستان میں اسلام کو نہیں آنے دیں گے۔ ہرگز نہیں آنے دیں گے۔ کبھی نہیں آنے دیں گے۔ یہ لوگ اسلام کا نام صرف اس لئے لیتے ہیں کہ اس کے بغیر مسلمان ملک میں کرسی اقتدار پر قابض رہنا ممکن نہیں۔ اگر ان کو اطمینان ہو کہ اسلام سے کھلی بغاوت کرنے اور کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے کے بعد بھی وہ برسر اقتدار رہ سکتے ہیں تو انہیں اسلام کے نام سے بھی کوئی دل چسپی نہ ہو گی۔ اگر یہ لوگ اسلام کے مخلص و وفادار ہوتے تو چالیس سال تک اس ملک خداداد کو اسلام کی نعمت سے محروم نہ رکھتے۔ امام الاولیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہ و نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ "ایک سال کے لئے ملک کا نظم و نسق مکمل طور پر میرے حوالے کر دو' میں تمہیں اسلام نافذ کر کے دکھا دوں گا۔" یہ بات آج بھی بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے۔ اگر جنرل محمد ضیاء الحق' جناب محمد خان جونیجو اور ان کے اعوان و انصار نفاذ اسلام کے بارے میں مخلص ہیں۔ مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے معاشرے میں اسلام کیسے نافذ کر دیا جائے' تو وہ مولانا احمد علی

صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے قول کا تجربہ کرلیں۔ ایک سال کے لئے اقتدار کسی عالم ربانی کے حوالہ کردیں۔ انشاء اللہ اسلام مکمل طور پر نافذ ہو جائے گا' اور ایک سال کے بعد آپ کی امانت (اقتدار) آپ کے حوالے کردی جائے گی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا ومولانا محمدن النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم:

(بینات شوال ۱۴۰۶ھ)

نفاذِ شریعت بل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد

اسلام وہ نعمت کبریٰ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بنی نوع انسان کی سعادت کے لئے عطا فرمائی' خالق فطرت نے یہ دین انسانی فطرت کے مطابق تجویز فرمایا ہے' اور یہ فطرت صحیحہ کا معیار ہے جو لوگ اسلامی احکام و قوانین کی تعمیل کریں گے وہ گویا اپنی فطرت کی آواز پر لبیک کہیں گے' اور جو لوگ اسلامی احکام و قوانین سے انحراف کریں گے وہ اپنی فطرت کو مسخ کریں گے' قرآن کریم میں ہے:

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذالک الدین القیم 'ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (الروم)

ترجمہ :"وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو' بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو' یہی ہے دین سیدھا لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔"

(ترجمہ : حضرت شیخ الہندؒ)

ایک مومن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ خدا اور رسول کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کردے 'اور خدا و رسول کے حکم کے مقابلے میں کسی مصلحت' کسی خواہش 'کسی رائے اور کسی مفاد کا لحاظ نہ کرنے' قرآن کریم میں ہے :

وما كان لمومن ولا مومنة اذا قضى الله ورسوله
امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم' ومن يعص الله
ورسوله فقد ضل ضلا لا مبينا۔

ترجمہ :"اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جب کہ
مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے اختیار اپنے کام
کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی سو وہ راہ بھولا
صریح چوک کر۔"

(ترجمہ : حضرت شیخ الہندؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

كل امتى يدخلون الجنته الا من ابى 'قالوا
يا رسول الله !من يا بى ؟قال من اطاعنى دخل الجنة
ومن عصانى فقدابى۔

(صحیح بخاری ص ۱۰۸۱ 'ج ۲)

ترجمہ :

میری امت کے تمام لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر جس نے انکار کر
دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ !انکار کون کرتا ہے۔ فرمایا 'جس نے
میرا حکم مانا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس
نے انکار کر دیا۔

الغرض ایک مسلمان کے لئے سب سے بالاتر قانون خدا اور رسول کا حکم ہے' جس
سے انحراف اور پہلوتہی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن دور جدید کے اسلامی ممالک کی
کیفیت عجیب و غریب ہے۔ بیشتر اسلامی ممالک کی زمام اختیار ایسے لوگوں کے قبضہ میں ہے
جو زبان سے اسلام کا نعرہ بڑی بلند آہنگی سے لگاتے ہیں' لیکن ایک سچے مسلمان کی طرح
خدا و رسولؐ کے احکام کے نفاذ کے لئے وہ کسی طرح آمادہ نہیں ۔ان کی تمام تر طاقت و

صلاحیت اس پر صرف ہو رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی زمین پر خدا تعالیٰ کا نازل کردہ عادلانہ نظام شریعت نافذ نہ ہو' اگر خدا و رسولؐ کی شریعت کے کسی حکم کو نافذ کرنے پر آمادہ بھی ہوتے ہیں تو اس میں اپنی خواہشات کے سو سو پیوند لگا کر اسے مسخ شدہ شکل میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

دیگر اسلامی ممالک سے قطع نظر خود مملکت خداداد پاکستان کو دیکھ لیجئے۔ یہ ملک صرف اور صرف نفاذ اسلام کے نعرے کے ساتھ حاصل کیا گیا تھا۔ تحریک پاکستان کا منظر جنہوں نے دیکھا ہے انہیں یاد ہو گا کہ گلی گلی "پاکستان کا مطلب کیا : لاالہ الااللہ" سے گونج رہی تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد ہمارے حکمرانوں نے اسلام سے بے وفائی' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری اور خدا تعالیٰ سے مسلسل عہد شکنی کی' یہاں مختلف مزاج کے حکمران آئے' ان کے درمیان کوئی قدر مشترک نہ تھی' تھی تو صرف ایک' یعنی اسلام سے بے وفائی و طوطا چشمی۔ چنانچہ یہاں کے کسی حکمران کو (تمام تر اقتدار کی طاقت حاصل ہونے کے باوجود) خدا کی زمین پر خدا کا قانون نافذ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ بلکہ انہوں نے نفاذ شریعت کے مطالبہ کو ہر ممکن طریقہ سے ٹالنے کی کوشش کی۔ ہمارے ارباب اقتدار نعرے اسلام' اسلام کے لگاتے رہے' لیکن ان کی عدالتوں میں قانون کفر کا سکہ جاری رہا۔ نتیجہ آج چالیس سال بعد بھی اسلام "ملک بدر" ہے۔ حکومت کے قریباً سبھی شعبے اور محکمے اسلام سے بے نیاز ہیں' یہاں اقلیتوں کے حقوق کی شنوائی ہے۔ لیکن ایک غریب اسلام ایسا ہے کہ اس کی کہیں شنوائی نہیں۔ اگر غیر مسلموں کی جانب سے اسلام کے ساتھ یہ ناروا سلوک روا رکھا جاتا تو محل تعجب نہ تھا۔ لیکن حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے ساتھ یہ سلوک خود مدعیان اسلام کی طرف سے کیا جا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس صورتحال کا ماتم کن الفاظ میں کیا جائے اور اس "جدید نفاق" کی شکایت کس سے کی جائے؟ فالی اللہ المشتکیٰ۔

ہمارے حکمران اسلام سے پہلو تہی کے بہانے کس کس طرح تراشتے ہیں! اس کی

تازہ مثال وہ "نفاذ شریعت بل" ہے جو قاضی عبداللطیف صاحب اور مولانا سمیع الحق صاحب کی جانب سے "سینیٹ" میں پیش کیا گیا اور جسے "عوام کی رائے" معلوم کرنے کے لئے "سینیٹ" نے اخبارات میں مشتہر کیا ہے۔ اس کا متن اخبار جنگ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

سینیٹرز قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق کی جانب سے سینیٹ کے اجلاس میں پیش کردہ نفاذ شریعت بل

" اسلام آباد (جنگ نیوز) سینیٹر قاضی عبداللطیف اور مولانا سمیع الحق نے ۱۳ جولائی ۱۹۸۵ء کو منعقدہ سینیٹ اجلاس میں نفاذ شریعت بل ۱۹۸۵ء پیش کیا۔ بل پہلے قائمہ کمیٹی اور بعد ازاں ۱۰ نومبر ۱۹۸۵ء کو منتخب کمیٹی کو بھیج دیا گیا۔ اس کمیٹی نے ۱۲ دسمبر ۱۹۸۵ء کو اپنی رپورٹ ایوان میں پیش کی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۸۶ء کو یہ بل منتخب کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں سینیٹ کے زیر غور لایا گیا۔ سینیٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بل پر رائے عامہ حاصل کرنے کے لئے اسے مشتہر کیا جائے جو شخص ادارہ انجمن یا کوئی تنظیم اس بل کی تمام یا اس کی کسی دفعہ پر رائے کا اظہار کرنا چاہے وہ اپنی رائے سیکریٹری سینیٹ سیکریٹریٹ بینک دولت پاکستان بلڈنگ اسلام آباد کو زیادہ سے زیادہ ۲۵ اپریل ۱۹۸۶ء تک ارسال کر دیں مکمل بل حسب ذیل ہے۔

(منتخب کمیٹی کی پیش کردہ صورت میں (ایک بل)

چونکہ قرارداد مقاصد کو جو کہ سابقہ دستاویز میں بطور تمہید کے رکھی گئی تھی، جناب صدر مملکت نے اپنے صدارتی اختیارات کو بروئے کار لاتے ہوئے دستور کا مستقل حصہ قرار دے دیا۔ اور چونکہ قرارداد مقاصد میں اس ملک کا حاکم اعلیٰ تشریعی اور تکوینی دونوں حیثیتوں سے

رب العالمین خالق کائنات کو تسلیم کیا گیا ہے اور چونکہ یہ ملک مسلمانوں کی عملی زندگی کو قرآن اور سنت کے مطابق ڈھالنے کے لئے معرض وجود میں لایا گیا ہے اور چونکہ اس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہ عہد کیا گیا کہ یہاں قرآن و سنت کا قانون زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور نافذ ہوگا اور چونکہ موجودہ ریفرنڈم اور انتخابات میں عوام نے صدر مملکت اور پارلیمنٹ کو شریعت کے عملی نفاذ کے لئے منتخب کیا ہے۔ لہٰذا اب حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے۔

مختصر عنوان' وسعت اور آغاز نفاذ

یہ ایکٹ نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۸۵ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

(۱) یہ پورے پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔ یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

(۲) تعریف : اس ایکٹ میں شریعت سے مراد :

(الف) دین کا وہ خاص طریقہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے۔

(ب) شریعت کا اصل ماخذ قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(ج) کوئی حکم یا ضابطہ جو اجماع امت سے ثابت اور ماخوذ ہو' شریعت کا حکم متصور ہوگا۔

(د) ایسے احکام جو امت کے مسلمہ اور مستند فقہاء (مجتہدین) نے قرآن پاک سنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اجماع امت کے قیاس و اجتہاد کے ذریعے مستنبط کر کے مدون کئے ہیں شریعت کے احکام متصور ہوں گے۔

(۳) کوئی مقننہ شریعت کے خلاف قانون نہیں بنائے گی۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرارداد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔ اگر ایسا کوئی قانون یا قرارداد منظور کر لی گئی تو اسے وفاقی

شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

(۴) عدالتیں شریعت کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گی

ملک کی عدالتیں تمام امور و مقدمات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند رہیں گی۔

۵) وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار

وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلا استثناء تمام امور و مقدمات پر حاوی ہو گا۔

(۶) شریعت کے خلاف احکامات دینے پر پابندی

انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیراعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا۔

(۷) عدالتی عمل اور احتساب

حکومت کے تمام اعمال بشمول صدر مملکت اسلامی قانون عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالا تر نہیں ہوں گے ۔

(۸) حذف کر دی گئی۔

(۹) غیر مسلم کو تبلیغ کی آزادی

غیر مسلم باشندگان مملکت کو اپنے ہم مذہبوں کے سامنے مذہبی تبلیغ کی آزادی ہو گی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

(۱۰) علماء کو جج مقرر کیا جائے گا

تمام عدالتوں میں حسب ضرورت تجربہ کار جید اور مستند علماء دین کا بحیثیت جج اور معاونین عدالت مقرر کیا جائے گا۔

(۱۱) ججوں کی تربیت کے انتظامات

علوم شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا موثر

انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علوم شرعیہ اور خصوصا اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہو سکیں۔

(۱۲) قرآن و سنت کی تعبیر

قرآن و سنت کی وہی تعبیر معتبر ہو گی جو اہل بیت عظامؓ صحابہ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

(۱۳) عمال حکومت کے لئے شریعت کی پابندی

انتظامیہ عدلیہ مقننہ کے ہر فرد کے لئے فرائض شریعت کی پابندی اور محرمات شریعت سے اجتناب کرنالازم ہو گا۔

(۱۴) ذرائع ابلاغ کی تطہیر

تمام ذرائع ابلاغ کو خلاف شریعت پروگراموں فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

(۱۵) حرام کی کمائی پر پابندی

حرام طریقوں اور خلاف شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہو گی۔

(۱۶) بنیادی حقوق کا تحفظ

شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگان ملک کو دیئے ہیں ان کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔

○ بیان اغراض و وجوہ

مملکت خداداد پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اس کی بنیاد اسلام کے نظریہ پر قائم ہے۔ اس مسودہ قانون کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ملک کے اسلامی نظریہ کا استحکام ہے۔ اہل ملک کو جو بلاامتیاز عرصہ سے اس نظام کے لئے بے چین ہیں مطمئن کرنا ہے۔ ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ

کے ذریعے امن و امان اور اسلامی مساوات قائم کرنا ہے۔"

اس بل کو پہلے مختلف کمیٹیوں کے سپرد کر کے اس کی روح کو مسخ کرنے کی کوشش کرنا اور پھر عوام کی رائے معلوم کرنے کے لئے اس کو مشتہر کرنا شریعت محمدیہؐ سے انحراف ہے جس سے ارباب اقتدار کا مدعا یہ ہے کہ لادین طبقہ کی طرف سے اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے' اور برسراقتدار طبقہ کو یہ کہنے کا موقع ہاتھ آئے کہ "عوام" اس بل پر راضی نہیں ہیں۔ حالانکہ "عوام" تحریک پاکستان کے دوران' پھر تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران اور آخر میں صدارتی ریفرنڈم کے ذریعے اپنی رائے کا بھرپور اظہار کر چکے ہیں۔ اس کے بعد عوام کی رائے معلوم کرنے کی کوشش نہ صرف مہمل بات ہے بلکہ "شریعت محمدیہؐ" کی توہین کے مترادف ہے۔

سینیٹ کی طرف سے اس بل کی تشہیر نے جہاں لادین طبقات کو شریعت محمدیہؐ پر طعن زنی کا موقع فراہم کر دیا ہے' وہاں ان تمام مسلمانوں کو' جو صدق دل سے اسلامی قانون کی بالادستی کے خواہشمند ہیں ایک نئی آزمائش میں ڈال دیا ہے' اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس بل کی حمایت کو ایک تحریک کی شکل دی جائے' اور مسلمان زیادہ سے زیادہ آراء اس بل کی حمایت میں بھیجیں' اس سلسلہ میں ایک خط جناب مفتی اعظم ولی حسن خان ٹونکی' جناب مفتی احمد الرحمان صاحب اور راقم الحروف کی طرف سے تمام مسلمانان پاکستان کی خدمت میں لکھا گیا۔ جس میں اس بل کی بھرپور حمایت کی درخواست کی گئی اس خط کا متن حسب ذیل ہے۔

"مکرم و محترم زیدت عنایاتہم   السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

مزاج گرامی! آنجناب کو معلوم ہوگا کہ "شریعت بل" سینیٹ میں زیر بحث رہا اور سینیٹ نے اسے عوام کی رائے معلوم کرانے کے لئے اخبارات میں مشتہر کرا دیا (اس کی کاپی آپ کی خدمت میں بھیجی جارہی ہے)

ملک کے تمام لادینی طبقات و افراد کی کوشش ہے کہ "شریعت بل" نافذ نہ ہو۔ اس کے لئے اخبارات و رسائل میں مضامین لکھے جا رہے ہیں اور ان طبقات کی سرتوڑ کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کی آراء اس بل کی مخالفت میں سینیٹ کے سیکریٹریٹ کو بھجوائیں۔ اس ضمن میں ہر وہ شخص، جو اس ملک میں اسلام کا بول بالا دیکھنا چاہتا ہے اس کا فرض ہے کہ اس بل کی حمایت اور لادین طبقات کی مساعی مشئومہ کو ناکام بنانے میں اپنا بھرپور کردار ادا کرے، اور اس کے لئے جو کوشش بھی ممکن ہو، کر گذرے ورنہ اندیشہ ہے کہ لادینی طبقات اس ملک میں "شریعت بل" کو ہمیشہ کے لئے دفن کرا دیں اور شریعت کی بالادستی کا نام لینا بھی ممکن نہ رہے —— بہرحال یہ "شریعت بل" موجودہ صورت حال میں اہل ملک کے ایمان و نفاق کے پرکھنے کی کسوٹی بن گیا ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان، جس کے دل میں خدا اور رسولؐ کی عظمت ہو اور وہ شریعت محمدیہؐ سے (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) پر ایمان رکھتا ہے اس کی طرف سے اس بل کی حمایت نہ ہو خدا اور رسولؐ سے غداری کے مترادف ہے۔ اس سلسلہ میں آنجناب سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل فرمائیں اور ایک تحریک کے طور پر دوسروں کو بھی ان تجاویز پر عمل کرنے کی تلقین کریں۔

(۱) ہر مسجد میں جمعہ کے خطبات میں شریعت بل کا متن پڑھ کر سنایا جائے اس کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی جائے اور اس مضمون کی قراردادیں منظور کرائی جائیں کہ ہم اس بل کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کو بغیر کسی مزید ترمیم کے فی الفور نافذ کیا جائے۔

(۲) ہر علاقے اور حلقے کے علماء، وکلاء، اداروں، تنظیموں اور عوام کی طرف سے شریعت بل کی حمایت میں خطوط بھیجے جائیں، آپ کے علاقے میں کوئی ایسا فرد نہیں ہونا چاہئے جس کی طرف سے اس کی حمایت نہ کی جائے۔

(۳) اس سلسلے میں جلسے منعقد کئے جائیں اور ان جلسوں کے ذریعہ عوام کے جذبات سینیٹ اور حکومت تک پہنچائے جائیں۔

(۴) مختلف افراد اداروں کی طرف سے اخبارات و اشتہارات کے ذریعہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ "شریعت بل" کو ٹال کر خدا اور رسولؐ کے غضب کو دعوت نہ دے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ حکومت اور ملک کو اس کی کڑی سزا ملے۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے خدا تعالیٰ کی شریعت کے نفاذ میں ٹال مٹول سے کام لے رہے ہیں۔

اپیل کنندگان

۱۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن صاحب
شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن

۲۔ حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب
مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی
جامعہ علوم اسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵

بحمد اللہ تمام دینی تنظیمیں اس بل کی حمایت میں سرگرم ہیں، اس لئے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ یہ تحریک کامیاب ہوگی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ واتباعہ الی یوم الدین۔

پاکستان میں نفاذِ اسلام کی مہم ...

چند پرانی یادداشتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد

قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح جب سے "پاکستان کا مشن" لے کر لندن سے ہندوستان تشریف لائے اور تحریک پاکستان کا آغاز فرمایا اس وقت سے آج تک ارباب اقتدار کا ایک ہی نعرہ رہا کہ پاکستان میں اسلام نافذ کیا جائے گا' جب کبھی قوم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت پیش ہوئی اس نعرہ کو بلا تکلف استعمال کیا لیکن عملی طور پر جو کچھ ہوا' یا ہو رہا ہے وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔ اب صدر جنرل محمد ضیاء الحق بالقابہ نے جونیجو حکومت کو برخاست کرتے ہوئے ایک بار پھر نفاذ اسلام کا نعرہ بڑی بلند آہنگی سے بلند کیا ہے۔ آج کی صحبت میں' پاکستان میں نفاذ اسلام کی مہم' پر ہم چند پرانی یاد داشتیں پیش کرتے ہیں۔ ماضی کے ان دریچوں میں جھانک کر آپ مستقبل میں نفاذ اسلام کی تصویر صاف دیکھ سکیں گے۔

پہلی یاد داشت : قائد اعظم مسٹر محمد علی جناح جب لندن سے تحریک پاکستان کی قیادت کے لئے ہندوستان تشریف لائے تو انہوں نے اور ان کے رفقا نے بے شمار موقعوں پر "پاکستان میں نفاذ اسلام" کے وعدے کئے اور پاکستان کا مطالبہ صرف اور صرف اسلام کے نام پر کیا۔ قائد اعظم اور ان کے رفقا کے بے شمار بیانات اور تقریروں سے یہاں صرف ایک یادداشت نقل کی جاتی ہے' "کردار قائد اعظم" کے مولف لکھتے ہیں :

" قائد اعظم نے انگلستان سے واپسی کے بعد مولانا ظفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی موجودگی میں ایک ایسا بیان دیا تھا جس سے

ان تمام اتہامات کی تردید ہوجاتی ہے جو سوشلزم اورپاکستان کے طرز حکومت کے بارے میں ان پر لگائے جاتے رہے ہیں۔ آپ کا وہ بیان ماہنامہ "منارہ" کراچی میں بڑے اہتمام سے شائع ہوا جسے روزنامہ "ندائے ملت" لاہور نے وقت کے تقاضوں کے تحت اپنی ۱۵ر اپریل ۱۹۷۰ء کی اشاعت میں نقل کیا۔ اس میں قائداعظم نے فرمایا :

" میں لندن میں امیرانہ زندگی بسر کررہا تھا' اب میں اسے چھوڑ کر انڈیا اس لئے آیا ہوں کہ یہاں لا الٰہ الا اللّٰہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لئے کوشش کروں اگر میں لندن میں رہ کر سرمایہ داری کی حمایت کرنا پسند کرتا تو سلطنت برطانیہ جو دنیا کی عظیم ترین سلطنت تھی' مجھے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور مراعات سے نوازتی' اگر میں روس چلا جاؤں یا کہیں بیٹھ کر سوشلزم' مارکسزم یا کمیونزم کی حمایت شروع کردوں تو مجھے بڑے سے بڑا اعزاز بھی مل سکتا ہے' دولت بھی مگر علامہ اقبال کی دعوت پر میں نے دولت اور منصب دونوں کو تج کے انڈیا میں محدود آمدنی کی زندگی بسر کرنا پسند کیا ہے تاکہ پاکستان وجود میں آئے اور اس میں اسلامی قوانین کا بول بالا ہو' کیونکہ دنیا کی نجات اسلامی نظام ہی میں ہے۔ صرف اسلام ہی کے علمی' عملی اور قانونی دائروں میں آپ کو عدل' مساوات' اخوت' محبت' سکون اور امن دستیاب ہوسکتا ہے۔ برطانیہ' امریکہ اور یورپ کے سارے سیاست دان مساوات کا راگ الاپتے ہیں' روس کا نعرہ بھی مساوات اور ہر مزدور اور کاشت کار کے لئے روٹی' کپڑا اور سر چھپانے کی جگہ مہیا کرنا ہے مگر یورپ کے بڑے

بڑے سیاست داں عیش و عشرت کی جو زندگی بسر کرتے ہیں
وہ وہاں کے غریبوں کو نصیب نہیں۔ محمد علی جناح کا لباس اتنا
قیمتی نہیں جتنا قیمتی لباس یورپ کے بڑے بڑے لوگ اور
روس کے لیڈر زیب تن کرتے ہیں' نہ محمد علی جناح کی
خوراک اتنی اعلیٰ ہے جتنی سوشلسٹ اور کمیونسٹ لیڈروں
اور یورپ کے سرمایہ داروں کی ہے۔ ہمارے پیغمبرؐ اور
خلفائے راشدینؓ نے سارا اختیار ہوتے ہوئے بھی خود
غریبانہ زندگی بسر کی مگر اپنی رعایا کو خوش اور خوش حال رکھا۔

میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ انڈین کانگریس حکومت بنانے
کے بعد برطانوی ٹھگوں کو تو یہاں سے نکال دے گی مگر پھر
ٹھگ خود بن جائے گی' یہ لوگ صرف مسلمانوں ہی کی
آزادی ختم نہیں کریں گے بلکہ اپنے لوگوں کی بھی آزادی
ختم کردیں گے' اس لئے ہم سب کو پاکستان کے قیام کے
لئے زبردست کوشش کرنی چاہئے۔ ذرا خیال فرمایئے کہ اگر
"لا الٰہ الا اللہ" پر مبنی حکومت قائم ہوجائے تو افغانستان'
ترکی' ایران' اردن' بحرین' کویت' حجاز' عراق' فلسطین' شام'
تیونس' مراکش' الجزائر اور مصر کے ساتھ مل کر یہ کتنا عظیم
الشان بلاک بن سکتا ہے۔

اقبال کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ کوئی
سوشلسٹ یا کمیونسٹ مسلمان نہیں ہوسکتا ہے خواہ وہ پیر یا
مولانا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سوشلزم یا کمیونزم مسلمانوں کے
لئے ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔ آپ کو یہ بھی
سمجھ لینا چاہئے کہ یہودی' انگریز' سوشلسٹ' کمیونسٹ' ہندو

اور سکھ سب مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں"۔

(کردار قائد اعظم ص ۲۹۰ ۲۹۲)

دوسری یادداشت : فیلڈ مارشل لا ایوب خان کے زمانے میں بھی "نفاذ اسلام" کے نعرے کچھ کم نہیں لگائے گئے۔ یہاں یادداشت کے طور پر اس وقت کے وزیر قانون جناب ایس ایم ظفر کا ایک بیان نقل کیا جاتا ہے جو موصوف نے اس وقت کے اسلامی تحقیقاتی ادارے کی نفاذ اسلام کے لئے کوششوں کی وضاحت کرتے ہوئے دیا' اور اخبار جنگ کراچی نے اسے درج ذیل سرخیوں کے ساتھ شائع کیا :

"پاکستان میں مسلم معاشرے کے قیام کے لئے پروگرام مرتب کرلیا گیا"

"اسلامی تحقیق کا ادارہ عوام کی رہنمائی کے لئے قائم کیا گیا ہے' وزیر قانون ظفر کی پریس کانفرنس"

"ملک کے دونوں صوبوں میں یکجہتی کے لئے اسلام پائیدار رابطہ ہے"

"نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جائے گا' ظفر کا اعلان"

" راولپنڈی ۳۰ اگست (اپ پ۔ پ پ ا) وزیر قانون ایس ایم ظفر نے آج یہاں انکشاف کیا ہے کہ پاکستان میں مسلم معاشرے کے قیام کے لئے پروگرام مرتب کرلیا گیا ہے اور اسلامی تحقیق کا ادارہ عام لوگوں کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے میں مدد دینے کے لئے ضروری اقدامات کررہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں نظریہ اسلام کو محوری حیثیت حاصل ہے۔ ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان

یکجہتی کے لئے اسلام ایک مستقل قوت ہے۔ اس لئے نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے۔ اپنی پریس کانفرنس میں جو اسلامی تحقیق کے ادارے کی کارکردگی کی وضاحت کے لئے بلائی تھی وزیر قانون نے بتایا کہ ادارے کی طرف سے اسلامی قانون سے متعلق ایک جامع کتاب شائع کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ادارہ کا بنیادی مقصد عوام الناس کو اپنی زندگی اسلامی اطوار کے مطابق گزارنے میں مدد دینا ہے' اور اس ادارے کی تمام تر تحقیق اسی بنیاد پر ہوگی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مسٹر ظفر نے کہا کہ اس ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے تحقیقی مقالات پر نکتہ چینی کا خیر مقدم کیا جائے گا کیونکہ یہ نکتہ چینی دراصل تحقیقی کام میں جو ایک مستقل عمل ہے معاون ثابت ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ مسلم علماء نے مختلف شعبوں میں جو کارنامے انجام دیئے ہیں یہ ادارہ ان کی تفصیلی تحقیق کرے گا تاکہ نوجوان نسل کو اسلاف کے کارناموں سے روشناس کرایا جاسکے۔ اسلامی تحقیق کے ادارے نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک جامع پروگرام مرتب کیا ہے جس پر بتدریج عمل کیا جائے گا۔ مسٹر ظفر نے کہا کہ پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے اور اسلامی تحقیق کا ادارہ اس نظریہ کی وضاحت کے لئے قائم کیا گیا ہے' انہوں نے کہا کہ یہ ادارہ آئین کے تحت قائم کیا گیا ہے اور اس نے پاکستان میں صحیح معنوں میں اسلامی بنیادوں پر مسلم معاشرہ قائم کرنے میں مدد دینے کے لئے پروگرام مرتب کیا ہے۔ پاکستان میں معاشرے کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کا کام درحقیقت ایک عظیم کام ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ تحقیق گوناگوں سطحوں پر کی جائے مثلاً اسلام کا سماجی نظام' اسلام کے اقتصادی اصول' اسلام کا سیاسی نظام' غرضیکہ اسلامی معاشرے کے تمام پہلوؤں پر مکمل

تحقیق ضروری ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام پاکستان کی بنیاد ہے اور ملک کے دونوں حصوں کو متحد رکھنے کے لئے اب بھی مستقل قوت ہے۔ اس بنیاد پر زور دینے کے لئے ضروری ہے کہ تحقیق کا ایک پروگرام مرتب کیا جائے' موجودہ نسل کو اسلامی نظریہ سے روشناس کرانا چاہئے تاکہ وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارتے ہوئے مثالی شہری بن سکیں' انہوں نے کہا کہ اسلامی تحقیق کے ادارے کو گورننگ باڈی کے ارکان نے اس مسئلہ پر اس کی تمامتر تفصیلات کے ساتھ غور کیا ہے۔ بورڈ نے طویل غور وخوض کے بعد چند فیصلے کئے اور ایک پروگرام مرتب کیا ہے جس پر آنے والے سالوں میں عمل در آمد کیا جائے گا' دراصل تحقیقی کام ایک مستقل عمل ہے۔ ادارے کے علماء اپنی تحقیق کے دوران دوسرے مسلم ممالک کے اداروں سے رابطہ رکھیں گے۔ اس ادارے کی تحقیق کے نتائج پورے ملک کی تحویل میں ہوں گے اور ان پر متعلقہ محققین کی اجارہ داری نہیں ہوگی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ادارہ چار جرائد شائع کرتا ہے۔ اول اسلامک اسٹڈیز جو علماء کے لئے ہے۔ دوم فکر و نظر جو دانشوروں اور طلباء کے لئے ہے' یہ پرچہ اردو میں ہے۔ اس کے سندھی اور بنگالی ایڈیشن شائع کئے جائیں گے۔ چوتھا پرچہ الدراسات الاسلامیہ ہے۔ یہ بھی امید ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کے لئے "رمہ" بھی دوبارہ جاری کیا جائے گا۔ ادارے کے تحقیقی عملہ کے ارکان ان پرچوں میں مضامین لکھیں گے جن موضوعات پر مضامین لکھے جائیں گے وزیر قانون نے ان کی وضاحت کی۔ ادارے کو گورنروں کا ایک بورڈ چلا رہا ہے۔ ادارے کی انتظامی اور علمی سرگرمیوں کی تمام تر ذمہ داری اس بورڈ کی ہے۔ ادارے کے نگراں ایک ڈائریکٹر ہیں جو اس کے روز مرہ کاموں کے ذمہ دار ہیں۔ علمی عملہ پروفیسروں' ریڈروں'

ریسرچ فیلوز اور محققین پر مشتمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ عدم واقفیت کی بنا پر اسلامی تحقیق کے ادارے کے متعلق کچھ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں یہ غلط فہمیاں ختم ہو جانی چاہئیں"۔

(روزنامہ جنگ کراچی' یکم ستمبر ۱۹۶۶ء)

تیسری یادداشت : جناب ایس ایم ظفر کے مندرجہ بالا بیان پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کا درج ذیل بیان ۶ ستمبر کے اخبار جنگ کراچی میں شائع ہوا :

"اسلامی قانون کی تدوین کے لئے مسلم ممالک کے علماء کی خدمات حاصل کی جائیں"

"اسلامی تحقیقاتی ادارہ یہ کام نہیں کر سکتا' مولانا بنوری کا بیان' وزیر قانون کے اعلان کا خیر مقدم"

"کراچی ۴ ستمبر۔ مولانا محمد یوسف بنوری نے آج یہاں اپنے ایک بیان میں وزیر قانون مسٹر ایس ایم ظفر کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا ہے کہ پاکستان میں مسلم معاشرے کے قیام کے لئے پروگرام مرتب کر لیا گیا ہے اور جامع اسلامی قانون کی تدوین جاری ہے لیکن انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ یہ کام اسلامی تحقیق کے ادارے کے سپرد کیا گیا ہے۔ مولانا نے مطالبہ کیا کہ اس ادارے نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی نگرانی میں اب تک جو تحقیقی کارنامے انجام دیئے ہیں ان کی تحقیق کرائی جائے۔ اگر ملک کے جید علماء کسی مصلحت کی بنا پر اس کام میں شمولیت نہ کریں تو ممالک اسلامیہ سے منتخب علماء کو اس کام پر مامور کیا جائے۔ مولانا نے کہا کہ گزشتہ چار سال کے دوران اس ادارے نے جو "خدمات" انجام دی ہیں ان کے پیش نظر یہ ممکن نہیں کہ اس ادارے کے کرتا دھرتا اسلامی معاشرے کے قیام میں معاون ثابت ہوں

گے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، مسٹر رفیع اللہ، عمر احمد عثمانی اور اس ادارے کے دیگر ڈاکٹر اور بیرسٹر حضرات اسلام کا نام لے کر اسلام کی بیخ کنی کررہے ہیں۔ مولانا یوسف نے اسلامی ممالک کے چند جید علماء کے نام پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان علماء کی خدمات اسلامی تحقیق کے ادارے کے لئے حاصل کی جاسکتی ہیں اور اگر وہ طویل عرصہ کے لئے نہ آسکیں تو کم از کم مختصر عرصہ کے لئے انہیں اس کام میں شریک کرلیا جائے۔ مولانا نے کہا کہ دمشق سے ڈاکٹر مصطفیٰ زرقاء، اور ڈاکٹر محمد مبارکہ، شہر حلب سے ڈاکٹر بہاء الامیری کو، قاہرہ سے شیخ ابو زہرہ اور ڈاکٹر محمد عبداللہ عربی کو، بیروت سے شیخ عبداللہ بن محمد اطہرا لطرابلسی کو پاکستان آنے کی دعوت دی جاسکتی ہے، مولانا نے ادارہ تحقیق اسلامی کی طرف سے جاری ہونے والے جرائد "فکر و نظر" "الدراسات" اور دوسرے جرائد کے مضامین پر بھی نکتہ چینی کی اور کہا کہ ان کے مضامین عوام کو گمراہ کررہے ہیں"۔

(روزنامہ جنگ کراچی، ٦ ستمبر ١٩٦٦ء)

چوتھی یادداشت : اسی کے ساتھ جناب مفتی ولی حسن صاحب کا درج ذیل بیان شائع ہوا :

"اسلامی قوانین کی ترتیب وتدوین کے لئے تحقیقاتی جدوجہد"

"محترم وزیر قانون نے ۳۰ر اگست ۱۹۶۶ء کو راولپنڈی کی ایک پریس کانفرنس میں ایک اہم حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ "پاکستان میں اسلامی نظریہ کو محوری حیثیت حاصل ہے ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان یکجہتی کے لئے اسلام ایک مستقل قوت ہے اس لئے نئی نسل کو

اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے" ہم محترم وزیر قانون کے اس خیال کی پر زور تائید کرتے ہوئے ان سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ کے یہ الفاظ پاکستان کے دس کروڑ عوام کے دلوں کی آواز ہے' اسلامی نظریہ حیات پاکستان کی روح ہے۔ اس مملکت کا قیام بھی اسی نظریہ کے لئے ہوا' اس کی بقا بھی اسی نظریہ میں مضمر ہے' اور اس کی کامیابی بھی اسی کی رہین منت ہو سکتی ہے۔ پاکستان کے دونوں صوبوں کے درمیان وسیع خلیج کو یہی نظریہ حیات پاٹ سکتا ہے کیونکہ دونوں صوبوں کے درمیان اگر کوئی چیز مشترک ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ اس لئے اس رشتہ کو جس قدر مضبوط کیا جائے گا اسی قدر پاکستان مضبوط ہو گا اس کے دونوں صوبے ایک دوسرے سے قریب سے قریب تر آجائیں گے جس طرح حصول پاکستان کے وقت متحد تھے اور دونوں صوبوں کے درمیان علیحدگی پسند عناصر کا فتنہ اپنی موت آپ مرجائے گا۔

نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے' ہماری نئی نسل پر مادیت کے سائے گہرے ہوتے جارہے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ دین سے یہ نہ صرف ناواقف بلکہ منحرف ہیں' ہمارے تعلیمی ادارے اس سلسلے میں جو کردار ادا کررہے ہیں اس سے آپ بے خبر نہیں ہے۔ محترم! ادارہ تحقیق اسلامی کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے لئے محل نظر ہے' ہم اپنی معروضات بصد ادب پیش کررہے ہیں امید ہے کہ آپ ہماری معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے۔ ہمارے اس ملک میں ادارہ تحقیق اسلامی کی ضرورت اپنی جگہ مسلم کیونکہ آپ نے جن موضوعات کی نشاندہی فرمائی ہے واقعی ان پر کام کرنے کی ضرورت ہے مثلاً اسلامی قانون کی ترتیب وتدوین' اسلام کا سماجی نظام' اسلام کے اقتصادی اصول' اسلام کا سیاسی نظام وغیرہ لیکن

ہمیں بصد افسوس عرض کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ "تحقیق اسلامی" جس پر ملک کا لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے اپنے مقصد تاسیس سے نہ صرف بہت دور بلکہ اس کی ضد ہے۔

محترم! آپ نے ادارہ "تحقیق اسلامی" کے مقصد تاسیس کو اس طرح بیان فرمایا ہے :

"ادارہ کا بنیادی مقصد عوام الناس کو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق گزارنے میں مدد دینا ہے" اس مقصد کو سامنے رکھ کر جب ہم ادارہ کے اب تک کے کام کا نہایت اخلاص سے جائزہ لیتے ہیں تو ہم کو شدید مایوسی ہوتی ہے۔ ادارے کے قیام کو ایک طویل عرصہ ہو گیا لیکن اس کی طرف سے اب تک اسلام کی کوئی قابل ذکر خدمت سامنے نہیں آئی، ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ ادارہ ایک نئے اسلام کی داغ بیل ڈال رہا ہے جس سے یہاں کے عوام سخت انتشار میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس نئے "اسلام" کے بنیادی خطوط بطور نمونہ درج ذیل ہیں جن سے آپ ادارہ کے دانشوروں، علماء، محققین، پروفیسروں، ریڈروں، ریسرچ فیلوز کے ذہنی رخ کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۱۔ قرآنی احکام ابدی نہیں بلکہ ان کی علل وغایات ابدی ہیں۔

۲۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ مابعد کی پیداوار ہیں۔

۳۔ سنت ہر زمانہ کے رسم ورواج کا نام ہے۔

۴۔ شرعی سزائیں قابل تبدیلی ہیں۔

۵۔ قرآن پاک ایک اخلاقی کتاب ہے۔

۶۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن میں بنا بنایا قانون موجود ہے وہ جاہل اور کم فہم ہیں۔

۷۔ بینک کا سود حلال ہے۔
۸۔ زکوٰۃ ایک عبادت نہیں بلکہ ٹیکس ہے۔
۹۔ زکوٰۃ کی شرح میں اضافہ ہونا چاہئے۔
۱۰۔ بیئر شراب حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے اس مختصر مراسلے میں صرف چند اشارات پر اکتفا کیا ہے' آپ اگر اس سلسلہ میں تحقیق کرنا چاہیں (جس کی ذمہ داری ادارہ کا صدر ہونے کی بنا پر آپ پر بھی عائد ہوتی ہے) تو ہم "ادارہ تحقیق اسلامی" کے اب تک کے کام کا تفصیلی جائزہ لینے میں آپ کا ہاتھ بٹا سکتے ہیں' ان محققین بلکہ متجددین عصر کی تحقیقات کو صحیح اسلام کی روشنی میں آپ کو دکھا سکتے ہیں کہ یہ حضرات کس مشن کے تحت اسلامی تحقیقات کر رہے ہیں۔

جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا تعلق ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ "ادارہ تحقیق اسلامی" ترتیب و تدوین کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ کتاب و سنت کے منصوص و مقررہ احکام میں بھی ترمیم و اضافہ کیا جائے' زمانہ اور حالات کو کتاب و سنت کے ماتحت نہ کیا جائے بلکہ خود کتاب و سنت کو زمانہ اور حالات کے ماتحت کر دیا جائے۔ یہ نظریہ اور انداز فکر اسلام کے لئے نہایت خطرناک اور مہلک ہے۔ اس طرح تو یہ "دینِ قیم" بازیچۂ اطفال بن جائے گا"۔

پانچویں یادداشت : اسی تاریخ کو "جنگ" نے درج ذیل اداریہ سپرد قلم کیا :

"اسلام کا قانون"

"مرکزی وزیر قانون منسٹر ایس ایم ظفر نے بتایا ہے کہ اسلامی

تحقیق کا ادارہ اس وقت "اسلام کا قانون" نامی ایک کتاب مرتب کر رہا ہے' یہ کتاب تقریباً چار سال میں مکمل ہوگی اور وزیر قانون کا کہنا ہے کہ اسے عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔ مسٹر ظفر نے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کتاب میں اسلامی قوانین پر جدید و قدیم علماء کے افکار شامل ہوں گے اور اس پر تعمیری تنقید کا خیر مقدم کیا جائے گا تاکہ بعد کے ایڈیشنوں کو بہتر بنایا جاسکے۔ ظاہر ہے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس ملک میں اسلام کا قانون ہی چلنا چاہئے' لیکن مغرب کی غلط تقلید نے پاکستان کے تعلیم یافتہ طبقہ کو کچھ اس طرح گمراہ کیا کہ اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی اس مملکت میں اسلام سے اکثر انحراف ہوتا رہا' اسلام کو پوری قومی زندگی پر حاوی دیکھنے والے حلقے یقیناً وزیر قانون کے اس اعلان کا خیر مقدم کریں گے' لیکن اس کتاب کی تدوین میں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ قدیم کے ساتھ جدید علماء کے افکار پیش کرنے کی کوشش میں قرآن و حدیث کے مطلب و معنی کو غلط رنگ میں پیش نہ کیا جائے' اس کتاب کی ترتیب کا یہ خیال بہت نیک ہے لیکن مسودہ کو قطعی صورت دینے سے پہلے انتہائی احتیاط کے ساتھ اسکی جانچ ہونی چاہئے' اس لئے کہ مختلف ادوار میں اسلام کو دانستہ یا نادانستہ طور مسخ کرنے کی کوششیں ہوتی رہی ہیں' ہم اسلام کی سربلندی کے علمبردار ہیں' ہماری ذرا سی لغزش سے ایک نیا فتنہ کھڑا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اسلام کو بروئے کار لانے کے اقدامات میں ضرورت سے زیادہ محتاط رہنا ہوگا۔ امید ہے اسلامی تحقیق کا ادارہ صحیح اسلامی اسپرٹ سے کام لے گا اور اس کتاب کی اشاعت سے قبل تمام اسلام پسند حلقوں کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ بعد میں تعمیری نکتہ چینی کے بجائے کوئی نیا فتنہ کھڑا نہ ہوجائے"۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء)

چھٹی یادداشت : صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو مارشل لا نافذ کیا اور زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لی' انہوں نے اپنی پہلی نشری تقریر میں "نفاذ اسلام" کا پر عزم اعلان کیا جس کا حوالہ انہوں نے ۱۱ سال بعد ۳۰ مئی ۱۹۸۸ء کی تقریر میں بھی دیا ہے اور اس کے بعد بھی وہ وقتاً فوقتاً اس کا اعلان فرماتے رہے۔ راقم الحروف نے جنگ کے اسلامی صفحہ "اقرا" میں متعدد اداریئے لکھے چنانچہ "پاکستان میں اسلام کب آئے گا" کے عنوان سے ۱۹ر جون ۱۹۷۸ء کو ایک اداریہ لکھا جس سے آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ ابھی تک نفاذ اسلام کے سلسلہ میں پہلا قدم بھی نہیں اٹھایا جاسکا۔ وہ اداریہ درج ذیل ہے :

"پاکستان میں اسلام کب آئے گا؟"

" مدینہ منورہ سے اسلام کا سورج طلوع ہوا تو تیس برس کے اندر اندر اس کی روشنی مشرق سے مغرب تک جگمگانے لگی اور پورا عالم اس روشنی سے منور ہوگیا۔ مسلمان اس وقت کمزور تھے' نہتے تھے' پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھکنے کو کپڑا تک انہیں میسر نہیں تھا مگر وہ ایمان واخلاص کی دولت سے مالا مال تھے' وہ سیلاب کی طرح بڑھے اور قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کو روندتے ہوئے دنیا پر چھاگئے۔ یہی تیس برس کی مدت پاکستان بھی پوری کرچکا ہے لیکن ہم جہاں پہلے دن تھے آج بھی وہیں کھڑے ہیں بلکہ کچھ پیچھے' سابقہ حکمرانوں نے "اسلام' اسلام" کے نعرے تو اتنی بلند آواز سے لگائے کہ سنتے سنتے لوگوں کے کان پک گئے' مگر عملی طور پر جو کچھ کیا وہ اسلام کی نفی تھی! اسی نفاق اور خود فریبی کی سزا ہے کہ ہم بجائے پھیلنے کے اور بھی سکڑ گئے' آدھا ملک کھو بیٹھے اور باقی ملک خطرات کی زد میں آگیا۔

خدا نے پچھلے سال چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق کو

اسلام کے داعی کی حیثیت سے اٹھایا' ان کے اعلانات سے قوم کی امیدیں بندھیں کہ اب سچ مچ اسلام نافذ ہو کر رہے گا۔ "اسلامی نظریاتی کونسل" کی تشکیل ہوئی' اس کے گرما گرم اجلاس ہوئے' چادر اور چار دیواری کے تحفظ کی باتیں ہوئیں" ملک کو سودی نظام کی لعنت سے نجات دلانے کے منصوبوں کا اعلان ہوا' مگر نتیجہ اب تک ہمت افزا نہیں ہے۔ حالات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اگر اس قوم کو زندہ رہنا ہے تو اسلام کو اپنا لے' پاکستان کی بقا چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ اگر اسے بچانا ہے تو یہاں اسلام کو فوری طور پر نافذ کر دیا جائے' لیکن نہ جانے ہمارے ارباب حکومت کس وقت کے انتظار میں ہیں۔ قوم جنرل ضیاء الحق سے سوال کر رہی ہے کہ اسلام سے محرومی پاکستان کی قسمت میں کب تک لکھی ہے؟ کیا اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین عزت مآب جسٹس (ریٹائرڈ) چیمہ صاحب وضاحت فرمائیں گے کہ اس بدنصیب ملک کو' جو تیس سال سے غیر اسلامی قانون کی تاریک وادیوں میں بھٹک رہا ہے' اسلام کی روشنی کب نصیب ہوگی؟ اور اس ملک کو سرمایہ دارانہ سودی نظام معیشت سے کب نجات ملے گی۔

اگر یہ سوال تاخیر کا سبب ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کی ابتداء کہاں سے کی جائے تو اس کا جواب قرآن مجید پہلے سے دے چکا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اقتدار عطا کریں تو انہیں چار کام کرنے ہوں گے(۱) : نماز قائم کرنا (۲) نظام زکوۃ قائم کرنا (۳) نیکی پھیلانا (۴) بدی مٹانا۔ گویا اسلامی نظام کی ابتدا نماز سے ہوتی ہے' نماز ہی اسلام کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا ستون ہے' جو معاشرہ اجتماعی طور پر اسلام کے اس سب سے پہلے اور سب سے بڑے ستون کو توڑ رہا ہو' اس کا اسلامی نظام کے نفاذ کا

دعویٰ سراسر منافقت اور خود فریبی ہے۔ وہ اسلام کی ایک ایک بات کو توڑے گا اور حکومت کے ایک ایک حکم کو توڑے گا اس لئے اسلام کے نفاذ کی صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے نماز کا نظام قائم کیا جائے، پھر زکوٰۃ کا۔ اگر اس ملک میں اسلام لانا ہے تو ہم جناب چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے پر خلوص توقع رکھیں گے کہ وہ پہلے اسلام کے سب سے پہلے ستون کو کھڑا کریں، نماز قائم کروائیں یہ ایک اچھی مثال ہوگی کہ حکومت کا کوئی اعلیٰ یا ادنیٰ مسلمان ملازم بے نماز نہیں رہنا چاہئے، فوج اور سول کے ہر بڑے اور چھوٹے مسلمان افسر اور ملازم پر نماز با جماعت کی پابندی قانوناً لازمی قرار دی جائے، اور یہی پابندی دوسرے شہریوں کے لئے یکساں ہو اور اس کی خلاف ورزی کرنے والا قانون کے تحت سزا کا مستحق قرار دیا جائے۔ اگر حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا کوئی شہری مارشل لا کی سزا کا مستحق ہے تو خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے حکم کو توڑنے والا سزا کا کیوں مستحق نہیں؟ ہم منتظر ہیں کہ اسلامی نظام کے نفاذ کیلئے یہ پہلا قدم حکومت کب اٹھاتی ہے"۔

ساتویں یادداشت : بتاریخ ۳۰ر جون ۱۹۷۸ء کے اداریہ میں لکھا :

"پاکستان میں اسلام نافذ ہو چکا ہے؟"۔

" بتاریخ ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو حکومت کے ظلم و ستم کا خاتمہ کرکے جب مارشل لا حکومت نے ملک کا نظم و نسق ہاتھ میں لیا تھا تو ہر طبقہ کی طرف سے اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے قوم کو یقین دلایا کہ عبوری حکومت اس ملک میں (جو صرف اسلام کی خاطر وجود میں آیا تھا) اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں موثر

اقدامات کرے گی۔ اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً اپنے اس عزم کا اظہار کرتے رہے۔ اب ایک طویل عرصے کے بعد ۲۵ر جون ۱۹۷۸ء کو انہوں نے قوم سے خطاب فرمایا' پوری قوم گوش بر آواز تھی اور اسے توقع تھی کہ وہ اس موقع پر اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اقدامات کا اعلان کریں گے' جنرل صاحب کو خود بھی اپنے وعدہ اور قوم کی توقعات کا احساس تھا چنانچہ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز اسلامی نظام کے نفاذ کے مسئلہ ہی سے کیا' انہوں نے فرمایا کہ چاروں طرف سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا جارہا ہے حالانکہ اسلام کا دستور حیات جو ۱۴ سو سال پہلے نافذ ہوا تھا وہ اب بھی نافذ ہے وہی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کی وجہ جواز بنا' اس کو کسی نے منسوخ نہیں کیا' اس کے باوجود اگر اسلام پر عمل نہیں ہورہا تو اس کی ایک وجہ تو ہمارے اندر بے عملی کا عام رجحان ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جو غیر اسلامی قانون ہمیں ورثہ میں ملا تھا' اسے اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنے کی طرف سابقہ حکومتوں نے توجہ نہیں دی۔

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر نے صورت حال کا تجزیہ بالکل صحیح کیا ہے' اور قوم کے مرض کی تشخیص بھی ٹھیک کی ہے مگر کامیاب معالج وہی کہلاتا ہے جو صرف مرض کے اسباب کی نشاندہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ مرض کے صحیح علاج کے لئے مقدور بھر کوشش بھی کرے۔ جب ہم چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی تقریر کا اس پہلو سے جائزہ لیتے ہیں تو (موصوف کے اخلاص وتدبر' مومنانہ جذبات اور ذاتی شرافت ودیانت کے اعتراف کے باوجود) ہمیں مایوسی کا سامنا ہوتا ہے۔

جنرل صاحب کو اعتراف ہے کہ انگریزوں کی دو صد سالہ غلامی کے زیر اثر اور آزادی کے بعد دیسی صاحب بہادر کی انگریزیت پرستی کے

نتیجہ میں ہمارا معاشرہ عملی طور پر اسلام سے عاری ہوچکا ہے' ایوان صدر سے لے کر مزدور کی جھونپڑی تک اور عدالت عالیہ کے کٹہرے سے لے کر کسی چھوٹے سے چھوٹے ادارے تک اسلام کا کوئی نام ونشان نظر نہیں آتا اس میں شک نہیں کہ کچھ لوگ اب بھی اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں' الحمد للہ مساجد اور دینی قلعے بھی آباد ہیں' نماز روزہ کا بھی اہتمام ہے لیکن یہ سب کچھ تو انگریز کے دور میں بھی تھا' کیا اس وقت بھی ہندوستان میں اسلام ہی نافذ تھا؟ سوال تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہوجانے کے بعد ہم نے عملی طور پر اسلام کا کون سا حکم نافذ کیا؟ اسلامی کی سربلندی کے لئے کیا کچھ کیا؟ کوئی شبہ نہیں کہ اسلام چودہ سو سال سے نافذ ہے' مگر جب ہندوستان پر انگریز حکمران مسلط ہوا تو اس نے ہمارے تعلیمی اداروں سے' ہماری عدالتوں سے' ہمارے دفاتر سے' ہمارے قومی اداروں سے' ہماری تجارت سے' ہماری معیشت سے' ہماری معاشرت سے اسلام کے تمام آثار کو کھرچ کر صاف کردیا اور غلام ہند میں اسلام مسجدوں اور دینی مدارس میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ نظریاتی طور پر اگرچہ اسلام منسوخ نہیں ہوا تھا مگر عملی زندگی کے ایک ایک شعبے اور ایک ایک گوشے سے اسے منسوخ کردیا گیا۔

ہماری بے عملی' جس کی شکایت جنرل صاحب کررہے ہیں' انفرادی بے عملی نہیں بلکہ "اجتماعی بے عملی" ہے' جس کے لئے پوری قوم اجتماعی طور پر مجرم ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ضرورت تھی کہ قوم اس اجتماعی جرم سے توبہ کرتی اور انگریز کے منسوخ کئے ہوئے اسلام کو زندگی کے تمام شعبوں میں دوبارہ نافذ کرتی مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ آج اکتیس سال بعد قوم بدستور انگریز کی لکیر کو پیٹ رہی ہے' اور اس اجتماعی جرم سے توبہ کرنے کی اسے توفیق نہیں ہوئی۔

ہمارے مغرب زدہ طبقے نے، جن کا گھیرا ارباب اقتدار کے گرد ہمیشہ تنگ رہا ہے، اسلام کے نافذ کو ہمیشہ ناکام بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طبقہ کی صدائے بازگشت آج ہمیں جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر میں سنائی دے رہی ہے۔

اگر ارباب اقتدار نے انگریز کے منسوخ کردہ اسلام کو ملک میں دوبارہ نافذ کردیا ہوتا اور اس کے بعد بھی قوم کے افراد بے عمل رہتے تو یہ گناہ انفرادی ہوتا اور اس کی سزا بھی دنیا میں یا آخرت میں ہر شخص کو انفرادی طور پر ملتی، مگر اجتماعی طور پر اور حکومتی سطح پر منسوخ شدہ اسلام کو بدستور منسوخ رہنے دینا اور اکتیس برس تک اسلام کی ایک بات کو کسی ایک شعبہ میں بھی نافذ نہ کرنا، یہ تو اجتماعی بغاوت اور اجتماعی گناہ ہے، اس کی سزا بھی پوری قوم کو ملے گی اور مل رہی ہے، آج ہمارا ملک جس بدامنی، خود غرضی، نفسا نفسی، فرض ناشناسی اور انتشار کا شکار ہے کیا یہ اس اجتماعی جرم کی دنیا میں سزا نہیں؟ آخرت کا عذاب اس سے بڑھ کر ہوگا۔

ہمیں توقع تھی کہ جنرل ضیاء الحق اپنی تقریر میں (گو تدریجاً سہی مگر) مکمل طور پر اسلام کے نفاذ کا اعلان کریں گے اور قوم کو اجتماعی بدعملی کے جرم سے نجات دلانے کے لئے موثر اقدامات کریں گے لیکن افسوس ہے کہ انہوں نے چند پند ونصائح کے سوا قوم کو عمل کے راستہ پر ڈالنے کے لئے کوئی موثر تدبیر نہیں کی، پاکستان میں اسلام جس طرح اکتیس سال سے منسوخ چلا آتا ہے جنرل ضیا کے یک سالہ دور میں بھی منسوخ ہی رہا، آہ پاکستان میں اسلام وہ سب سے بڑا یتیم ہے جسے نہ ایوان حکومت میں پناہ ملتی ہے، نہ ایوان عدالت اسے خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہے، نہ ساہوکار اسے تجارت کی منڈی میں دخل دینے کی

اجازت دیتا ہے' وہ کل انگریز کے دور میں بھی مسجد اور مدرسہ کی چار دیواری میں پناہ لینے پر مجبور تھا' آج پاکستان میں' ہاں اسی پاکستان میں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا بھی بدستور وہیں پناہ گزین اور محصور ہے مگر جنرل صاحب فرماتے ہیں کہ اسلام نافذ ہو چکا ہے۔

چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے خیالات سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کو ان کے ہمدردوں نے غلط تاثر میں رکھا ہے کہ عیسائیت کی طرح اسلام بھی دو حصوں میں تقسیم ہے۔ ایک حصہ فرد کی نجی اور پرائیویٹ زندگی سے متعلق ہے اور دوسرا قوم کی اجتماعی زندگی سے' حکومت کو فرد کی نجی زندگی سے کوئی سروکار نہیں۔ یہ فرد کی ذاتی ذمہ داری ہے کہ وہ نماز' روزہ' زکوۃ' حج' صدق ودیانت اور امانت وغیرہ اسلامی اعمال واقدار کا پابند ہے یا نہیں؟ حکومت کو اس میں قانونی طور پر کوئی مداخلت نہیں کرنی چاہئے' اس کا دائرہ کار صرف قوم کے اجتماعی مسائل ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ اسلام اس تصور کو قبول نہیں کرتا' اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ حکومت معاشرے کے تمام انفرادی واجتماعی اعمال کی ذمہ دار ہے' اور قیامت کے دن سربراہ مملکت سے ان تمام امور کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ حکمران پوری قوم کے لئے راعی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے رعایا کے ایک ایک فرد کے ایک ایک عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ حکومت صرف آٹا دال اور گھی شکر کی ذمہ دار نہیں بلکہ یہ دیکھنا بھی اس کی ذمہ داری ہے کہ قوم اسلامی عقائد' اسلامی عبادات' اسلامی اخلاق اور اسلامی معاملات کی پابند ہے یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام حکام اور گورنروں کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ "میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے بڑھ کر نماز ہے جو شخص اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرے گا' اس سے

دوسرے احکام کی پابندی کی بھی توقع کی جاسکتی ہے اور جو شخص اس کو
ضائع کرے گا وہ دوسری چیز کو بدرجہ اولیٰ غارت کرنے والا ہو گا"۔

کسی اسلامی مملکت کا سربراہ قیامت کے دن یہ کہہ کر فارغ نہیں ہو سکتا کہ نماز پڑھنا نہ پڑھنا حکومت کے وزیروں' افسروں اور کارندوں کا ذاتی معاملہ تھا' دیانت و امانت ان کی پرائیویٹ زندگی سے متعلق بات تھی اور صحیح اسلامی اخلاق و عقائد اختیار کرنا نہ کرنا اس کی اپنی نجی ذمہ داری تھی۔ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اگر واقعۃً اس معاشرہ کو اسلام کے مثالی معاشرہ کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ان کا کم از کم فرض یہ تھا کہ وہ فوری طور پر حسب ذیل اقدامات کرتے :

الف : ٹیلی ویژن پر جو ناچ رنگ کے حیا سوز مناظر پیش کئے جاتے ہیں اور جس کی وجہ سے پورا ملک ایک بڑے سینما ہال میں تبدیل ہو چکا ہے انہیں فوراً بند کرنے کا حکم دیتے۔

ب : اسی طرح ریڈیو پر جو فحش رومانی نغمے نشر کئے جاتے ہیں انہیں بھی ممنوع قرار دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ ابلاغ عامہ کے یہ دونوں ذرائع پوری طرح حکومت کے کنٹرول میں ہیں اور ان کی اچھائی برائی کی تمام تر ذمہ داری سربراہ مملکت پر عائد ہوتی ہے۔ ان دونوں نے قوم کے اخلاق کے بگاڑنے میں جو کردار ادا کیا ہے قیامت کے دن حکومت کے ذمہ دار حضرات اس کی جواب دہی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے۔

ج : نماز روزہ کے صرف وعظ پر اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ اس کے لئے عملی قدم اٹھایا جاتا' مثلاً اگر گھر گھر نہیں تو کم از کم تمام سرکاری افسروں اور ملازموں پر اس کی پابندی عائد کی جاتی۔ سرکاری دفاتر میں نماز با جماعت کا انتظام کیا جاتا اور جو لوگ (مسلمان ہونے کے باوجود) نماز کے تارک ہوں انہیں ملازمت کے لئے نااہل قرار دیا جاتا۔

د : بتاریخ ۵ر جولائی کو جنرل صاحب وزیروں کی نئی کابینہ تشکیل دے رہے ہیں جس کے لئے وہ اپنی صوابدید کے مطابق اہل ترین افراد کا انتخاب کریں گے۔ اگر ہمیں اسلام کے نفاذ کا واقعی احساس ہے تو ان کے انتخاب میں اہلیت کی ایک شرط یہ ہونی چاہئے کہ وہ بے

دین اور بے نماز نہ ہوں بلکہ وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور اور اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہوں' کیا سربراہ مملکت سے قیامت کے دن یہ سوال نہیں ہو گا کہ اس نے اسلامی مملکت کی زمام ان لوگوں کے ہاتھ میں کیوں دی جو بے نماز اور بے دین تھے' اور جنہیں خدا اور رسولؐ کے احکام کا کوئی پاس نہیں تھا۔ یہاں سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے ان سے ملک وملت کی خیر خواہی' امانت ودیانت اور فرض شناسی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

ر : مسٹر بھٹو کا دور حکومت اسلام کے نام پر اسلامی شعائر کو پامال کرنے میں سب سے بدترین دور تھا' بھٹو صاحب نے معاشرے کو اسلامی اقدار سے منحرف کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی' جنرل محمد ضیاء الحق سے قوم کو توقع تھی کہ وہ معاشرے کو "بھٹو ازم" سے پاک کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھائیں گے "چادر اور چار دیواری" کو اس کا قرار واقعی تحفظ دیں گے اور قوم کو عریانی وفحاشی کے تاریک گڑھے سے نکالنے میں کوئی اہم کردار ادا کریں گے مگر افسوس ہے کہ اس کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ سینماؤں کی تطہیر کی جاتی اور رومانی فلموں اور عورتوں کی تصاویر کی نمائش ممنوع قرار دی جاتی۔

ہ : اخبارات ورسائل قوم کے نونہالوں کو جو ذہنی غذا مہیا کر رہے ہیں وہ جنرل صاحب کی نظروں سے اوجھل نہیں۔ نیز گھٹیا لٹریچر اور اسلام کے منافی کتابیں بازار میں دھڑا دھڑ فروخت ہو رہی ہیں ان کا علم بھی موصوف کو ضرور ہو گا۔ جب تک یہ لٹریچر موجود ہے ہمارے ناپختہ ذہن نوجوان کی کبھی اصلاح نہیں ہوسکتی' اگر اسلامی معاشرہ کی واقعی ضرورت ہے تو اس سیلاب کے آگے قانون کا بند باندھنا ضروری تھا۔

و : ہماری نئی نسل جو تعلیمی اداروں میں تیار ہو رہی ہے اس کی اصلاح وتربیت کی اہمیت خود جنرل صاحب کے ارشادات سے واضح ہے۔ اگر معاشرہ کو واقعتاً اسلامی بنانا ہو تو ہمیں اس کی اسلامی نقطہ نظر کے مطابق تعلیم وتربیت کا نظام مرتب کرنا چاہئے' یہ نسل بگڑ رہی ہے مگر اس کی صحیح تربیت کے لئے کسی ٹھوس اقدام کا اعلان نہیں کیا گیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کو لازمی کیا جائے' نماز' روزہ اور دیگر عبادات کا ان کو عادی بنایا جائے' اس کے لئے ایک خصوصی وقت مقرر کیا جائے۔ یہ چند اقدامات ایسے ہیں کہ ان کے لئے کسی انتظار اور کسی وقت کی ضرورت نہیں تھی' نہ وہ کسی کونسل کی سفارشات کے محتاج تھے۔

جنرل صاحب نے اسلامی اقدامات کے سلسلہ میں زکوٰۃ کے نفاذ اور "اسلامی نظریاتی کونسل" کی کارکردگی کا بھی ذکر کیا۔ ان کی تقریر کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد آدمی اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ پاکستان میں انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے شاید عمر نوح درکار ہوگی' اور شاید صبح قیامت سے پہلے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

خواجہ ناظم الدین کے "اسلامی تعلیماتی بورڈ" سے لے کر مسٹر بھٹو کی "اسلامی مشاورتی کونسل" تک یہی چکر چلتا رہا ہے۔ ہر آنے والی حکومت پہلی حکومتوں کے کام کو کالعدم قرار دے کر الف ب سے اپنا کام دوبارہ شروع کرتی ہے' اکتیس سال گزر گئے لیکن آج تک ہم انگریزی قانون کی جگہ اسلامی قانون نافذ نہیں کرسکے' اور اگر کام کی رفتار یہی رہی تو ایک مسئلہ پر پہلے اسلامی نظریاتی کونسل بحث کرے اس کے بعد وہ اپنی سفارشات مذہبی امور کی وزارت کو بھیجے' وہاں سے وزارت قانون کی میز پر آئیں' وہاں سے کابینہ کے سامنے لائی جائیں اور پھر وہ فیصلہ کرے کہ اس مسئلہ کو نافذ کرنا چاہئے یا نہیں تو یقین کیجئے کہ آئندہ نسلیں ہی "اسلامی نظریاتی کونسل" کے فیوض سے مستفید ہوسکیں گی' اور یہ بھی اس وقت جب کہ آئندہ آنے والی حکومت پھر سے اس تیلی کے بیل کے چکر میں مصروف نہ ہوجائے۔

قوم کو "اسلامی نظریاتی کونسل" کی نہیں' اسلام کی ضرورت ہے۔ قوم اس چکر سے اکتا چکی ہے' وہ دیکھنا چاہتی ہے کہ اسلام معاشرے کی ضروریات آج بھی پوری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جنرل صاحب اسلام کو اس کے تمام شعبوں میں نافذ کرسکتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کی سعادت ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے اس قوم کے عظیم محسن کی حیثیت سے یاد رکھے

جائیں گے اور اگر وہ یہ عزم اور حوصلہ نہیں رکھتے تو قوم کو اسلامی نظریاتی قسم کی کونسلوں سے طفل تسلی نہیں دی جاسکتی۔ جو اسلامی قانون آنحضرت ﷺ کے زمانے سے لے کر ترکان آل عثمان کے دور تک اسلامی معاشرے کی ساری ضروریات پوری کرتا رہا ہے آج اس میں کیا نقص نظر آنے لگا۔

اسلامی سزاؤں کے نفاذ کے بارے میں جنرل صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمارے مغرب زدہ طبقہ کی امنگوں کے عین مطابق ہے' نہ کبھی اس معاشرہ کی اصلاح ہو اور نہ اسلامی تعزیرات کا نفاذ عمل میں آئے' نہ نو من تیل ہو' نہ رادھا ناچے' حالانکہ بہت سیدھی اور صاف بات ہے کہ اسلامی سزائیں چوروں' ڈاکوؤں اور بدمعاشوں کے لئے تجویز کی گئی ہیں' ان کو نافذ کرنے سے ہچکچانے کے معنی یہ ہیں کہ پاکستانی معاشرہ کی غالب اکثریت کو پہلے ہی اس قماش کا فرض کرلیا گیا ہے۔ لچے اور بدمعاش' شریف شہریوں کی جان ومال اور عزت و آبرو سے کھیلتے رہیں' مگر ہم یہ سوچ کر خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ سزاؤں سے پہلو تہی کریں کہ یہ سزائیں موجودہ معاشرے کے لئے مناسب نہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اس یقین کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر ہمیں اپنے معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنا ہے' اگر شریف شہریوں کو بدمعاش لوگوں کے جنگل سے نجات دلانا ہے' اگر معاشرے میں عدل وانصاف کی صحیح فضا پیدا کرنی ہے تو خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ تعزیرات کو نافذ کرنا ضروری ہے' اگر مغربی دنیا اس پر شور مچاتی ہے اور اگر فاسد مزاج انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو ہم ان کی وجہ سے اپنے دین کو خیر باد نہیں کہہ سکتے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "یہود اور نصاریٰ آپ سے کسی صورت میں بھی راضی نہ ہوں گے۔ الّا یہ کہ آپ ان کے دین کو قبول کرلیں"۔ سعودی عرب کے سابق حکمران شاہ عبدالعزیز کی مثال ہمارے سامنے ہے' ان کی حکومت کے قیام سے پہلے ملک میں کس قدر بدامنی تھی' کتنا فساد تھا' مگر انہوں نے لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر اسلامی قانون نافذ کیا۔ آج وہی ملک دنیا بھر میں امن وامان کا سب سے بڑا گہوارہ ہے' آج اسلام کو کسی عمر بن عبدالعزیزؒ کسی صلاح

الدین ایوبیؒ اور کسی اورنگ زیب عالمگیر کی ضرورت ہے جو حکومت کے تمام وسائل اسلام کے نفاذ کے لئے وقف کردے"۔

جناب صدر اب نئے عزائم کے ساتھ ایک بار پھر نفاذ اسلام کی مہم پر نکلے ہیں' اس مہم کا انجام کیا ہوگا؟ تاہم عام تاثر یہ تھا کہ:

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

لیکن جناب صدر نے ۱۵ر جون ۱۹۸۸ء کو نفاذ شریعت آرڈی نینس کا تاریخی اعلان کرکے اس تاثر کو زائل کرنے کی کوشش کی ہے' بلاشبہ یہ آرڈی نینس موجودہ تاریک فضا میں' جو اکتالیس برس سے وطن عزیز کے افق پر چھائی ہوئی تھی' روشنی کی ایک کرن ہے جس پر جناب صدر اور ان کے تمام رفقاء و معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں۔ تاہم اس آرڈی نینس کے مضمرات کئی پہلوؤں سے' تفصیلی غور و فکر کے متقاضی ہیں۔ آئندہ ہم کوشش کریں گے کہ ان غور طلب امور کا خاکہ قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سید نا محمد ن النبی الا می وعلی آله وا صحا به وا تبا عه ا جمعین۔

بینات ذیقعدہ ۱۴۰۸ھ

قانونِ دیت وقصاص...
ایک اہم انقلابی اقدام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلام علٰی عبادہ الذین
اصطفٰی :

"ان اللّٰہ یامر بالعدل والاحسان وایتائی
ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی
یعظکم لعلکم تذکرون۔"
(النحل ر۹۰)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالٰی اعتدال اور احسان اور اہل
قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں' اللہ تعالٰی تم کو اس لیے
نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے :

"ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا
تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللّٰہ ان
اللّٰہ خبیر بما تعملون۔"
(المائدہ ر۸)

ترجمہ :"اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہوجاوے کہ تم عدل نہ کرو' کہ وہ تقویٰ سے قریب ہے اور اللہ سے ڈرو' بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے"۔
(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اسلام عدل وانصاف کا دین ہے اور مندرجہ بالا آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے عدل وانصاف کا بحکم فرمایا ہے' احادیث شریفہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی کثرت سے اور نہایت تاکید بلیغ کے ساتھ عدل کا حکم فرمایا ہے اور اس کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ان سات اشخاص کا ذکر ہے جن کو قیامت کے دن عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا' ان میں سب سے پہلے "امام عادل" کا ذکر ہے۔ (صحیح بخاری)۔ دنیا کے تمام مہذب معاشرے عدل وانصاف کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں اور اسے حکومت کی سب سے اہم ترین ذمہ داری سمجھا جاتا ہے لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ عدل وانصاف کا مفہوم اور اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس نکتہ پر مشرق ومغرب کے مفکرین اور ماہرین قانون نے داد تحقیق دینے کی کوشش کی ہے' لیکن شاید عدل کی سب سے مختصر' جامع اور صحیح تعریف یہ ہوگی :

"صحیح قانون کے مطابق صحیح فیصلہ کرنا"۔

اگر کرسی عدالت پر بیٹھنے والا جج اور قاضی قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو اس کا فیصلہ عدل نہیں ہوگا' بلکہ سراسر ظلم وجور ہوگا' اور اگر وہ فیصلہ تو بغیر کسی قسم کی رو رعایت کے' قانون کے مطابق کرتا ہے' لیکن خود وہ قانون' جس کے مطابق وہ فیصلہ کررہا ہے' صحیح نہیں بلکہ غلط ہے اور

عادلانہ نہیں بلکہ ظالمانہ ہے' تو اس کے مطابق جو فیصلہ بھی کیا جائے گا (خواہ فیصلہ کرنے والے نے کتنا ہی بے لاگ فیصلہ کیا ہو) وہ عدل وانصاف پر مبنی نہیں ہوگا۔ گویا قیام عدل کے دو ستون ہیں' ایک یہ کہ فیصلے کرنے والے بغیر کسی قسم کی رو رعایت کے' ٹھیک قانون کے مطابق فیصلے کریں' دوم یہ کہ وہ قانون بھی بجائے خود صحیح اور عادلانہ ہو' جس کے مطابق فیصلہ کرنے کا عدالت کو پابند کیا گیا ہے۔

اب سوال ہو گا کہ کسی قانون کے صحیح اور مبنی برعدل ہونے کا معیار کس چیز کو قرار دیا جائے؟ ہمارے ہاتھ میں وہ کون سی کسوٹی ہے جس پر جانچ کر ہم یہ بتا سکیں کہ فلاں قانون صحیح ہے اور فلاں صحیح نہیں۔ فلاں قانون عادلانہ اور فلاں عادلانہ نہیں؟

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جس پر عدل وانصاف کی پوری عمارت کھڑی ہے اور دنیا بھر کے قانون ساز ادارے قانون سازی میں جس کی رعایت رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ "سزا بقدر جرم ہونی چاہیے"۔ جرم وسزا کا وزن کانٹے کے تول پر برابر ہونا چاہیے۔ (لغت میں عدل کے معنی ہی دو چیزوں کے درمیان مساوات اور برابری کے ہیں) اگر جرم ہلکا ہے اور آپ نے اس پر اس کے وزن سے بھاری سزا نافذ کر دی' تب بھی آپ نے عدل وانصاف کا رشتہ ہاتھ سے چھوڑ دیا' اور اگر بھاری جرم پر آپ نے ہلکی پھلکی سزا جاری کی تب بھی آپ نے مظلوم کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ الغرض جرم کو ٹھیک طرح ناپ تول کر اس پر ایسی سزا تجویز کرنا جو جرم کے ہم پلہ ہو یہ تو عدل ہوا۔ اور اگر جرم وسزا کو ترازو کے دو پلوں میں رکھنے کے بعد ان میں سے ایک پلہ جھک جاتا ہے تو یہ عدل نہ ہوا' بلکہ

ظلم ہوا۔

انسانی عقلیں جرائم کا حدود اربعہ اوران کا ٹھیک وزن دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقلائے زمانہ آج ایک جرم کے لیے ایک سزا تجویز کرتے ہیں تو اگلے دن اس میں ترمیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ انسان کی یہ نفسیاتی کمزوری ہے کہ وہ حالات وظروف کے دباؤ کی وجہ سے جرم وسزا کے درمیان توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے کسی انسان کا بنایا ہوا قانون عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ انسانی عقل کسی مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا بیک وقت احاطہ نہیں کرسکتی ہے۔ اس کے سامنے ایک پہلو آتا ہے اور وہ اس کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ دوسرے تمام پہلو اس کی نظر سے اوجھل ہوجاتے ہیں' مثلاً تمام مہذب دنیا میں قاتل کے لیے سزائے موت تجویز کی جاتی ہے لیکن برطانیہ میں کئی سالوں سے اس سزا کو "وحشیانہ" قرار دے کر مسترد کردیا گیا تھا مگر وہاں کے عقلا اب پھراس "وحشیانہ فعل" پر سزائے موت نافذ کرنے کے لیے مضطرب نظر آتے ہیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا علم محیط ہے جو انسانی جرائم کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے' اور ہر جرم کے لیے ایسی مناسب سزا تجویز کرتا ہے کہ اس میں بال برابر کمی وبیشی بھی جرم وسزا کے توازن کو درہم برہم کردیتی ہے' اس لیے ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ جرائم پر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ سزائیں جاری کرنا ہی عدل وانصاف ہے اور "تعزیرات خداوندی" سے انحراف کرکے انسانوں کی خود ساختہ سزا تجویز کرنا عدل وانصاف کا خون کرنا ہے۔

مملکت خداداد پاکستان اسلام کے نام پر وجود میں آئی تھی' مگر بدقسمتی

سے یہاں کی عدالتوں میں انگریزی دور کا قانون تعزیرات (بعض جزوی ترمیمات کے ساتھ) جاری تھا' ہماری عدالتیں اسی قانون ظلم وجور کے مطابق فیصلے کرنے کی پابند تھیں' حق تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری اعلیٰ عدالتوں نے اسے محسوس کیا' چنانچہ ہماری عدالت عظمیٰ نے حکومت کو ہدایت کی کہ موجودہ تعزیرات کے بجائے قرآن وسنت پر مبنی قوانین مرتب کرکے قانون سازی کی جائے' اور عدالتؒ نے یہ بھی قرار دیا تھا کہ اگر ۱۲ربیع الاول ۱۴۱۱ھ تک حکومت نے قرآن وسنت پر مبنی قانون تعزیرات نافذ نہ کیا تو اس تاریخ کے بعد مجموعہ تعزیرات پاکستان کی وہ دفعات' جو قرآن وسنت کے خلاف ہیں' کالعدم متصور ہوں گی' اور ملک کی تمام عدالتیں از خود اس کی پابند ہوں گی کہ وہ فوجداری مقدمات میں "مجموعہ تعزیرات پاکستان" کے بجائے کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کریں۔ عدالت عظمیٰ کی اس ہدایت کے بعد حکومت مقتدرہ کا فرض تھا کہ اس گوئے توفیق وسعادت کی طرف سبقت کرتی :

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں راچہ شد

اسی طرح اسے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی دولت میسر آتی بلکہ پاکستان کی تاریخ میں اس کا نام سنہرے حروف سے لکھا جاتا لیکن :

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کافی مہلت کے باوجود سابقہ حکومت اس سعادت عظمیٰ کے حصول

میں ناکام رہی' اور اس کے برطرف کئے جانے کے اگلے دن ۱۳ر اگست ۱۹۹۰ء کو "فوجداری قوانین میں ترمیم کا آرڈی نینس" جاری کردیا گیا۔ بعد ازاں ۵ر ستمبر ۱۹۹۰ کے آرڈی نینس کے ذریعہ ۱۲ر ربیع الاول ۱۴۱۱ھ سے "قانون قصاص ودیت" کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اس طرح یہ سعادت جناب صدر کے حصہ میں آئی جس پر عدالت عظمیٰ کے معزز ارکان' جناب صدر اور ان کے معاونین مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس آرڈی نینس کا مسودہ ہمارے سامنے ہے' اس پر مفصل تبصرہ کرنے کے لیے اس کا جائزہ لیا جارہا ہے' تاہم اس کے چند نکات کا تذکرہ یہاں ضروری ہے :

○ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں عدالتی فیصلے کے بعد' مجرم کی طرف سے رحم کی اپیل کئے جانے پر صوبائی حکومت کو یا صدر مملکت کو بعض سزاؤں کے معطل کرنے یا ان میں تخفیف کرنے کا اختیار دیا گیا تھا' لیکن جدید مسودہ "قانون قصاص ودیت" میں تجویز کیا گیا ہے کہ مظلوم' مضروب یا اس کے ورثا (جیسی بھی صورت ہو) کی رضامندی کے بغیر صوبائی حکومت یا صدر کسی سزا کو معطل' معاف یا کم نہیں کرے گا۔ گویا مجرم کو معاف کردینا مظلوم یا اس کے ورثا کا حق ہے' لیکن ان کی رضامندی کے بغیر ملک کی کسی مقتدر ہستی کو اس کا حق نہیں' بلاشبہ عدل وانصاف کا یہی تقاضا ہے۔

○ عام طور سے قتل کے مقدمات میں سرکار کو مدعی سمجھا جاتا تھا اور بہت سی صورتوں میں ایسے مقدمات کو "ناقابل مصالحت" تصور کیا جاتا تھا۔ اگر اولیائے مقتول' قاتل کو معاف کرنا چاہیں تو نہ صرف یہ کہ ان کو اس کی اجازت نہیں تھی بلکہ ایسی معافی اولیائے مقتول کو بھی مجرموں کے کٹہرے

میں کھڑا کردیتی تھی، لیکن جدید مسودہ قانون میں اولیائے مقتول کو معاف کرنے یا مصالحت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

○ اس مسودۂ قانون میں شرعی سزاؤں کے ساتھ ساتھ عدالت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مقدمہ کے معروضی حالات کے پیش نظر مجرم کو قید کی یا بعض صورتوں میں جرمانہ کی سزا دے سکتی ہے، ہمارے خیال میں "جرمانہ" کی سزا کا کوئی جواز نہیں ہے، اس کو ختم کیا جانا چاہئے البتہ عدالت بعض صورتوں میں تعزیری سزا جاری کرسکتی ہے۔ مگر اس میں بھی بڑے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے۔

○ اس مسودۂ قانون میں "قتل خطا" کی دیت، جرم کا ارتکاب کرنے والے پر ڈالی گئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قتل عمد کی صورت میں اگر اولیائے مقتول دیت پر راضی ہوجائیں تو یہ دیت تو قاتل کے ذمہ ہے۔ اسی طرح اگر قتل عمد کا اصل موجب تو قصاص تھا، مگر کسی عارضہ کی وجہ سے قصاص جاری نہیں ہوسکتا تب بھی دیت قاتل کے ذمہ ہے۔ قتل عمد کی صورت میں تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی لیکن "قتل شبہ عمد" "قتل خطا" اور "قتل بالسبب" کی صورت میں دیت قاتل کے ذمہ نہیں بلکہ "عاقلہ" پر ہوگی، اس مسودۂ قانون میں یہ ایک سقم تھا جس کی وجہ سے ڈرائیوروں کی ہڑتال کرائی گئی لیکن وزیر اعظم پاکستان جناب نواز شریف کی ہدایت پر طلب کئے گئے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس میں اس مسودۂ قانون میں اصلاح کی سفارش کی گئی، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کا مکمل متن جو اخبارات میں شائع ہوا ہے، حسب ذیل ہے :

"باخبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وزیر اعظم

پاکستان جناب نواز شریف کی ہدایت پر طلب کئے گئے اسلامی نظریاتی کونسل کے ہنگامی اجلاس میں قصاص ودیت کے حالیہ آرڈی نینس کی متنازعہ دفعات پر تفصیلی غور کے بعد شریعت کے اصولوں کے مطابق ان میں ترمیم کی سفارش کردی گئی ہے۔ ذرائع نے بتایا ہے کہ قصاص ودیت کے آرڈی نینس کی دفعہ ۳۲۰ میں کہا گیا تھا کہ ڈرائیور کو حادثے میں کسی کی ہلاکت کی صورت میں کم از کم ایک لاکھ' ۷۰ ہزار' ۶۱۰ روپے کی دیت ادا کرنا پڑے گی۔ نظریاتی کونسل نے اسلامی شریعت کی روشنی میں اس پر غور کے بعد سفارش کی ہے کہ قتل خطا کی صورت میں دیت ڈرائیور کی عاقلہ ادا کرے گی۔ موجودہ آرڈی نینس میں عاقلہ کی تعریف شامل نہیں تھی' کونسل نے اپنی سفارش میں عاقلہ کی تعریف شامل کرنے کی بھی سفارش کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "عاقلہ سے مراد مالک' کمپنی' ایسوسی ایشن' ٹریڈ یونین' ایوان صنعت وتجارت یا کوئی تنظیم یا ادارہ ہوگا"۔ سفارش میں کہا گیا ہے کہ اگر ڈرائیور عدالت میں اعتراف کرتا ہے کہ حادثہ اس کی اپنی لاپرواہی یا غلطی سے ہوا ہے جس کے نتیجے میں کوئی شخص یا اشخاص ہلاک یا زخمی ہوئے ہیں تو دیت کی ادائیگی کا ذمہ دار وہ خود ہوگا' عاقلہ نہیں ہوگی' دیت کی مالیت سے متعلق دفعہ ۳۲۳ پر بھی غور کیا گیا' اس میں دیت کی مالیت ۳۰ ہزار ۶۳۰ گرام چاندی مقرر کرتے ہوئے کہا

گیا ہے کہ دیت کی رقم ایک لاکھ ستر ہزار چھ سو دس روپے
سے کم نہیں ہوگی۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے سفارش کی
ہے کہ دیت کی رقم کتنی ہوگی' اس کا تعین سزا کے وقت
۳۰ ہزار ۶۳۰ گرام چاندی کی مارکیٹ ویلیو کے حساب سے
کیا جائے گا جو کم یا زیادہ ہو سکتی ہے۔ دفعہ ۳۲۱ دیت کی
ادائیگی سے متعلق ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دیت کی رقم ۳
سال کے عرصے میں قسطوں میں ادا کی جائے گی' کونسل نے
سفارش کی ہے کہ دیت کی رقم فیصلے کے فوراً بعد ادا کی
جائے گی۔ اگر مجرم یا عاقلہ دیت کی مجموعی رقم فوری طور پر
ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے تو اس کے لیے تجویز کیا
گیا ہے کہ حکومت کوئی ایسا فنڈ قائم کرے جس میں سے
مقتول کے ورثا کو فوری طور پر دیت کی رقم ادا کردی
جائے۔ حکومت بعد میں مجرم یا عاقلہ سے طے شدہ طریقہ
کار کے مطابق وصول کر سکتی ہے۔ پتہ چلا ہے کہ اسلامی
نظریاتی کونسل کے چیئرمین جسٹس (ریٹائرڈ) محمد حلیم کونسل
کی سفارشات کو جلد حکومت کو پیش کردیں گے جن کی
روشنی میں متعلقہ قانون میں ترمیم کردی جائے گی' اجلاس
میں دارالعلوم کراچی کے مہتمم مفتی رفیع عثمانی کو خصوصی
طور پر مدعو کیا گیا تھا"۔

بہرحال اس قانون کی دفعات کا بغور مطالعہ کرکے اگر ان میں کوئی
سقم ہو تو ان کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا تو اہل علم کا فرض ہے مگر اس میں

کوئی شک نہیں کہ زیر بحث مسودہ "قانون قصاص ودیت" ہمارے عدالتی نظام میں ایک اہم انقلابی اقدام ہے جس کے ذریعہ جرم وسزا کو شرعی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے حق تعالیٰ شانہ اس ملک کو واقعةً اسلام کا گہوارہ بنائیں اور اسلامی قانون کی برکات سے ہمیں مالا مال فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا
محمد النبی الامی وعلی آلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین۔

(بینات جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ)

نفاذِ شریعت کا اعلان...
حکومت کے لئے چند توجہ طلب امور!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد

مملکت خدا داد پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے عمل میں آیا تھا' چنانچہ تحریک پاکستان کے دوران قوم کے سربر آوردہ رہنماؤں نے قوم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ خطہ پاک میں قرآن وسنت کی حکومت ہوگی اور ایسے معاشرہ کی تعمیر کی جائے گی جو قرون اولٰی کی یاد دلائے گا اور جدید دنیا کے لئے ایک مثالی نمونہ ثابت ہوگا۔

لیڈران قوم کے یہ وعدے اور دعوے آج بھی سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہیں۔ عربی مقولہ : الکریم اذا وعد وفٰی (شریف آدمی جب وعدہ کرلیتا ہے تو وعدہ وفائی کرتا ہے) کے مطابق ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس دن پاکستان دنیا کے نقشہ پر ابھرا تھا اسی دن پاکستان کی مجلس دستور ساز کی جانب سے یہ اعلان کردیا جاتا کہ :

> "پاکستان کا بالاتر قانون کتاب وسنت ہے' ملک کی تمام عدالتیں تمام امور ومقدمات میں شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی پابند ہوں گی اور شریعت کے خلاف کئے گئے کسی فیصلہ کی کئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ حکومت کی پوری مشینری شریعت کے احکام کی پابندی کرے گی' انتظامیہ کا کوئی فرد (بشمول رئیس مملکت اور وزیر اعظم) شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔ ملک کے دستور میں کوئی دفعہ اسلام کے منافی نہین رکھی جائے گی اور اسمبلی ایسا کوئی قانون وضع نہیں کرے گی جو

شریعت کے احکام کے خلاف ہو۔"

قیام پاکستان کے وقت پوری قوم کو اپنے لیڈروں پر اعتماد تھا۔ قوم تحریک پاکستان کی بھٹی سے نکل کر آئی تھی' ایمانی جذبات سے پوری قوم کے سینے لبریز تھے' گویا لوہا پوری طرح گرم تھا۔ اگر پہلے دن ہی قوم کو کتاب وسنت کی شاہراہ پر ڈال دیا جاتا تو پوری قوم بالاتفاق اس پر لبیک کہتی۔ یوں قوم کا قبلہ درست ہوجاتا۔ یوں پہلے دن ہی اس ملک کی تاسیس علی التقویٰ ہوجاتی اور لیڈران قوم نے قوم سے جو وعدے کئے تھے وہ ان وعدوں میں سچے ثابت ہوتے اور یہ ملک امن وامان کا گہوارہ ہوتا لیکن افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد یہ تمام بلند وبانگ دعوے اور وعدے طاق نسیاں کی زینت بنادئے گئے۔ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے مخلص رفقاء کی مسلسل یاد دہانی اور کوششوں کے باوجود ارباب حل وعقد نے وعدہ وفائی کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ ٹال مٹول' لیت ولعل اور دفع الوقتی سے کام لیا گیا۔ چنانچہ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی حین حیات تک نفاذ اسلام کے لئے کوئی ادنیٰ قدم بھی اٹھانے کی زحمت نہیں کی گئی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان کے پہلے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے قیام پاکستان کے ڈیڑھ پونے دو سال بعد (۷؍مارچ ۱۹۴۹ء کو) مجلس دستور ساز میں ایک قرار داد پیش کی جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کا اعتراف کرتے ہوئے قرآن وسنت کے مطابق ملک کا دستور وضع کرنے کے ارادے کا اعلان کیا گیا۔ ۱۲ مارچ کو یہ قرار داد منظور کی گئی جو "قرار داد مقاصد" کے تاریخی نام سے مشہور ہے۔ اسی کے ساتھ سید سلیمان ندویؒ کی نگرانی میں ایک "اسلامی تعلیماتی بورڈ" تشکیل دیا گیا جس کے ذمہ اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنا تھا لیکن بعد میں قرار داد مقاصد اور اسلامی تعلیماتی بورڈ دونوں ہمارے لیڈروں کی کج کلاہی وکج ادائی کی نذر ہوگئے' چنانچہ لیاقت علی خان کے پورے دور میں اس سلسلہ میں "قرار داد مقاصد" سے آگے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بعد میں دستور بنتے اور ٹوٹتے رہے اور ہر دستور کے دیباچہ میں بطور تبرک "قرار داد مقاصد" کو بھی درج کیا جاتا رہا مگر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ دستور کی کوئی دفعہ "قرار داد مقاصد" کے خلاف تو نہیں ہے؟

خود یہ "قرار داد مقاصد" بھی ان دساتیر کا حصہ شمار نہیں کی جاتی تھی اور نہ کسی عدالت میں اس کا حوالہ دیا جاسکتا تھا' گویا اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی' (صدر شہید جنرل محمد ضیاء الحق نے پہلی بار اس کو آئین کا دستوری حصہ قرار دلایا) مزید یہ کہ اسلامیات کی نمائش کے لئے ہر دستور میں بھی بعض دفعات رکھی جاتی رہیں لیکن عملی طور پر نفاذ شریعت کا مرحلہ کوسوں دور رہا' بلکہ یہ جسارت بھی کی جاتی رہی کہ جب نفاذ شریعت کا سوال سامنے آتا تو یہ کہہ دیا جاتا کہ دستور کی فلاں فلاں دفعات اس سے مانع ہیں۔

قیام پاکستان کے ۳۸ برس بعد (۱۳جون ۸۵ء) کو جناب مولانا سمیع الحق صاحب اور جناب قاضی عبداللطیف کی جانب سے "سینیٹ" میں ایک "شریعت بل" پیش کیا گیا جسے بار بار کمیٹیوں کے حوالے کیا جاتا رہا۔ متحدہ شریعت محاذ سے لے کر اسلامی نظریاتی کونسل تک نے اس پر غور و فکر کرنے کے بعد اپنی تجاویز پیش کیں' بہرحال پانچ سال بعد ۱۳ مئی ۹۰ء کو سینیٹ نے یہ بل متفقہ طور پر منظور کرلیا' اس کے باوجود یہ بل اس وقت کی بھٹو زرداری حکومت کی ادائے جفا کی نذر ہوگیا اور اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آنے دیا گیا' کیونکہ "سینیٹ" نے جو بل منظور کیا تھا ان کی نظر میں وہ بھی ایک فضول حرکت تھی۔

اس ضمن میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہیدؒ کی کوششیں (ان کے طریق کار سے اختلاف کے باوجود) لائق صد تحسین تھیں۔ انہوں نے نفاذ شریعت کے لئے بہت سے ٹھوس اور مثبت اقدامات کئے جن میں اسلامی نظریاتی کونسل اور شرعی عدالتوں کا قیام' حدود وتعزیرات کے قانون کا نفاذ اور اس کے قبل زکوۃ و عشر کے قانون کا نفاذ قابل ذکر ہیں (اگرچہ ان میں بہت سے امور لائق اصلاح بھی تھے) ان اقدامات میں صدر مرحوم کی جانب سے نفاذ شریعت آرڈی نینس ۸۸ء سب سے اہم اقدام تھا لیکن مقررہ مدت میں اسمبلی کی توثیق سے محروم رہنے کی بنا پر یہ بھی اپنی موت آپ مرگیا۔

قیام پاکستان سے اب تک ہم نے شریعت الٰہی کے ساتھ جس سرد مہری' جس جفا اور جس ضد وعناد کا رویہ اپنائے رکھا یہ اس کی مختصر سی سرگزشت ہے۔ اس چہل سالہ دور

میں نہ صرف یہ کہ ملک آئین شریعت سے محروم رہا بلکہ نفاذ شریعت کے امکانات روز بروز معدوم سے معدوم تر ہوتے رہے اور معاشرہ کو اس قدر بگاڑ دیا گیا کہ اس میں قبول شریعت کی صلاحیت گرتے گرتے نقطہ صفر کو چھونے لگی۔ تاہم یہاں چند ایسے عوامل کار فرما رہے جن کی بنا پر ہمارے حکمرانوں کے لئے نفاذ شریعت سے یکسر دست بردار ہونے کی جرأت ممکن نہ تھی اور وہ ہزار حیلوں کے باوجود اس سے گلو خلاصی پر قادر نہیں تھے۔

اولاً : اس ملک کی اساس وبنیاد ہی نفاذ اسلام کے وعدہ پر رکھی گئی تھی' اب اس وعدہ کے ایفا سے صریح انکار کردینا گویا ملک کی بنیادوں کو کھودنے کے مترادف تھا۔ جس کے بعد ملک کے وجود وبقا کا کوئی سا جواز باقی نہیں رہ جاتا۔

ثانیاً : نفاذ شریعت کے لئے مسلمانوں کی جہد مسلسل پاکستان کی چہل سالہ تاریخ ہے کوئی شخص نہ تو اس تاریخ کو جھٹلاسکتا ہے اور نہ کسی کے لئے کسی حال میں بھی اس کو نظرانداز کردینا ممکن ہے۔

ثالثاً : ملک کے سنجیدہ فکر طبقوں کی جانب سے نفاذ شریعت کا جو پیہم مطالبہ کیا جاتا رہا (اور کیا جارہا ہے) وہ ہمارے حکمرانوں کی یادداشت کو کمزور نہیں ہونے دیتا۔

ان عوامل کی بنا پر ہمارے حکمرانوں کو نفاذ شریعت سے صاف صاف مکر جانے کی جرأت تو نہ ہوسکی لیکن انہوں نے شریعت کو "بلائے بے درماں" سمجھتے ہوئے اس بلا کو سر سے ٹالتے رہنے کے تمام حیلے استعمال کئے' صدر شہید جنرل محمد ضیاء الحق کو مستثنیٰ کرلیجئے' ان کے علاوہ باقی تمام حکمرانوں کا طرز عمل وہی رہا' جس کا ذکر اوپر کی سطور میں کیا گیا ہے۔

میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان کی جرأت اور بہادری لائق تحسین ہے کہ انہوں نے قومی سطح کے امور میں کئی ایک جرأت مندانہ فیصلے کئے اور جو مسائل کہ سالہا سال سے الجھے ہوئے چلے آرہے تھے اور جن پر ہاتھ ڈالنے سے ہمارے سابقہ حکمران ہچکچاتے رہے نواز شریف حکومت نے نہ صرف یہ کہ ان مسائل کے چیلنج کو قبول کیا بلکہ نہایت سلیقہ وتدبر اور بڑی جرأت اور بہادری کے ساتھ ان کا خوبصورت حل بھی تلاش

کرلیا' بلاشبہ یہ بڑا کارنامہ ہے جس کی داد نہ دینا ظلم ہے۔

میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان کی حکومت نے جہاں قومی سطح کے مندرجہ بالا امور میں جرأت مندانہ فیصلے کرکے اپنے فہم وتدبر اور اپنی صلاحیت کالوہامنوایا' وہاں موجودہ ناہموار اور مایوس کن فضا میں قومی اسمبلی سے "سرکاری شریعت بل" منظور کرالینا بھی ان کا ایک اہم ترین جرأت مندانہ فیصلہ ہے جس کی وجہ سے انہیں "پاکستان میں نفاذ شریعت" میں اولیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اگر انہوں نے یہ کام رضائے الٰہی کے لئے کیا ہے تو گویا اپنی دنیا کے ساتھ انہوں نے اپنی آخرت بھی بنالی۔

قومی اسمبلی میں یہ بل ۱۶ مئی ۱۹۹۱ء کو منظور ہوا اور اس کے بعد اسے سینیٹ میں پیش کیا گیا جسے سینیٹ نے ۲۹ مئی ۱۹۹۱ء کو بغیر کسی ادنیٰ ترمیم کے منظور کرلیا' اس طرح خدا خدا کرکے تینتالیس سال بعد نفاذ شریعت کو قانونی حیثیت حاصل ہوسکی' ابھی اس کو بروئے عمل آنے کے لئے بہت سے مراحل طے کرنے ہوں گے' رہا یہ کہ سرکاری بل ان مراحل کو کتنی آسانی سے طے کرتا ہے؟ اور ہمارے حکمران اس پر عمل درآمد میں کیسے اخلاص کا ثبوت دیتے ہیں یہ بات آنے والا وقت ہی بتائے گا' نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ ہمارے ارباب بست وکشاد کا رویہ کیا ہوگا؟

اس بل میں حمایت ومخالفت میں بہت کچھ کہا جارہا ہے اور ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہے گا' مخالفت کرنے والوں میں دو فریق ہیں۔

پہلا فریق وہ لادین طبقہ ہے جن کو اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہیں' نہ وہ کسی بھی شکل میں یہاں اسلام کے پھلنے پھولنے کو برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہیں' ان کی خواہش یہ ہے کہ اس ملک میں مکمل اباحیت کا دور دورہ ہو' انگریزی اخبارات اس طبقہ کی خاص کمین گاہ ہیں' جن میں یہ طبقہ "شریعت بل" کی آڑ میں خود شریعت کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہے اور بعض سیاسی جماعتوں کے لیڈر اور لیڈرات اس طبقہ کی امامت وقیادت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

دوسرا طبقہ ان سنجیدہ فکر حضرات کا ہے جو "شریعت بل" کی بعض خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے ان کا مقصد شریعت بل کی مخالفت نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ اول الذکر طبقہ کی نکتہ چینیوں پر تنقید کا یہ موقع نہیں (ممکن ہے کہ کسی دوسری صحبت میں اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کا موقع میسر آجائے) البتہ موخر الذکر طبقہ کی ذکر کردہ اصلاحات میں سے یہاں تین نکات پر گفتگو کرنا ضروری ہے :

اول : شریعت بل کی دفعہ ۳ میں "شریعت کی بالادستی" کے عنوان کے تحت کہا گیا ہے کہ :

> "شریعت یعنی اسلام کے احکامات، جو قرآن وسنت میں بیان کئے گئے ہیں، پاکستان کا بالادست قانون (سپریم لاء) ہوں گے، بشرطیکہ تمام سیاسی نظام اور حکومت کی موجودہ شکل متاثر نہ ہو"۔

اس فقرہ میں قرآن وسنت کی بالاستی کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ ہمارا موجودہ سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچہ متاثر نہ ہو۔ اس شرط کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ قرآن وسنت کے احکام سے ہمارا موجودہ سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچہ متاثر ہو تو ہم احکام شرعیہ کو بالاتر قانون تسلیم نہیں کرتے، یا یہ بھی ممکن ہے کہ واضعین قانون کا مقصد صرف اتنا ہو کہ کتاب وسنت کے احکام زندگی کے تمام دوسرے شعبوں مین تو بالاتر قانون کی حیثیت سے نافذ ہوں گے مگر سیاسی نظام اور حکومتی ڈھانچہ ان احکام سے مستثنیٰ رہے گا، اس دائرہ میں قرآن وسنت کے احکام لاگو نہیں ہوں گے اور ان احکام کی بنا پر ہمارے سیاسی نظام یا حکومت کی موجودہ شکل کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

جس بزر جمہر نے شریعت بل دفعہ ۳ کو قانونی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے ہمیں معلوم نہیں کہ ان دو مفہوموں میں سے کون سا مفہوم اس کے ذہن میں تھا، یا کہ ان دونوں سے ماورا کوئی تیسرا مفہوم ذہن میں رکھ کر اسے ان الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

غالباً اس شرط کے ذریعہ ان لوگوں کو ذہنی تحفظ فراہم کرنا مقصود ہے جو یہ پروپیگنڈا کررہے تھے کہ اگر ملک میں شریعت کی بالادستی قائم کردی گئی تو پارلیمنٹ کی بالاتر حیثیت

ختم ہوجائے گی اور قانون سازی کا کام پارلیمنٹ کے ہاتھ سے نکل کر شریعت کے ہاتھ میں آجائے گا' شرعی قانون کے نفاذ سے موجودہ سیاسی نظام کا ڈھانچہ درہم برہم ہوجائے گا اور تشکیل حکومت کا موجودہ سیاسی سانچہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ جائے گا۔

شریعت کی مخالفت کرنے والوں نے یہ "ہوا" کھڑا کیا تھا جس کا مداوا شریعت بل کے بالغ نظر قانون سازوں نے یہ تجویز کیا کہ قرآن وسنت کو ہمارے سیاسی نظام میں "دخل در معقولات" کا موقع ہی نہ دیا جائے' اس کے دروازے پر "بشرطیکہ" کا پہرہ بٹھاکر "اندر آنا منع ہے" کا بورڈ چسپاں کردیا جائے تاکہ ارباب سیاست صنم خانہ سیاست میں جو کھیل بھی کھیلنا چاہیں قرآن وسنت کے محتسب سے انہیں کوئی خطرہ نہ ہو۔

بہرحال ان الفاظ سے واضعین قانون کا جو منشا بھی ہو قرآن وسنت کے احکام کو تسلیم کرنے کے باوجود انہیں اس شرط کے ساتھ مشروط کرنا کہ ان سے ہماری فلاں چیز متاثر نہ ہو بڑی نازیبا جسارت ہے بلکہ مجھے یہ کہنا چاہئے قرآن وسنت کو تسلیم کرنے کے لئے ایسے شرطیہ الفاظ کسی ایسے شخص کی زبان وقلم سے نہیں نکل سکتے جو اللہ ورسولؐ پر ایمان رکھتا ہو اور قرآن وسنت کو قانون الٰہی مانتا ہو' اس لئے جس شخص نے شریعت بل کی دفعہ ۳ کے یہ الفاظ وضع کئے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ وہ ان لادینی قوتوں کا نمائندہ ہے جو میاں نواز شریف کی حکومت سے برسرپیکار ہیں' شریعت بل کی دفعہ ۳ کے یہ شرطیہ الفاظ موجودہ حکومت کے خلاف "ٹائم بم" کی حیثیت رکھتے ہیں' وقت آنے پر جب یہ "ٹائم بم" پھٹے گا تو موجودہ حکومت بھک سے اڑجائے گی اور اپنے اعوان وانصار سمیت ہوا میں تحلیل ہوجائے گی' میں میاں محمد نواز شریف پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ شریعت بل دفعہ ۳ کے یہ شرطیہ الفاظ ملک کے موجودہ سیاسی نظام کو بچانے کے لئے نہیں بلکہ ان کی حکومت کو مٹانے کے لئے ہیں' ان کا فرض ہے کہ اولین فرصت میں دفعہ ۳ کی اصلاح کرائیں اور اس کفرونفاق آمیز شرط سے فوراً توبہ کا اعلان کریں۔

اگر ہمارا موجودہ سیاسی نظام قرآن وسنت سے ٹکراتا ہے تو اس کو قرآن وسنت کے دائرہ اقتدار سے باہر رکھنا قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق ہے :

افتومنون ببعض الكتاب وتكفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا ویوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون۔

(بقرہ ۸۵)

ترجمہ: "تو کیا مانتے ہیں بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے"۔

ایک مسلمان کا کام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت ہے' اور اس میں استثناء کی کوئی گنجائش نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین۔

(بقرہ ۲۰۸)

ترجمہ: "اے ایمان والو داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بے شک وہ تمہارا صریح دشمن ہے"۔

نیز قرآن کریم کا واضح اعلان ہے:

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔

(النساء ۶۵)

ترجمہ: "پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب

تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ
آپ سے تصفیہ کرادیں پھراس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی
نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کرلیں"۔

جو "ہوا" لادین طبقہ کی طرف سے کھڑا کیا گیا ہے اس کا علاج یہ نہیں کہ ہمارے سیاسی نظام میں قرآن وسنت کے داخلہ پر پابندی عائد کردی جائے بلکہ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ بالغ نظر اہل علم دانشوروں کی کمیٹی کے سپرد کردیا جائے اور وہ غور وفکر کے بعد "اسلامی نظام حکومت" کا خاکہ مرتب کرے اور پھر غور وفکر کے بعد تدریجاً موجودہ نظام کو "اسلامی نظام حکومت" میں ڈھالا جائے' اور اہل نظر جانتے ہیں کہ موجودہ سیاسی نظام کو "اسلامی نظام حکومت" میں ڈھالنے کے لئے ہمیں زیادہ طویل ذہنی سفر کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی' بہت مختصر سی اصلاحات کے بعد ہم موجودہ نظام کو "اسلامی نظام حکومت" کے قریب لاسکتے ہیں' الغرض یہ شرط قطعاً غلط اور بے ہودہ ہے اور جس مقصد کے لئے یہ شرطیہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ مقصد بھی لغو اور لایعنی ہے اگر ملک میں واقعتاً شریعت کو نافذ کرنے کا ارادہ ہے تو اس شرطیہ فقرے کو فوراً حذف کردیا جائے۔

دوم: شریعت بل کی دفعہ ۲۰ میں کہا گیا ہے:

"اس ایکٹ میں شامل کسی بھی جزو کے باوجود آئین کے تحت
عورتوں کو دیئے جانے والے کوئی بھی حقوق اثر انداز نہیں ہوں گے"۔

یہ دفعہ بھی اسی قسم کے ذہنی تحفظ کی غماز ہے' جس کا ذکر اوپر کیا گیا' لادین طبقہ نے زور وشور سے یہ پروپیگنڈا کر رکھا ہے کہ اگر اسلامی شریعت نافذ کردی گئی تو عورتوں کے حقوق سلب کرلئے جائیں گے' ہمارے اونچے معاشرے کی بیگمات (جن کو لسان نبوت سے "ناقصات العقل وَالدِّین" کا خطاب دیا گیا ہے) کے دماغ میں یہ خیال سرایت کرگیا ہے کہ پاکستان کا دستور خدا اور رسول سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے' قرآن وسنت ان کو وہ حقوق نہیں دلاتے جو آئین پاکستان میں ان کو دیئے گئے ہیں۔

ہمارے قانون سازوں نے اس دفعہ ۲۰ کے ذریعہ عورتوں کو ذہنی تحفظ دینے کی کوشش کی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ جن نازک مزاج بیگمات کے لئے اس ذہنی تحفظ کی ضرورت سمجھی گئی۔ ہے کیا وہ اللہ و رسول پر ایمان رکھتی ہیں یا نہیں؟ اور قرآن وسنت کو غیر مشروط طور پر بالاتر قانون تسلیم کرتی ہیں یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو ان "کافرات" کے ذہنی تحفظ کا اہتمام بالکل بجا ہے مگر دفعہ ۲۰ میں یہ تصریح ضروری تھی کہ جو عورتیں خدا اور رسول پر ایمان نہیں رکھتیں اور کتاب وسنت کو اپنا دستور حیات تسلیم نہیں کرتیں ان کے جو حقوق آئین میں دیئے گئے ہیں وہ شریعت بل کے مندرجات سے متاثر نہیں ہوں گے' الغرض یہ دفعہ ۲۰ صرف بے ایمان عورتوں کے ساتھ مخصوص ہونی چاہئے' مسلمان عورتوں پر اس دفعہ کا لاگو کرنا ظلم ہے' اور اگر ان بڑے گھروں کی بیگمات کو بھی اللہ ورسول پر ایمان رکھنے کا دعویٰ ہے اور وہ بھی قرآن وسنت کی حقانیت پر عقیدہ رکھتی ہیں تو ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے قرآن وسنت کے مقابلہ میں دستور پاکستان کا حوالہ دینا نہایت لائق شرم ہے' بہرحال یہ دفعہ قطعاً غلط اور لائق حذف ہے۔

حکومت نے اس دفعہ کے ذریعہ خدا اور رسولؐ کو ناراض کرکے عورتوں کو (چند بیگمات کو) خوش کرنے کا جو سودا کیا ہے اسے معلوم رہنا چاہئے کہ یہ سودا اسے مہنگا پڑے گا۔ حدیث شریف میںؐ ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لکھا کہ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت لکھ بھیجئے' جواب میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے تحریر فرمایا :

سلام علیک 'اما بعد فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول" : من التمس رضی اللہ بسخط الناس کفاہ اللہ مونۃ الناس' ومن التمس رضی لناس بسخط اللہ وکلہ اللہ الی الناس۔ والسلام علیک۔

(رواہ الترمذی ۔ مشکوٰۃ ص۴۳۵)

ترجمہ "؛ السلام علیکم' بعد سلام مسنون واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضی کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا متلاشی ہو اللہ تعالیٰ لوگوں کے شر سے اس کی خود کفایت فرمائیں گے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کرکے لوگوں کی رضامندی تلاش کرے اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کے سپرد کردیں گے۔ والسلام"۔

اگر حکومت خدا کے قہر کی چکی میں پسنے لگی تو ہم دیکھیں گے کہ چند بیگمات اس کی کیا مدد کرتی ہیں جن کی رضا جوئی دفعہ ۲۰ کے ذریعے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اللہ و رسول نے عورتوں کو جو حقوق دیئے وہ عورتوں کیلئے مایۂ صد فخر ہیں' ان کے خلاف عورتوں کو جو نام نہاد حقوق جدید تہذیب یا مغربی معاشرہ عطا کرتا ہے وہ عورتوں کے لئے موجب صد ننگ و عار ہیں۔ ایک مومن کو ان نام نہاد حقوق کے مطالبہ سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔

سوم : ایک اہم نکتہ اعتراض شریعت بل کی دفعہ ۴ پر اٹھایا گیا ہے کہ اس دفعہ کے ذریعہ اسلامی قانون کی تشریح کا کام بلا تخصیص تمام عدالتوں کے سپرد کردیا گیا ہے جب کہ کوئی مرتب شدہ قانون عدالتوں کے سامنے نہیں رکھا گیا' اس صورت میں عدالتیں اپنی صوابدید کے مطابق فیصلے کریں گی اور ایک عدالت کا فیصلہ دوسری عدالت سے مختلف ہوگا' اندریں صورت عدالتی فیصلوں میں انتشار و اختلال پیدا ہوگا۔

اس ابہام و انتشار سے بچنے کے لئے کسی معقول طریقہ کار کا وضع کرنا ضروری ہے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے مولانا سمیع الحق اور قاضی عبداللطیف کا مسودہ شریعت بل' اسلامی نظریاتی کونسل کو غور و فکر کے لئے بھیجا تھا۔ کونسل نے دفعہ ۴ کے عملی نفاذ کے لئے جو تجویز پیش کی تھی وہ خاصی معقول تھی' موجودہ حکومت کو اس سے استفادہ کرتے ہوئے راہ عمل متعین کرنی چاہئے' اس تجویز کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے :

"دفعہ چار کا عملی نفاذ"

"دفعہ ۴ کے عملی نفاذ کی بہتر اور موثر صورت جس سے عدالتی کام میں ابہام، انتشار، اختلال اور تاخیر سے بچا جاسکتا ہے کونسل کے نزدیک یہ ہوگی :

۱۔ کونسل جتنے قوانین کو اسلام سے ہم آہنگ کرکے حکومت کو سفارشات پیش کرچکی ہے ان کو بلا تاخیر قانون کی شکل میں پاس کردیا جائے تاکہ عدالتوں کو ان کے بارے میں دفعہ وار قانون دستیاب ہوسکے اور وہ اس کے مطابق فیصلے کرسکیں مثلاً قصاص ودیت کا قانون کونسل کی سفارشات کے مطابق پاس کردیا جائے تو فوجداری قوانین کا تقریباً نصف حصہ مدون شکل میں فراہم ہوجائے گا۔

۲۔ جن قوانین کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت نے اسلامی احکامات سے تعارض کی نشان دہی کی ہے ان کو بھی بلا تاخیر اسلام سے ہم آہنگ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۳۔ جن قوانین پر کونسل نے ابھی سفارش نہیں کی یا وفاقی شرعی عدالت نے تبصرہ نہیں کیا اور جن کی تعداد اب بہت زیادہ نہیں ہے ان کو کونسل جلد سے جلد اسلام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اپنی سفارشات پیش کردے گی تاکہ شوریٰ ان کو بھی بلا تاخیر قانونی شکل میں پاس کردے۔

۴۔ ایسے علماء کی فراہمی اور تربیت کا بتدریج اہتمام کیاجائے جو نئے عدالتی نظام میں بطور جج یا مشیر اپنے فرائض منصبی کما حقہ انجام دے سکیں۔ عبوری نظام کے طور پر فی الوقت جس قدر باصلاحیت واہل علماء دستیاب ہوسکیں انہیں بطور جج یا مشیر جج مقرر کردیا جائے۔

مذکورہ بالا تمام منازل طے کرنے میں کونسل کے نزدیک ایک سال
سے زیادہ مدت نہیں لگنی چاہئے"۔

پیش نظر "شریعت بل" میں بعض دیگر امور بھی لائق اصلاح ہیں' مگر آج کی صحبت میں ان پر تبصرہ کرنے کا موقع نہیں۔

آخر میں میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان اور ان کی حکومت کے ارکان سے دو گزارشیں کرنا چاہتا ہوں' ایک یہ کہ جو کچھ لکھا گیا ہے محض انہی کی خیر خواہی کے لئے لکھا گیا ہے انہیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ شریعت الٰہی ایک رحمت ہے' ہم اس کے محتاج ہیں' وہ ہماری محتاج نہیں۔ قرآن کریم کا واضح اعلان ہے :

وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا
امثالکم (سورہ محمد ۳۸)

ترجمہ :"اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کردے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے"۔

اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے اٹھیں گے تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے نصرت و حمایت کا وعدہ ہے :

یا ایھا الذین آمنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم'
ویثبت اقدامکم

(سورہ محمد ۷)

ترجمہ :"اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"۔

اور اگر ہم اللہ تعالیٰ کے دین سے بے پروائی کرتے ہوئے محض اپنی دنیا اور سیاست کے لئے کوئی کام کریں گے تو نصرت الٰہی ہمارا ساتھ نہیں دے گی۔ الغرض شریعت کے نفاذ کا کام پوری ہمت و جرأت کے ساتھ اور محض رضائے الٰہی کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ محض سیاسی کھیل نہیں بلکہ یہ ہمارے دین و ایمان اور دنیا و آخرت کا مسئلہ ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ ہم سب گنہگار ہیں' جہاں تک ہماری حد استطاعت میں ہو ہمیں دین خداوندی کو اپنانے کا عہد اور عزم کرنا چاہئے' اور ہم سے جو کوتاہی سرزد ہو اس پر دل کی ندامت کے ساتھ توبہ واستغفار کو اپنا شعار بنانا چاہئے کہ معاملہ مخلوق کے ساتھ نہیں بلکہ خالق ومالک کے ساتھ ہے۔ اس زمانے میں ہمارے حکمرانوں کی یہ کمزوری ہے کہ دین خداوندی کو لوگوں کی خواہشات اور دور جدید کے طور وطریق سے ہم آہنگ کرنے کے لئے دین میں قطع وبرید شروع کردیتے ہیں' دنیا کو یہ باور کراتے ہیں کہ انہوں نے دین خداوندی کو نافذ کردیا' لیکن واقعۃً وہ اپنی خواہشات کو دین کے نام سے نافذ کرکے خلق خدا کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو بھی فریب دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل نہایت خطرناک اور تباہ کن ہے اس کا ہرگز قصد نہ کیا جائے اور احکام اسلامی میں ترمیم وتحریف کرکے انہیں اپنی اور اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کی ہرگز کوشش نہ کی جائے۔ قرآن وسنت کے احکامات کو نافذ کرنا منظور ہے تو ان کو خدا ورسول کی منشا کے مطابق نافذ کیا جائے' خدانخواستہ مسخ وتحریف کی کوشش کی گئی تو لعنت خداوندی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ قوم ایسے مسخ شدہ قوانین کو اسلام کے نام سے ہرگز قبول نہیں کرے گی' اور یہ ناکارہ سب سے پہلے ان کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتا ہے۔

حق تعالیٰ شانہ ہمیں' ہمارے حکمرانوں کو اور تمام اہل وطن کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائیں' اور اپنے قہروغضب کے موجبات ومہلکات سے پناہ میں رکھیں' حق تعالیٰ شانہ اس ملک خداداد کی حفاظت فرمائیں اور اندرونی وبیرونی دشمنوں کی سازشوں سے اس کی حفاظت فرمائیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه صفوۃ البریة سیدنا محمدن النبی الامی وعلیٰ آله واصحابه واتباعه اجمعین

بینات ذی الحجہ ۱۴۱۱ھ

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے امکانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

علمائے دیوبند کی ایک محترم اور باوقار جماعت "جمعیت علماء ہند" تقسیم ہند کی مخالف تھی۔ جن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا احمد سعید دہلوی، امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ جیسے اکابر و اعاظم شامل تھے، ایک آدمی کی عقل چکرا جاتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایسے عالی قدر اکابر جن کی نظیر ہندوستان میں کیا پوری دنیا میں موجود نہیں تھی، اس بٹوارے کے خلاف تھے جس کا مطالبہ مسلم لیگ کی طرف سے "پاکستان" کے نام پر ہو رہا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ بزرگ معصوم نہیں تھے۔ یہ درست ہے کہ یہ ان کی ایک رائے تھی اور رائے غلط بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک مورخ کا فرض ہے کہ ان کا نقطہ نظر بھی پوری دیانت و امانت کے ساتھ قلمبند کرے اور ان کے دلائل کا بغور مطالعہ کرے اور بغیر کسی کم و کاست کے اسے تاریخ کے امانت خانے میں محفوظ کر دے۔

خصوصاً جب کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ان لوگوں نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کو بسر و چشم تسلیم کیا بلکہ اسے مسجد کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کے تقدس کو اجاگر کیا۔ اور پاکستان کے استحکام اور اس کی سالمیت کے تحفظ کو مسلمانوں کا ملی فریضہ قرار دیا۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو لکھا:

> "پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرض وجود میں آیا ہے۔ اب یہ "مسجد" کے درجے میں ہے۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔" (کردار قائد اعظم، از منشی عبدالرحمٰن جہلیک ملتان ۴۹۶)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور کے ایک عظیم الشان جلسہ عام میں فرمایا:

"پاکستان ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا ہے۔ اب اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ آئندہ کے لئے میں نے تو سیاسیات سے کنارہ کشی کر لی ہے' جو حضرات صرف تبلیغ دین اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے کام کرنا چاہتے ہیں وہ میرے ساتھ آ جائیں' اور جو سیاسیات میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر ملک کی خدمت کریں"۔

(قائداعظم از مسٹر علوی' ص ۱۵۲)

ایک اور موقع پر شاہ جیؒ نے فرمایا:

"میں ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ صدا دیتے پھرتے ہیں کہ میں توشہ وفاداری لئے پھرتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو' اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو' ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں۔ میری خوشی بے کراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں بھی سامراج کو دیکھ نہیں سکتا' میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔

تم میری رائے کو خود فروشی کا نام دو' میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔ اب پاکستان نے جب بھی پکارا' واللہ! باللہ!! میں اس کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی۔ کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں نہ اپنی جان کو عزیز سمجھتا ہوں' نہ اولاد کو'

میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اب بھی تمہارا ہے"۔

(فرمودات امیر شریعت ص ۷۲)

تقسیم ملک کے بعد شاہ جیؒ نے اپنی بہت سی تقریروں میں فرمایا:

"ایک شخص ایک خاندان میں شادی کرنا چاہتا ہے مگر اس کا باپ' بھائی اور دوسرے رشتہ دار اس رشتہ پر راضی نہیں۔ باوجود اس کے کہ وہ شادی کر ہی لیتا ہے۔ ماں 'باپ اپنے پرائے اگرچہ اس رشتہ پر راضی نہ تھے لیکن شادی ہونے کے بعد مبارکباد دیتے ہیں اور دعوتیں کرتے ہیں وہ کون سا دیوث باپ ہوگا جو اپنی اس بہو کی عصمت پر حملہ کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کی اجازت دے۔ پاکستان بن چکا ہے اب اس کی حفاظت ہمارا جزو ایمان ہے۔"

(فرمودات امیر شریعت ص ۷۳)

ایک موقعہ پر جب اکالی لیڈر ماسٹر تارا سنگھ نے تلوار گھما کر مسلمانوں کو خون کی ندیاں بہانے کی دھمکی دی تو امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس کو للکار کر فرمایا:

"ماسٹر جی! ہوش کے ناخن لو! کیا کہتے ہو؟ جس قوم کے فرزند خون کے سمندر میں تیرتے رہے ہیں تم اسے اپنی ننھی منی ندیوں سے ڈراتے ہو؟"

پھر فرمایا:

"مسٹر جناح کے مقابلے میں تارا سنگھ کی تلوار اٹھے گی تو اس کے مقابلے میں پہلے بخاری آئے گا"

(فرمودات امیر شریعت ص ۷۵)

یہ حضرات جو تقسیم کے مخالف تھے اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اسلامی مملکت کے قیام کے خلاف تھے۔ یہ تو ایسا پاکیزہ مقصد ہے کہ کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ دیانت داری سے یہ سمجھتے تھے کہ اسلامیان ہند

کا مجموعی مفاد اسی میں ہے کہ ملک تقسیم نہ ہو اور ہندوستان کے بٹوارے میں۔ انہیں متعدد اندیشے لاحق تھے۔

مثلاً ایک اندیشہ انہیں یہ تھا کہ جن اصحاب کے ہاتھ میں مطالبہ تقسیم کی تکمیل ہے کیا وہ واقعۃً "اسلامی حکومت" قائم کریں گے؟ ان کا خیال تھا کہ "اسلام کی حکومت" قائم کرنے کے لئے جس اخلاص و للہیت، جس تقویٰ و طہارت جس علم و فضل، جس فہم و فراست، جس عقیدہ و عمل، جس جرات و عزیمت اور جس ایثار و قربانی کی ضرورت ہے وہ چونکہ ان حضرات میں مفقود ہے اس لئے تقسیم ملک کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ایک خطہ زمین ضرور مل جائے گا مگر احکام الٰہیہ کا نفاذ اور شریعت محمدیہ کا اجراء نہیں ہو سکے گا۔

"کردار قائداعظمؒ" کے مصنف لکھتے ہیں۔"

> "۲۴ اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں مجلس احرار اسلام کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں پانچ لاکھ کے قریب حاضری تھی۔ اتنا بڑا اجتماع دہلی کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ ہوا تھا اور نہ پھر ہوا' چونکہ ان دنوں "کرپس مشن" کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مذاکرات ہو رہے تھے۔ تقسیم ہند کا مسئلہ زیر بحث تھا جس پر امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اپنے خیالات کا اظہار کرنا تھا' اس لئے مسلمان بہ تعداد کثیر اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ اس تاریخی جلسہ میں مولانا ابوالکلام آزاد' پنڈت جواہر لال نہرو اور برطانوی مشن کے سربراہ لارڈ پیتھک لارنس بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ جمعیۃ العلماء ہند کی مولانا سید حسین احمد مدنی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نمائندگی کر رہے تھے۔ زعماء احرار میں سے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی 'ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین موجود تھے۔ صدارت کے فرائض مولانا حسین احمد مدنی اور اسٹیج سیکریٹری کے فرائض شیخ حساب الدین سرانجام دے رہے تھے۔ بعد ازاں لارڈ پیتھک لارنس اور پنڈت نہرو اٹھ کھڑے

ہوئے۔ پنڈت نہرو نے بائیک پر آکر کہا:

"بھائیو! میں تو صرف بخاری صاحب کا قرآن سننے آیا تھا۔ اب میں معذرت کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔ کیونکہ برطانوی مشن کی آمد کے باعث مصروفیت زیادہ ہے"

یہ کہہ کر ہر دو مذکورہ بالا حضرات جلسہ گاہ سے چلے گئے۔

"شاہ صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برعظیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے؟ قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا۔ لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانان ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے' تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول و فعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے ـــــ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچے میں حکومت الہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالا تر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے' جن کا اٹھنا بیٹھنا' جن کا سونا جاگنا' جن کی وضع قطع' جن کا رہن سہن' بول چال' زبان و تہذیب' کھانا پینا' لباس وغیرہ' غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے

مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعہ پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کر سکتے ہیں۔۔ یہ ایک فریب ہے' اور میں فریب کھانے کے لئے تیار نہیں.....

ہندو اپنی مکاری و عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا۔ اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی یہ حالت ہو گی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہو گا اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہو گی' اور یہ خاندان زمینداروں' صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر"۔

(روزنامہ الجمعیتہ دہلی ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء)

حضرت امیر شریعتؒ کی تقریر کے اس اقتباس کو بار بار پڑھئے اس میں جتنے اندیشوں کا اظہار کیا گیا وہ ایک ایک کر کے صحیح ثابت ہوئے۔ یہ ان حضرات کی بصیرت کا کمال تھا کہ انہوں نے ان تمام امور کی گویا پیشگوئی کر دی جو بعد میں ہمارے سامنے واقعہ بن کر رونما ہوئے۔

اس ناکارہ نے ایک مرتبہ حضرت امیر شریعتؒ کی تقریر کا مندرجہ بالا اقتباس اپنے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ کو پڑھ کر سنایا۔ حضرت سن کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

"قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید"

کردار قائد اعظمؒ کے مصنف اس اقتباس کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

"گو بعد کے واقعات نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ان

اندیشوں کو صحیح بلکہ سو فیصدی صحیح ثابت کر دیا لیکن ......"

(کردار قائداعظمؒ ص ۱۵۷)

اگرچہ مسلم لیگ کے سربرآوردہ حضرات کی جانب سے وقتاً فوقتاً اس قسم کے وضاحتی بیانات جاری ہوتے رہتے تھے جن سے اس اندیشہ کے ازالہ میں مدد ملتی تھی، مثلاً:

الف : نواب محمد اسماعیل میرٹھی نے ۹ نومبر ۱۹۴۵ء کو الہ آباد میں علماء کرام سے تعاون کی اپیل کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان ہے اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین میں اسلام کی سیاسی بنیادوں پر شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کی جائے۔"

(منشور ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ء)

ب : میاں بشیر احمد صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں فرمایا:

"پاکستانی طرز حکومت خلفائے راشدینؓ کے طرز حکومت کے موافق ہو گا۔"

(مدینہ بجنور یکم جنوری ۱۹۴۳ء)

ج : بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء میں عید الفطر کے پیغام میں فرمایا:

مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے، ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک غور سے پڑھیں۔ قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

(کردار قائداعظم ص ۱۵۸)

د : نواب زادہ لیاقت علی خان جنرل سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے پشاور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہو گا۔"

ہ : جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت ہماری قوم کے سامنے سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کن اصولوں پر اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی جائے۔ اس سوال کا جواب مسلمان کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے تیرہ سو سال قبل دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ آپؐ جو پیغام الٰہی لائے تھے وہ اب ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ دنیا کی عظیم المرتبت کتاب قرآن شریف ہے' جو بنی نوع انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے موجود ہے۔ اللہ ہی ہمارا بادشاہ ہے اور وہی ہمارا حکمران ہے۔"

(کردار قائداعظمؒ ص ۱۶۰)

یہی وہ اعلانات تھے جن پر اعتماد کرتے ہوئے مسلم عوام نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اور یہی وہ سحر انگریز نعرہ تھا جس سے مسحور ہو کر عوام نے مسلم لیگ کو ایک تحریک بنایا۔ لیکن اس کے برعکس ایسے بیانات بھی شائع ہوتے رہے تھے جن سے اس اندیشے کو تقویت ملتی تھی کہ پاکستان کی اسلامی حکومت میں احکام الٰہیہ جاری نہیں ہو سکیں گے مثلاً:

شہباز لاہور مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء نے "ڈان" کے حوالے سے لکھا:

"مسٹر جناح نے ہمیشہ کہا ہے کہ پاکستان کوئی دینی و مذہبی حکومت ہرگز نہیں ہوگی بلکہ خالصتاً دنیوی حکومت ہوگی اور مسلمانوں کی حکومت الٰہیہ کے نظریہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو عالمگیر اسلامی قومیت (پان اسلام ازم) سے دور کا کوئی واسطہ بھی ہے ان سے مسٹر جناح کو ہرگز اتفاق نہیں"۔

ڈان ۹ ستمبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

"مسٹر جناح نے ہمیشہ پاکستان کو ایک دنیاوی اسٹیٹ قرار دیا ہے اور اس خیال کی ہمیشہ سختی سے مخالفت کی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی حکومت الٰہیہ قائم ہو گی جو لوگ پاکستان کو پان اسلام ازم 'الاتحاد اسلامی کے مترادف قرار دیتے ہیں وہ اسلام کے دشمن ہیں"۔

"ڈان" ان دنوں انگریزی اخبارات میں سب سے ممتاز اخبار سمجھا جاتا تھا اور ہماری اونچی سوسائٹی کے حضرات اکثر و بیشتر اسی کا مطالعہ فرماتے تھے۔ یہ اخبار تحریک پاکستان کا پرجوش داعی و منادی اور مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان شمار ہوتا تھا۔ اخبار "مدینہ بجنور" نے مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں "ڈان" کے عملے کا مندرجہ گوشوارہ شائع کیا تھا:

نام	عہدہ	مذہب	مشاہرہ
جوزف پوتھن	چیف ایڈیٹر	عیسائی	۱۳۵۰٬۰۰ روپے
پی ابراہیم	اسسٹنٹ ایڈیٹر	عیسائی	۴۵۰٬۰۰ روپے
مسٹر شرما	نیوز ایڈیٹر	ہندو	۲۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر راؤ	سب ایڈیٹر	ہندو	۱۵۰٬۰۰ روپے
مسٹر سلہری	سب ایڈیٹر	قادیانی	۱۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر بیگ		مسلمان	۱۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر داسو	کارٹونسٹ	ہندو	۲۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر جونز	سب ایڈیٹر	یہودی	۱۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر شکلا	پی اے ایڈیٹر	ہندو	۹۰٬۰۰ روپے
مسٹر نیلکنٹھ	ٹائپسٹ	ہندو	۸۰٬۰۰ روپے
مسٹر وو گل	نائب مہتمم اشتہارات	ہندو	۱۰۰٬۰۰ روپے
مسٹر ضیاء	کلرک	مسلمان	۷۰٬۰۰ روپے
مسٹر محمود	جنرل مینجر	مسلمان	۳۰۰٬۰۰ روپے

گویا ۱۹۴۳ء میں "ڈان" کا ماہانہ خرچ (۳۲۹۰) روپے تھا۔ جن میں سے مسلمانوں کو چار سو ستر (۴۷۰) اور غیر مسلموں کو دو ہزار آٹھ سو بیس (۲۸۲۰) روپے مل رہے تھے، تیرہ ملازمین میں دس غیر مسلم تھے اور تین مسلمان اور وہ بھی ایسے کہ ان کی رائے اخبار کی پالیسی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔ ان بزرگوں کے لئے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ اگر تقسیم ملک کا مطالبہ "اسلام کی حکومت" قائم کرنے کے لئے کیا جا رہا ہے تو ڈان

کے یہ عیسائی 'یہودی 'ہندو اور قادیانی اس تقسیم کی منادی کیوں کر رہے ہیں؟ کیا یہ حضرات مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مفتی کفایت اللہؒ سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں؟

اور پھر اس اندیشے کو مزید تقویت اس وقت ملتی تھی جب "ڈان" میں اس قسم کے مضامین اور مراسلات شائع ہوتے تھے"

"پاکستان میں مذہبی حکومت یا مسلم راج نہ ہوگا کیونکہ مذہبی حکومت صرف وہاں قائم ہو سکتی ہے جہاں ایک ہی مذہب کے سوفیصدی لوگ ہوں (ذرا معلومات کی وسعت کا بھی اندازہ فرمایئے۔ ناقل) یا اتنی فوجی طاقت ہو کہ وہ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے مطیع کر سکے۔"

"اگر پاکستان میں مذہبی حکومت بنا دی گئی تو اس سے عوام کی ترقی رک جائے گی۔ طبقات کی تفریق کا سلسلہ جاری رہے گا۔ انسان کی اجتماعی اور اقتصادی نجات کی راہ بند ہو جائے گی۔ مذہبی حکومت کے پیشرو مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں۔ ہندو صوبوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم ہونے لگیں گے اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اٹھے گی"

(اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۴۴ء بحوالہ اخبار "ایمان")

ظاہر ہے کہ جب تحریک پاکستان کا سب سے بڑا داعی اور مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان اسلام اور اسلامی حکومت کے بارے میں اس قسم کے مضامین چھاپتا ہو تو اسلامی حکومت کے قیام کے بارے میں اندیشوں کا لاحق ہونا ایک فطری امر تھا۔ کاش! قیام پاکستان کے بعد ارباب اقتدار نے ان اندیشوں کو غلط ثابت کر دکھایا ہوتا تو کم از کم ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوتے کہ ان بزرگوں کی فراست غلط نکلی۔ اس کے برعکس ہم نے یہ دیکھا کہ جو منطق ۱۹۴۴ء میں "ڈان" پیش کر رہا تھا وہی منطق ہماری اونچی سوسائٹی کے حضرات جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور تھی پیش فرمانے لگے۔ اس طبقہ میں جناب چوہدری غلام

احمد پرویز کو جو مقبولیت ہوئی وہ اظہر من الشمس ہے اور مسٹر پرویز اس نظریہ کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کے اجراء کا مطالبہ اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش ہے وہ فرماتے ہیں:

" یہاں آتے ہی حکومت سے یہ مطالبہ تھا کہ اسلامی قوانین نافذ کرو۔ اس سے ذہن میں یوں آتا ہے گویا اسلامی قوانین کسی کتاب کے اندر منضبط تھے جسے یا تو حکومت پاکستان انڈیا سے اپنے ساتھ لائی تھی اور یا وہ یہاں کسی لائبریری یا ایوان حکومت میں رکھی تھی اور حکومت کا فریضہ یہ تھا کہ وہ ان قوانین کو حکومت کے قانون کی حیثیت سے ملک میں نافذ کر دے۔ یہ تھا وہ تاثر جو یہاں دیا گیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ انڈیا اور پاکستان تو ایک طرف دنیا میں کہیں بھی کوئی ضابطہ قوانین ایسا موجود نہیں جسے تمام فرقوں کے مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیتے (غلط فہمی اور غلط نگہی کی انتہا دیکھئے ۔ناقل)صورت یہ تھی کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے تھے۔ اور ہر فرقے کے پرسنل لاء اپنے اپنے تھے، جن میں وہ کسی قسم کا تغیر و تبدل جائز قرار نہیں دیتے تھے (اس تغیر و تبدل کی ضرورت ہی کیوں تھی کیا بغیر تغیر و تبدل کے ہر فرقہ کے پرسنل لاز اس کے لئے نافذ نہیں ہو سکتے تھے؟ ناقل)باقی رہے پبلک لاز، تو وہ مختلف سلطنتوں کے وضع کردہ تھے (ذرا اس خالص جہل کی بھی داد دیجئے! ناقل) ہندوستان میں یہ قوانین 'برطانوی حکومت ہند کے مرتب کردہ تھے اور اس حصہ ملک میں بھی نافذ تھے جسے اب پاکستان کہا جاتا تھا۔ ان حالات میں حکومت سے یہ مطالبہ کرنا کہ ملک میں فوراً قوانین شریعت نافذ کرو کتنا بڑا فتنہ درکنار تھا؟ (تو 'پھر پاکستان بنانے کا تکلف ہی کیوں فرمایا گیا؟ اور یہ جھوٹ کیوں بولا جاتا تھا کہ پاکستان میں اسلامی شریعت نافذ کی جائے گی ناقل)

"ان حالات میں عزیزان من! آپ سوچئے کہ مودودی صاحب کی طرف سے یہ مطالبہ کہ ملک میں فوراً قوانین شریعت نافذ کرو کیا معنی رکھتا تھا؟ (یہ مطالبہ تنہا مودودی صاحب کی طرف سے نہیں تھا بلکہ ان تمام مسلمانوں کی طرف سے تھا اور ہے اور رہے گا' جن سے "پاکستان کا مطلب کیا لاالہ الااللہ "کے نعرے پر ووٹ لئے گئے تھے۔ ناقل)"

"اگر حکومت ان کے دام فریب میں الجھ کر کسی ایک فرقے کی فقہ کو بھی بطور قانون مملکت نافذ کر دیتی تو یہاں ایسی سول وار (خانہ جنگی) شروع ہو جاتی جس کے بعد اس مملکت کا نام و نشان تک باقی نہ رہتا۔ انہوں نے (ارباب حکومت نے) سمجھ سے کام لیا اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھایا۔ (لیکن افسوس کہ "سول وار" سے یہ ملک پھر بھی محفوظ نہ رہا۔ ناقل)

(طلوع اسلام کنونشن منعقدہ اکتوبر ۱۹۷۶ء سے پرویز صاحب کا خطاب ۔بعنوان اسلام اور پاکستان کے خلاف گہری سازش ۔شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام ۔گلبرگ لاہور)

یہ ٹھیک وہی منطق تھی جو "ڈان "کے کالموں میں یہودی 'عیسائی 'ہندو اور قادیانی غیر مسلم پیش کیا کرتے تھے۔ یہی منطق یہاں کے لکھے پڑھے لوگوں نے اسلامی قوانین کو ٹالنے کے لئے ہمیشہ استعمال کی' اسی کا نتیجہ ہے کہ قریباً نصف صدی گذرنے پر بھی پاکستان اسلامی قوانین کے معاملے میں اسی مقام پر کھڑا ہے جہاں تقسیم کے وقت تھا بلکہ اس سے بھی چند قدم پیچھے الغرض تقسیم کے بعد یہ خطرہ واقعہ بن کر سامنے آیا۔ اس خطہ پاک میں دین اور دینی شعائر کی قدرومنزلت رفتہ رفتہ مٹتی چلی گئی۔ اہل علم کو "دو رکعات کا امام" کہہ کر پیچھے دھکیل دیا گیا۔ کانگریسی علماء تو خیر گردن زدنی تھے ہی وہ اکابر علماء جنہوں نے تحریک پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ نثار کر دیا تھا انہیں بھی خاموش کر کے چار دیواری میں بٹھا دیا گیا اور دینی مسائل پر ایسے حضرات کی بات کو سند تسلیم کیا گیا جو شاید یہ تک نہیں

جانتے کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ شرعی فتوے اور فیصلے ایسے لوگوں کے تسلیم کئے گئے جو خود شریعت ہی کو داستان کہن سمجھتے ہیں فالی اللہ المشتکۃ

الغرض "ڈان" اور دوسرے انگریزی اخبارات جو لادین طبقہ کے زیر تصرف ہیں پینتالیس برس سے اس کی برابر تبلیغ کر رہے ہیں' کہ پاکستان میں اسلام کو کسی قیمت پر نافذ نہ ہونے دیا جائے اور چونکہ برسراقتدار طبقہ پر لادین ذہن کے لوگوں کی گہری چھاپ ہے اس لئے آج تک پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہو سکا اور اگر لادین طبقہ کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں تو صبح قیامت تک بھی یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ پاکستان میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نافذ ہو۔ مگر جس طرح اسلام کا نعرہ لگانا قیام پاکستان کے وقت بھی سیاست دانوں کی مجبوری تھی کہ اس نعرہ کے بغیر مسلم عوام میں ان کی سیاست کو پذیرائی حاصل نہیں ہو سکتی تھی' اسی طرح اسلام کا نعرہ آج بھی ہمارے سیاست دانوں کی مجبوری ہے' وہ اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوئے بھی بامر مجبوری اسلام کا نعرہ لگانے پر مجبور ہیں لیکن ان کے بلند بانگ نعروں سے ہی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ان کے یہ کھوکھلے نعرے محض عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر مسند اقتدار پر فائز ہونے کی خاطر ہیں۔

چنانچہ پی پی پی کی قائد صاحبہ نے ابھی سے اعلان فرما دیا ہے کہ ان کو اقبال کا اسلام چاہئے' مودودی اسلام نہیں چاہئے' اہل فہم جانتے ہیں کہ لادین طبقہ اسلام اور اسلامی نظام کو بدنام کرنے کے لئے اس کے لئے مختلف عنوانات تراشنے کا عادی ہے جو اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے متواتر چلا آ رہا ہے اور جو کتاب و سنت میں مدون ہے اس کو کبھی ملا ازم یا ملائیت کا نام دیا جاتا ہے کبھی روایتی اسلام' کبھی بنیاد پرستی کا کبھی نعوذباللہ "وحشیانہ خیالات" کا نام دیا جاتا ہے۔ چونکہ جماعت اسلامی اپنی تجدد پسندی کے باوجود) بیگم صاحبہ کی سیاسی حریف ہے اس لئے بیگم صاحبہ نے ان کے لئے "مودودی اسلام" کی خوبصورت اصطلاح اختراع کر لی۔ اصل مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کا راستہ روکنا اور قرآن و سنت کی بالادستی کا انکار کرنا ہے۔

دراصل امریکہ بہادر نہیں چاہتا کہ مسلمان ممالک میں اسلام نافذ ہو جائے کیونکہ اسے خطرہ ہے کہ اسلامی ممالک نے واقعۃً اسلام کو اپنا لیا اور اس کے معاشی 'سماجی اور سیاسی اصولوں کو صدق دل کے ساتھ نافذ کر دیا تو "امریکن ازم" کا اسی طرح جنازہ نکل جائے گا جس طرح روس کے سوشلزم کا جنازہ بڑی دھوم سے نکل چکا ہے امریکہ بہادر اسلامی ممالک کی بساط سیاست پر ایسے مہروں کو آگے بڑھانا چاہتا ہے جن کا ذہن اسلام سے باغی ہو اور امریکہ کا زر خرید غلام ہو' پی پی پی کی بے نظیر صاحبہ پر حال ہی کی امریکی یاترا میں یہ "امریکی الہام" نازل ہوا ہے کہ پاکستان کے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے یہ نعرہ لگایا جائے کہ ہمیں فلاں قسم کا اسلام چاہئے 'فلاں قسم کا نہیں تاکہ اس نعرہ کے ذریعہ ان لوگوں کا راستہ روکا جاسکے جو پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی کوشش کر رہے ہیں۔

امریکہ بہادر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ پاکستان (اپنی نیم مردہ حالت کے باوجود) آج بھی عالم اسلام کی قیادت کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اگر کبھی یہاں کے عوام انگڑائی لے کر خواب غفلت سے بیدار ہو گئے اور انہوں نے ملک میں اسلام کے کامل و مکمل نفاذ کی ٹھان لی تو تمام اسلامی ممالک اس کے نقش قدم کو اپنائیں گے 'اس طرح اگر اسلام ایک نئی شکل میں ابھر آیا تو امریکہ کے "ورلڈ آرڈر" کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے ان حالات میں ان تمام حضرات کا فرض ہے جن کے دل میں اسلام اور مسلمانوں سے ہمدردی کا ذرا سا شائبہ بھی موجود ہے کہ عام مسلمانوں کو ایسے سیاسی رہزنوں سے آگاہ کریں جو رہنماؤں کا روپ دھار کر مسلمانوں کے ووٹ کا استحصال کرتے ہیں اور پھر مسند اقتدار پر فائز ہو کر اسلام یا مسلمانوں کا بھلا سوچنے کے بجائے اپنے سفید آقاؤں کے اشارۂ چشم و ابرو کی تعمیل کرتے ہیں آج پاکستان کا مسلمان پھر دوراہے پر کھڑا ہے اسے فیصلہ کرنا ہے کہ اسے امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والوں پر اعتماد کرنا ہے یا ایسے لوگوں پر جو واقعۃً اسلام کے نفاذ میں مخلص بھی ہیں اور اس کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین   بینات ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ

پاکستان میں نفاذِ اسلام کے بارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی مساعیٔ جمیلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

تحریک پاکستان کے دوران اکابر تحریک نے عوام کو نعرہ دیا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا "لاالہ الااللہ" اور ان کی طرف سے پرزور اور پرکشش وعدے کئے جا رہے تھے کہ پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا' پاکستان میں اسلام کی حکمرانی ہو گی اور پاکستان میں خلافت راشدہ کا نظام جاری کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے جلیل القدر رفقاء نے (جو اپنے علم و فضل کے لحاظ سے دینی حلقوں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور اپنے اخلاص و تقویٰ کی بنا پر عام و خاص میں قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) ان وعدوں کی بنیاد پر تحریک پاکستان کی پرزور حمایت کا علم اٹھایا۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت کے لئے "جمعیتہ علمائے ہند" کے مقابلہ میں "جمعیت علمائے اسلام" کی تشکیل فرمائی جس نے تحریک پاکستان کو دینی حلقوں میں متعارف کرایا اور عوام کو اس تحریک کے لئے ایک نیا جوش اور نیا ولولہ عطا کیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے "جمعیت علمائے اسلام" کے صدر کی حیثیت سے ہندوستان کے طول و عرض کا طوفانی دورہ کیا۔ نظریہ پاکستان کی تشریح فرمائی۔ اس کے لئے شرعی دلائل مہیا کئے اور مسلم عوام کو تلقین فرمائی کہ دین وملت کی بقا نظریہ پاکستان میں مضمر ہے۔ اس لئے ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے دین کی حفاظت و بقا کے لئے وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں اور تحریک پاکستان کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالیں۔ حضرت علامہؒ محسوس فرماتے تھے کہ پاکستان کی شکل میں مسلمانوں کو ایک نعمت عظمیٰ عطا کی جا رہی ہے اس لئے تمام ہندی مسلمانوں کو اس نعمت کا پرجوش استقبال

کرنا چاہئے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ء کو مسلم لیگ کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان کانفرنس میرٹھ میں ہوئی۔ جس کی صدارت کے فرائض حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے انجام دیئے۔ آپ نے اس موقع پر اپنے طویل صدارتی خطبہ میں پاکستان کے مسئلہ کی نہایت خوبصورت انداز میں تشریح و وضاحت فرمائی۔ اسی خطبہ میں مسلم لیگ کے قائدین اور عام مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ :

"پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو پاکستان کے بعد کے لئے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض یعنی اسلامی حکومت کی کیا غرض و غایت بتائی ہے سنئے:

الذین ان مکنا ھم فی الارض اقاموا الصلاۃ وآتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور .... (الحج ۴۱)

ہم اس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں۔ کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہے گی بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا"۔

میں تمام ذمہ داران قائدین کو ایک ادنیٰ خادم دین کی حیثیت سے نہایت پرزور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سراً وعلانیۃً پابندی فرمائیں۔ کلام کے خاتمے پر ایک ضروری تنبیہہ کرتا ہوں، وہ یہ کہ آپ پورے جوش و خروش، ولولہ اور عزم اور استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہئے۔" (تجلیات عثمانی ص ۶۸۶)

بتاریخ ۲۵ ۲۶ ' ۲۷ جنوری ۱۹۴۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے گراؤنڈ میں جمعیتہ علمائے اسلام پنجاب کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے حضرت علامہؒ نے ایک زبردست خطبہ دیا جو "ہمارا پاکستان" کے نام سے شائع ہوا۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے مسلمان حکام 'بیرسٹر' وکلاء 'پروفیسرز' علماء 'موافقین و مخالفین اور عوام بے شمار موجود تھے' سب نے متفقہ طور پر تسلیم کیا کہ نظریہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ہم نے آج سمجھا ہے۔ اس خطبہ میں حضرت شیخ الاسلامؒ نے وضاحت فرمائی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد وہاں اسلامی حکومت قائم کر کے گویا سب سے پہلا "پاکستان" بنایا تھا جو صرف مدینہ تک محدود نہیں رہا بلکہ فتح مکہ کے بعد پورا جزیرۃ العرب اس نبویؐ پاکستان کی حدود میں سمٹ آیا تھا۔ اسی کے تتبع میں ہم ہندوستان میں پاکستان بنانے جا رہے ہیں جو پورے ہندوستان پر محیط ہو جائے گا۔ اس خطبہ کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمایئے :

> " مکہ میں جہاں کفار کا غلبہ تھا ایسا موقع کہاں میسر تھا (کہ اسلامی مرکز قائم ہو سکے) آزاد حکومت قائم کرنے کے لئے ایک آزاد مرکز و مستقر کی ضرورت تھی اسی نقطہ نگاہ کے ماتحت شہر یثرب کو جو بعد میں مدینۃ النبیؐ بن گیا مرکز توجہ بنایا گیا اور مشیت الٰہیہ کے زبردست ہاتھ نے آخر کار اپنے رسول مقبولؐ کی تاریخی ہجرت سے مدینہ طیبہ میں ایک طرح کا پاکستان بنا دیا۔"
>
> " ہندوستان کے اس برکوچک میں سے ہم کو ایک ایسا خطہ حاصل کرنا چاہئے جہاں ہم پوری آزادی سے اپنے مذہب' اپنے علوم و معارف' اپنی تاریخی روایات کی حفاظت کر سکیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے۔"
>
> " کیا بعید ہے کہ جیسے مدینہ کا پاکستان انجام کار فتح مکہ پر منتہی ہوا اور سارے جزیرۃ العرب کو اس نے پاکستان بنا دیا اسی طرح یہ ہندی

پاکستان بھی اللہ کے فضل و رحمت سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔"

" سرزمین پاکستان میں قرآن کریم کے سیاسی اصول کی بنیادوں پر اسلام کی حکومت عادلہ قائم ہو گی جس میں تمام اقلیتوں کے ساتھ منصفانہ بلکہ فیاضانہ برتاؤ کیا جائے گا۔ ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے مجھے اس قدر وضاحت کرنے کی اجازت دی جائے کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو' تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کر دے گا۔"

(تجلیات عثمانیؒ ص ۶۸۷ تا ۶۸۹)

حضرت علامہؒ نے ذمہ داران لیگ کے اعلانات پر اعتبار کرتے ہوئے پاکستان کے بارے میں "خلافت راشدہ" کا جو حسین خواب دیکھا تھا ہزار تمناؤں اور بے شمار قربانیوں کے بعد جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ) کو (لیلتہ القدر کی بابرکت رات میں) منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا تو حضرت علامہؒ کو جس قدر خوشی اور مسرت ہونی چاہئے تھی وہ ظاہر ہے کہ ان کو اپنے حسین خواب کی تعبیر مل گئی تھی' اب اس نوزائیدہ مملکت کو اسلامی خطوط پر چلانے کے لئے انہوں نے ضعف اور پیرانہ سالی کے باوجود محنت اور انتھک کوشش شروع کر دی' وہ پاکستان پارلیمان کے لائق احترام رکن تھے اور ذمہ داران لیگ اور بانیان پاکستان کے ساتھ ان کے نہایت قریبی تعلقات تھے' حضرت علامہؒ کو یقین کامل تھا کہ "الکریم اذا وعد وفی" (ایک شریف آدمی جب وعدہ کر لیتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے) کے مطابق یہ حضرات' جن کے ہاتھ میں پاکستان کی زمام اقتدار ہے' ان حتمی وعدوں کا ضرور ایفا کریں گے' لیکن رفتہ رفتہ حضرت علامہؒ کو یقین ہوتا چلا گیا کہ یہ حضرات ان وعدوں کے ایفا کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے بلکہ یہ لوگ اسلام کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک روا رکھتے ہیں اس لئے اسلام کے نفاذ کے مسئلہ کو بلطائف الحیل ٹال رہے ہیں چونکہ ان کے پرزور وعدوں کی یاد ہر عام و خاص کے ذہن میں تازہ تھی اور مسلم عوام ان

سے ایفائے وعدہ کی توقع رکھتے تھے۔ اس لئے یہ حضرات عوام کو مطمئن کرنے کے لئے قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے ان وعدوں کو دہراتے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے بری، بحری اور فضائی افسران اور سول حکام کے سامنے کی تھی، کہا:

"پاکستان کا قیام، جس کے لئے ہم دس سال سے کوشاں تھے، بفضلہ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے لیکن خود اپنی مملکت کا قیام ہمارے مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا، اصل مقصد نہیں تھا، منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ برتے جائیں۔"

لیاقت علی خان مرحوم نے ۱۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو پشاور کے ایک اجتماع میں کہا:

"پاکستان ہمارے لئے ایک تجربہ گاہ ہے اور ہم دنیا کو دکھلائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کار آمد ہیں؟"

ایک دوسرے موقع پر ۱۹۵۰ء میں انہوں نے ایک تقریر میں کہا:

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھالیں، ہم نے ایک ایسے معمل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو، جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی۔"

(اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ص ۱۲۱، ۱۲۲)

لیکن یہ سب وعدے مواعید رفتہ رفتہ طاق نسیاں کی زینت بنا دیئے گئے اور نفاذ اسلام کے لئے کسی ادنیٰ سرگرمی کو بھی روا نہیں رکھا گیا بلکہ ناخدایان پاکستان نے مغربی افکار کے سیلاب میں بہہ کر اسلام سے صریح انحراف کا راستہ اپنا لیا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی شہرہ آفاق کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"

میں درج ذیل تبصرہ فرمایا ہے۔

"افسوس ہے کہ ایجابی اور مثبت طور پر قیام پاکستان کی معتدبہ مدت میں بھی نظام تعلیم کو (جو کسی ملک کو خاص رخ پر لے چلنے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے) اسلامی روح اور اسلامی مقاصد کے لئے ازسر نو ترتیب دینے' پاکستانی معاشرہ کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے' آئین کو اسلامی بنانے' ذہنی انتشار اور اخلاقی فساد کے معلوم و معروف ناکوں اور سرچشموں کو بند کرنے کے لئے کوئی جرات مندانہ قدم نہیں اٹھایا گیا اور کسی طرح اس کا ثبوت دینے کی مخلصانہ و سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی کہ پاکستان ایک نیا اسلامی معمل اور تجربہ گاہ ہے' جہاں اسلامی طریق زندگی کی افادیت 'اسلامی اصول و قوانین کی صلاحیت اور اسلامی تہذیب کی فوقیت کا عملی ثبوت فراہم کیا جائے گا اور دوسرے ابھرتے ہوئے ممالک کے لئے عملی مثال پیش کی جائے گی' اس کے برخلاف عائلی قانون (Muslim-Family Laws) سن ۱۹۶۱ء نے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کے آئین ساز اور سربراہ مغربی افکار و اقدار سے نہ صرف پوری طرح متاثر ہیں بلکہ ان کو آئین سازی کے لئے فیصلہ کن بنیاد سمجھتے ہیں اور شریعت کی کاملیت اور ابدیت پر ان کو یقین نہیں۔"

"بالآخر نومبر ۱۹۶۳ء میں قومی اسمبلی نے اپنے ڈھاکہ کے اجلاس میں اس عائلی قانون کو منظور اور ان تمام ترمیمات کو جو اس بنیاد پر تھیں کہ یہ قانون قرآن و سنت کے نصوص و تصریحات اور اجماع و تعامل کے خلاف ہے مسترد کر دیا اور لوگوں نے تعجب کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبر پڑھی :

"یہاں قومی اسمبلی نے کل بڑی اکثریت سے "عائلی قانون" میں ترمیم کی کوشش کو رد کر دیا' اس کی بعض دفعات میں ترمیم کا بل ایوان

کے سامنے آیا تھا مارشل لاء کے زمانے میں نافذ شدہ یہ عائلی قانون مردوں کے ایک سے زیادہ شادی کرنے کے آزادانہ اختیار کو منسوخ کر چکا ہے' ترمیم کے موافقوں نے اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ قانون شریعت اور قرآن شریف کے خلاف ہے جس میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت دی گئی ہے۔ پاکستان کے روشن خیال طبقہ کا کہنا ہے کہ یہ اجازت وقتی اور ہنگامی تھی اور اس کا مقصد سماج میں تدریجی اصلاح کرنا تھا۔"

"اسلام کے منصوص و اجماعی مسائل کے بارہ میں جب پاکستان کا یہ رویہ ہے تو تہذیب و معاشرت 'تعلیم و تربیت 'سیاست و آئین کے بارے میں بلند توقعات قائم نہیں کی جاسکتیں' درحقیقت اکثر نئے آزاد یا قائم ہونے والے اسلامی ممالک ترکی کے نقش قدم پر سرگرم سفر یا آمادہ سفر ہیں اور ان کے سربراہوں میں (ان کی مغربی تعلیم و تربیت کے اثر سے) کمال اتاترک کی تقلید کا کم و بیش شوق پایا جاتا ہے۔

پاکستان میں تجدد' مغربی افکار و اقدار کو اصل معیار مان کر جدید "اصلاحات" اور قوانین' ریڈیو 'ٹیلیویژن 'صحافت اور ادبیات کے ذریعہ ذہنی اور اخلاقی سانچہ کو تبدیل کرنے اور ایک ایسی نئی نسل کی تیاری کا کام اب زیادہ عزم اور منصوبہ بندی کے ساتھ شروع ہو گیا ہے اور جو مغربی تہذیب اور نامذہبی طرز حکومت کو آسانی کے ساتھ قبول کر سکے۔ مدارس اور مساجد کو حکومت کے زیرانتظام لینے کے بعد علمائے دین اور مسلم عوام کی مخالفت 'شورش اور کم سے کم عدم تعاون کا وہ خطرہ بھی باقی نہیں رہتا جو ان منصوبوں کی کامیابی میں مخل ہو سکتا ہے' ایک حقیقت بین انسان جس کے سامنے تجدد پسند ممالک کی پچھلی تاریخ ہے' آسانی کے ساتھ پیش بینی کر سکتا ہے کہ اس ملک کے سربراہوں کے ارادے کیا

ہیں' اور یہ ملک (خواہ تدریجی اور خاموش طریقہ سے) کس منزل کی طرف گامزن ہے۔

بہرحال پاکستان کا اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف اور عصرحاضر کی دوسری نامذہبی (Secular) اور تجدد پسند (Modernist) حکومتوں کی تقلید تاریخ جدید کا ایک عظیم سانحہ ہوگا اور ان کروڑوں افراد کے ساتھ بے وفائی جنہوں نے اس اسلامی معمل اور تجربہ گاہ کے قیام کے لئے شدید ترین تکالیف برداشت کیں اور عظیم قربانی پیش کی' اس سے بڑھ کر اس کا نقصان یہ ہوگا کہ یہ طرز عمل ہمیشہ کے لئے اس امنگ اور آرزو کو سرد کر دے گا اور اس تجربہ کی کامیابی کے امکان کو اگر ختم نہیں تو نہایت بعید بنا دے گا اور بے لاگ تاریخ اور انسانی تجربہ اس کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ پھر اس کا نام لیا جائے۔ پاکستان کی اس اخلاقی ذمہ داری کو پروفیسر اسمتھ (Wilfred cantwll smith) نے بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب (Islam in History) میں لکھتے ہیں۔

"شاید پاکستانی کسی وقت یہ خیال کریں کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا کام ان کے ابتدائی اندازہ سے کہیں زیادہ دشوار طلب ہے لیکن سوچا جائے تو اب ان کے لئے کوئی راہ مضر باقی نہیں' ان کے وعدے اور دعوے اتنے بلند بانگ اور واضح تھے کہ ان کی تکمیل سے گریز ناممکن ہو گیا ہے' ان کی تاریخ اب "تاریخ اسلام" ہوگی' ان کے کندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی ہے' اب خواہ وہ اسے پسند کریں یا اس پر نادم ہوں' بہرحال وہ "اسلامی ریاست" کے تصور کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور نہ اسے زیادہ دیر سردخانہ ہی کی نذر کر سکتے ہیں کیونکہ اس وقت اسلامی ریاست کے نظریہ کو ختم کرنے کا فیصلہ محض طریق کار کی تبدیلی کا

فیصلہ ہی نہیں ہوگا' تو گویا اپنے دین اور وطن کی اساس پر کلہاڑا چلانے کے مترادف ہوگا اور تمام دنیا اس گریز سے یہی مطلب اخذ کرے گی کہ اسلامی ریاست کا نظریہ لایعنی اور اس کا نعرہ محض فریب نظر تھا جو حیات جدید کے تقاضوں سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا یہ کہ پاکستانی بحیثیت ایک قوم کے اسے اپنی قومی زندگی پر نافذ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس صورت میں دنیا کے نزدیک خود مسلمانوں کے معتقدات ایمانی ہی مشکوک اور قابل تنقید ٹھہریں گے"

(اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش ص ۱۲۳ و ۱۲۶)

حضرت علامہؒ کو ان حضرات کی منافقت 'طوطا چشمی اور وعدہ خلافی سے بے حد صدمہ ہوا' انہوں نے عوام میں نفاذ اسلام کی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا اور عام جلسوں میں ارباب اقتدار کی وعدہ فراموشی کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ڈھاکہ میں قوم کے ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

"بعض لوگ کہتے ہیں اور بعض نے مجھے خطوط لکھے ہیں کہ حصول پاکستان کے بعد علماء و مشائخ کی ان مساعی عظیمہ کو ارباب اقتدار نے قطعاً فراموش کر دیا ہے۔ نیز مذہبی طبقہ کی خدمات جلیلہ کا اعتراف تو درکنار' نشرواشاعت کے ان تمام ذرائع سے 'جو حکومت کے دامن سے وابستہ ہیں' اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے کہ مذہبی عنصر زیادہ چمکنے یا ابھرنے نہ پائے اور جہاں تک ہو سکے اس کو خول اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ وقت پڑنے پر علماء کو احمق بنایا جاتا ہے اور جب کام نکل گیا تو ان سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

میں صفائی سے بتلا دینا چاہتا ہوں کہ یہ صورت حال ہمارے لئے کوئی غیر متوقع چیز نہیں 'ہم یقیناً پہلے سے جانتے تھے کہ ایسا ہوگا اور پاکستان کی زمام اقتدار کا بحالات موجودہ جن ہاتھوں میں پہنچنا ناگزیر تھا ان

سے اس کے سوا کوئی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ہم ان کی نسبت الحمدللہ کسی فریب میں مبتلا نہ تھے۔ ہم نے سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ اسلامی قومیت اور حصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطہ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی اور آئندہ بھی انشاء اللہ پاکستان کی سالمیت اور حفاظت کے معاملے میں رجال حکومت کی کوئی ناپسندیدہ روش ہماری جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

خواہ ارباب اقتدار ہمارے ساتھ کچھ ہی برتاؤ کریں ہم خالص خدا کی خوشنودی اور اسلام اور اہل اسلام کی برتری اور بہتری کے لئے اپنی اس نئی مملکت کو مضبوط بنانے میں امکانی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ (خطبات عثمانیؒ ص ۲۸۵)

یہ بات حضرت علامہؒ نے خطبہ ڈھاکہ میں ارشاد فرمائی' اور ٹھیک یہی الفاظ ۱۹۴۹ء کے خطبہ عیدالفطر میں فرمائے۔ الغرض اگر ارباب اقتدار کی سیاست بخیر ہوتی اور اس ملک کی تاسیس علی التقویٰ ہوئی ہوتی تو حضرت علامہؒ کو اس شکوہ سنجی کی ضرورت پیش نہ آتی بلکہ جس طرح تحریک پاکستان کے دوران حضرت علامہ اور ان کے رفقاء کی خدمات جلیلہ کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ اسی طرح قیام پاکستان کے بعد ان کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا جاتا اور تحریک پاکستان کے دوران جو وعدے کئے گئے تھے ان کا مخلصانہ ایفاء کیا جاتا' لیکن یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا کہ جن بزرگوں کی محنتوں اور قربانیوں سے تحریک پاکستان کامیابی سے ہمکنار ہوئی تھی ان کو "ملا" کہہ کر پیچھے دھکیل دیا گیا اور نفاذ اسلام کے تمام وعدوں کو طاق نسیان کی زینت بنا دیا گیا۔

کج ادائیاں

جو طبقہ پاکستان میں اسلام کے نفاذ کی مخالفت کرتا تھا۔ حضرت علامہ عثمانیؒ کو قریب

سے اس کے ذہن و فکر کے مطالعہ کا موقع ملا۔ اس سلسلہ میں جتنے خدشات و شبہات یہ لوگ پیش کرتے تھے، علامہؒ نے ان کا بغور جائزہ لے کر ان کے ایک ایک شبہ کا عالمانہ جواب دیا۔

۹ ، ۱۰ فروری ۱۹۴۹ء مطابق ۱۰، ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ کو جمعیتہ علمائے اسلام کے زیراہتمام ڈھاکہ میں ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی۔ اس کے خطبہ صدارت میں حضرت علامہ عثمانیؒ نے اس طبقہ کی تمام کج ادائیوں کو طشت ازبام کیا۔ یہ خطبہ اس زمانے میں بڑی تعداد میں شائع ہوا تھا اور اب "خطبات عثمانی" میں محفوظ ہے۔ چونکہ وہی اعتراضات آج تک دہرائے جا رہے ہیں جن کا جواب علامہ عثمانیؒ نے اس خطبہ میں دیا تھا اس لئے مناسب ہوگا کہ یہاں ان میں سے چند اعتراضات و جوابات نقل کر دیئے جائیں۔

.... (ا) ....

بہت سے لوگ یہ پروپیگنڈا کرتے تھے کہ پاکستان میں اسلام کے احکام و قوانین کو نافذ کرنے کا مطالبہ دراصل ملک پر قدامت پرستی کو مسلط کرنے کی کوشش ہے۔ اس کے جواب میں حضرت علامہ دین فطرت کے برکات اور اس کے عملی نفاذ کے ثمرات کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> " یہ محض کوئی خیال آرائی نہیں یا شاعرانہ تخیلات نہیں بلکہ یہ دنیا کا اٹل مستقبل ہے جسے کوئی طاقت روک نہیں سکتی، قابل مبارکباد ہیں وہ خوش نصیب بندے جو ایسے پاک و درخشاں مستقبل کے لانے میں آج اپنا کوئی کم و بیش حصہ لگالیں اور بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس کے مقابلہ کے لئے ابھی سے کمرہمت باندھ رکھی ہے۔"
>
> خوب سمجھ لیجئے ! آج کا مسئلہ ملا اور مسٹر کا مسئلہ نہیں۔ نہ یہ جدت و قدامت کی کشتی ہے۔ نہ دیوبند اور علی گڑھ کا اکھاڑا ہے۔ یہ تو خدا کے بندوں کے لئے سخت ترین آزمائش کی گھڑی ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اس نادر موقع سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیرہ سو برس کے

بعد کس عزم و ہمت سے دنیا میں قرآنی آئین اور اسلام کے فطری
اصولوں کو دوبارہ زندہ و نافذ کرنے کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑے
ہوتے ہیں۔"
(خطبات عثمانی ص ۲۳۱)

——(۲)——

بعض لوگ اس سے بڑھ کر یہ کہتے تھے کہ قرآن نعوذ باللہ ایک فرسودہ کتاب ہے۔
اس کو آج کی دنیا میں نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں :

" بہت سے مغرب زدہ لوگ ،جو اپنی اسلامی بصیرت کھو چکے ہیں
اور جو خفاش کی طرح ظلمات سے نکل کر روشنی میں آنے کا ارادہ بھی
نہیں رکھتے بلکہ اوروں کا راستہ بھی روکنا چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ
چودہ سو برس کا (معاذاللہ) فرسودہ نظام اس نئی روشنی کی دنیا میں کہاں چل
سکتا ہے۔ لیکن جو نئی دنیا طرح طرح کی روشنیوں کے باوجود کروڑوں
برس سے فرسودہ شمس و قمر سے ہنوز بے نیاز نہیں ہو سکی، چودہ برس
کے قرآنی نظام سے اس کا آنکھیں چرانا کہاں تک حق بجانب ہو سکتا
ہے۔"
(خطبات عثمانی ص ۲۳۱)

..........(۳)..........

ایک بات بظاہر بڑی سنجیدگی اور معقولیت سے یہ کہی جاتی تھی کہ اسلامی قوانین
جاری کرنے سے پہلے اس کے لئے ماحول تیار کرنا ضروری ہے۔ علماء کرام دعوت و تبلیغ
کے ذریعہ ماحول تیار کریں۔ عوام کی اصلاح کریں۔ ان میں اسلامی اخلاق و اوصاف پیدا
کرنے کی کوشش کریں۔ تب اسلامی قوانین نافذ ہو سکتے ہیں۔ یہ بات بھی جو بظاہر بڑے
معصومانہ انداز میں کہی جاتی تھی۔ دراصل احکام خداوندی سے سرتابی و پہلوتہی کا ایک حیلہ
تھا۔ یہ صاحبان جانتے تھے کہ اصلاح کے کام سے علمائے کرام کبھی غافل نہیں رہے، مگر وہ

چاہتے تھے کہ "اصلاح" کا جھانسہ دے کر یہ موقع ٹال دیا جائے۔ آئندہ علمائے کرام معاشرے کی اتنی اصلاح نہیں کر پائیں گے جس قدر کہ ہم سرکاری ذرائع سے فواحش و منکرات پھیلا کر معاشرے کو بگاڑ دیں گے اور یہ ایک نفسیاتی اصول ہے کہ تخریب کا عمل تعمیر سے کہیں زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے جب اصلاح اور بگاڑ تخریب اور تعمیر متوازی چلیں گے تو غلبہ ہمیشہ بگاڑ اور تخریب ہی کا ہوگا۔ پس نہ کبھی معاشرہ کی اصلاح ہوگی' اور نہ اسلامی احکام نافذ ہوں گے۔ مشہور محاورے کے مطابق "نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی" حضرت علامہ نے ارباب بست و کشاد کی اس حیلہ جوئی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا !

> "کہا جاتا ہے کہ قرآنی نظام چلانے کے لئے ابھی ماحول تیار نہیں ہوا۔ لیکن قرآن جس وقت دنیا میں آیا اگر ماحول کی تیاری اور فضا سازگاری کا انتظار کرتا تو شاید قیامت تک بھی یہ انتظار ختم نہ ہوتا۔ قرآن تو اپنے لئے خود ماحول بناتا ہے اور قرآنی نظام کے نافذ ہونے سے بڑی حد تک فضا بدلنے لگتی ہے۔"

> "اچھا اگر ان حضرات کو یہی اصرار ہے کہ مریض کے تندرست ہونے کے بعد دوا کا بندوست کیا جائے یعنی پہلے ماحول ٹھیک کر لو۔ پھر اسلامی قانون جاری کر لیں گے تو اس کی بھی آسان اور موثر صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے اس ملک کے ارباب بست و کشاد بدوں کسی قانونی دباؤ کے خوش دلی کے ساتھ اپنی زندگی اسلامی ڈھانچہ میں ڈھال ڈالیں۔ دیکھئے اس کے بعد فضا کا بدلنا کیسا آسان ہو جاتا ہے ورنہ یہ بات حیلہ سازی کے سوا کچھ نہیں کہ بے چارہ ملا تو فضا بدلنے میں لگا رہے اور ہمارے لیڈر اسے اور زیادہ خراب کرنے میں منہمک رہیں اور اگر فضا کے ناسازگار ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حلقہ اقتدار و حکومت کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں تو پھر ملت اسلامیہ کو غور کرنا پڑے گا کہ ملک کی زمام اقتدار آئندہ کن ہاتھوں میں رہنی چاہئے۔ اور اس مقصد کے

حصول کے لئے کیا ذرائع اور وسائل استعمال کئے جائیں۔

(ص ۳۳۲)

..........(۴)..........

ایک اور بات جو اس طبقہ میں بار بار دہرائی جاتی تھی (اور اب بھی کبھی کبھی سننے میں آتی ہے) یہ تھی کہ اگر مثلاً قطع ید کی سزا جاری کر دی گئی تو ہزاروں آدمی ٹنڈے ہو جائیں گے۔ اس کے جواب میں حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

"آپ سعودی حکومت ہی کو دیکھ لیجئے۔ صرف دو تین چوروں کا ہاتھ کٹنے کے بعد حجاز جیسے ملک میں (جہاں اسلامی قانون کے نفاذ سے پہلے حاجیوں کا کوئی قافلہ قسمت ہی سے محفوظ رہتا تھا۔ ناقل) چوری کا بیج بھی باقی نہیں رہا اور ان متفردین کو یہ سن کر تعجب ہوگا اور شاید کچھ افسوس بھی ہو کہ حجاز میں ٹنڈوں اور لنڈوں کا کوئی بڑا شہر تو کجا، کوئی چھوٹا گاؤں بھی کہیں نظر نہیں آتا۔"

(ص ۳۳۲)

..........(۵)..........

اس ضمن میں حضرت علامہؒ نے مغرب کے اس پروپیگنڈے کا جواب بھی دیا ہے کہ معاذاللہ اسلام نے وحشیانہ سزائیں تجویز کی ہیں۔ ہمارے ملک کے ملاحدہ اس مغربی پروپیگنڈے کی منادی کرتے نہیں تھکتے تھے، انؔ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

"لوگ کہتے ہیں "قطع ید" (چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا) وحشیانہ ہے جو اس دورِ تہذیب کے شایانِ شان نہیں، مگر جس جرم کی یہ سزا ہے وہ کون سا مہذب فعل ہے۔ پس اگر ایک دو وحشیوں کے ارتکاب سے ہزاروں وحشیوں کا خاتمہ ہوتا ہے تو مہذب سوسائٹی کو خوش ہونا چاہئے کہ ان کے تہذیبی مشن کے کامیاب ہونے میں بڑی مدد ملی ہے۔"

" آسمانی قانون کے اجراء کی یہی تو برکت ہے کہ اس میں جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے۔ مجرم کو جیل بھیج کر پکا اور ڈگری یافتہ مجرم نہیں بنایا جاتا۔" (ص ۳۳۲)

—(۶)—

علمائے کرام ملک کی خیرخواہی اور خود ان حکمرانوں کی بھلائی کے لئے خدا کے ملک میں خدا کا قانون نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے تھے تاکہ یہ ملک اور اس کے باشندے خدا کی رحمت و نصرت کا مورد بنیں اور خدافراموش اور وعدہ فراموش قوتوں کو جو ہولناک سزا ملا کرتی ہے اس سے محفوظ و مامون رہیں، لیکن ارباب اقتدار اور ان کے حاشیہ نشین اس مطالبہ کو یہ معنی پہناتے تھے کہ ملا اقتدار چاہتا ہے۔ حضرت علامہؒ اس مکروہ تہمت کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"کہا جا رہا ہے کہ ملا حکومت و اقتدار چاہتا ہے۔ لیکن جب دوسرے لوگ دنیا کی نفع اندوزیوں کے لئے اقتدار چاہتے ہیں تو دینی اقتدار کے لئے ملا کا حکومت میں حصہ حاصل کرنا کیوں گناہ ہے؟ درآنحالیکہ اس حکومت کے قائم ہونے میں اس کا بھی کافی حصہ ہے۔ اور صحیح تر بات یہ ہے کہ ملا حاکم بننے کا طلب گار نہیں۔ ہاں! اپنے حاکموں کو تھوڑا سا ملا (دیندار) بنانے کا ضرور خواہاں ہے۔"

(ص ۳۳۲)

..........(۷)..........

پاکستان میں اسلامی قانون کو ٹالنے کے لئے بعض لوگ دور کی کوڑی لائے تھے کہ اگر پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہو گئی تو مسلمانوں کا اولوالامر کون کہلائے گا؟ حضرت علامہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں :

"ہم دیکھ رہے ہیں کہ کچھ دنوں سے اس سلسلہ میں عجیب

بدحواسی اور جہالت کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ اگر اسلامی نظام جاری ہو تو "اولوالامر منکم" کا مصداق کون ہوگا؟ سلطان ابن سعود یا پاکستان کے گورنر جنرل؟

واقعی اعتراض کرنے کو بھی تھوڑے علم کی ضرورت ہے۔ ان فریب خوردہ جاہلوں کو کون بتائے کہ "اولوالامر" جمع کا صیغہ ہے اور اس کے تحت اپنی اپنی جگہ یہ سب داخل ہیں بلکہ آپ کے ضلع کا مسلمان کلکٹر بھی اس میں شامل ہے۔ شاید اپنے جہل سے ان لوگوں نے "اولوالامر" کو خلیفۃ المسلمین کا مترادف سمجھ لیا ہے حالانکہ "اولوالامر" خلیفہ سے بہت زیادہ عام لفظ ہے"۔

(ص ۳۳۳)

..........(۸)..........

ارباب اقتدار کی طرف سے ایک شوشہ یہ چھوڑا گیا تھا :

"علماء سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ آخر وہ آئین اسلامی کیا ہے جس کا تم مطالبہ کرتے ہو، اسے پیش بھی تو کرو"

(سنا ہے کہ یہ بات اس وقت کے وزیر اعظم نے فرمائی تھی)

حضرت علامہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

"اس مطالبہ کا مقصد شاید یہ جانچنا ہو کہ وہ کہاں تک ہماری اہواء و آراء کے سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ یا کسی طرح اس اہم مسئلہ کو جاہلانہ بحثوں میں الجھا کر گم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ تو فرمایئے کہ وہ آئین کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اور کون کرے؟ اسی لئے تو ہم نے دستور ساز اسمبلی کو نوٹس دیا تھا کہ وہ ایک کمیٹی جید علماء و مفکرین کی بنائے جو اس آئین کا مسودہ تیار کر کے اسمبلی کے سامنے پیش کر دے جس کا موقع آج تک نہیں دیا گیا۔"

(ص ۳۳۴)

..........(۹)..........

اس طبقہ کی طرف سے یہ شوشہ بھی چھوڑا جا رہا تھا کہ علماء میں اختلاف ہے مسلمانوں کے بہت سے فرقے ہیں وہ کسی قانون پر متفق نہیں۔ پاکستان میں آخر کس فرقے کے قانون کو نافذ کیا جائے؟ گویا کفر کا آئین و قانون نافذ کئے رکھنا اس بنا پر صحیح ہوا کہ کسی اسلامی فرقے کا فقہی قانون نافذ کرنے سے باقی فرقے ناراض ہو جائیں گے۔ حالانکہ یہ پروپیگنڈا ہی بے بنیاد تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں کوئی نظریاتی و فقہی اختلاف اسلامی آئین کے نفاذ سے مانع نہیں تھا بلکہ تمام مکاتب فکر کی طرف سے متفقہ مطالبہ تھا کہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں۔

"کہتے ہیں کہ علما میں باہم اختلاف ہے اور مسلمانوں میں بہت سے فرقے ہیں ان اختلافات کو کیسے طے کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ کیا لیڈروں میں اختلاف نہیں؟ کیا سیاست میں مختلف پارٹیاں موجود نہیں؟ آخر متعدد قوموں اور پارٹیوں کے اختلافات کس اصول پر طے کئے گئے' اور اب بھی طے کئے جاتے ہیں۔ اس اصول پر اسلامی حکومت کے متعلق علماء کا اختلاف بھی (بشرطیکہ وہ موجود ہو) طے کر لیا جائے گا۔ پھر اسلامی فرقوں کے علماء تو آج پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس معاملہ میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن آپ ہیں کہ خوامخواہ ان ہونی چیز کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

شاید ان حضرات کو ابھی تک احساس نہیں ہو سکا کہ مختلف خیال اور مسلک رکھنے والے علماء آپ کے ان حربوں کو خوب سمجھ چکے اور یہ کہ اب آپ کے ایسے لچر لوچ حیلے بہانے یا مذہبی تفرقوں کو ہوا دینے کی کوشش سے عامہ مسلمین کا وہ بے پناہ سیلاب انشاء اللہ رک نہیں سکتا جو قدیم اسلامی دور کی برکات کو واپس لانے کے لئے ان کے سینوں میں

بڑے زور سے موجیں مار رہا ہے۔

انگریزی عہد کی بدبودار سیاست کا ممکن ہے یہ لوگ کچھ تجربہ رکھتے ہوں مگر پاکستان بننے کے بعد مسلمان جس پرانی سیاست کا نیا ایڈیشن بروئے کار دیکھنا چاہتا ہے اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ طول امل کی وجہ سے خوف ہے کہ اس کے سمجھنے کی اہلیت بھی ان سے سلب ہو چکی ہو۔

عمر یست کہ افسانہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دہم دارو رسن را"

(ص ۳۳۴)

..........(۱۰)..........

اس طبقہ کے لئے اسلام اور اسلامی آئین "مرگ مفاجات" کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے یہ لوگ اسلامی مطالبہ کو پیچھے دھکیلنے کے لئے علماء کرام کو دھمکیاں تک دینے لگے (اسی ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سکندر مرزا صاحب نے علماء کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر سمندر پار بھیج دینے کا فرمایا تھا تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ سب جانتے ہیں کہ بیک بنی و دوگوش سمندر پار جانے کی سعادت خود سکندر مرزا صاحب کو حاصل ہوئی یا علمائے کرام کو؟) حضرت علامہ نے ان دھمکیوں کا جواب بھی دیا۔ فرماتے ہیں :

" بعض ناعاقبت اندیشوں نے اس سلسلہ میں علماء کرام کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں اور وہ انہیں مصطفیٰ کمال کا کارنامہ یاد دلاتے ہیں۔ حالانکہ آخری دور میں مصطفیٰ کمال کی طرح امان اللہ خان کی مثال بھی سامنے ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ کوئی دانشمند آدمی ان میں سے کسی ایک مثال کا بھی پاکستان میں بروئے کار آنا پسند کرے گا۔"

(ص ۳۳۳)

(۱)

بعض لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ پاکستان اسلام کی خاطر معرض وجود میں آیا ہی نہیں تھا' نہ کسی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ یہاں اسلامی قانون نافذ ہو گا یہ وعدہ فراموشی کی آخری حد تھی کہ صاف صاف ان وعدوں کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ حضرت علامہ نے اپنے ان خطبات میں ان تمام وعدوں کو جمع کر دیا جو وقتاً فوقتاً بانی پاکستان اور دیگر لیڈروں نے قوم سے کئے تھے۔ بطور نمونہ یہاں ایک اقتباس پیش کر دینا کافی ہو گا۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں :

"پاکستان کے اعلان کے بعد سرحد کے ریفرنڈم کے موقع پر جولائی ۱۹۴۷ء میں قائداعظمؒ نے مسلمانان سرحد کو پیغام دیتے ہوئے فرمایا :
"خان برادری نے اب یہ نیا زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا ہے کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی شریعت اسلامی کے بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر دے گی۔ آپ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔"

(ص ۳۳۹)

اس قسم کے تمام وعدوں کو ذکر کرنے کے بعد حضرت علامہ فرماتے ہیں :

"مذکورہ بالا اقتباسات پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جا رہی ہیں ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب بہت دھڑلے سے یہ اعلانات کئے جا رہے تھے ...اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے اور خواہ مخواہ ظلم و ستم کی ٹھان لی جائے تو اس کی حقیقت "خوئے بدرا بہانہ بسیار" سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

(ص ۳۴۰)

اسلامی آئین و قانون کو مسترد کرنے کے لئے کیسے کیسے خوبصورت دلائل تراشے جاتے تھے؟ اس کا اندازہ اس وسوسے سے ہوگا جو حضرت علامہؒ نے بعض مقتدر لیڈروں کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

"ہمارے بعض عقلمند زعماء کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ مذہبی حکومت بننے کی صورت میں اقوام متحدہ کے ہاں پاکستان کا وقار باقی نہ رہے گا۔ حالانکہ جن دوسرے اسلامی ملکوں کے دساتیر کا اوپر حوالہ دے چکا ہوں انہیں اب تک نہ اقوام متحدہ سے علیحدہ کیا گیا نہ ان کے وقار کو مذہبی دستور کی بناء پر کوئی صدمہ پہنچا۔ نہ وہاں آج تک اقلیتوں نے شوروشغب مچایا۔ نہ شیعہ سنی یا حنفی کا سوال اٹھایا۔ پھر پاکستان ہی ان خطرات سے اس قدر خائف کیوں ہے۔ خصوصاً جب کہ ساری دنیا کو معلوم ہے کہ پاکستان کی بناہی دو قوموں کے نظریہ پر رکھی گئی تھی اور دو قوموں کے نظریہ کا بڑا ستون یہی مسلم وغیر مسلم کا مذہبی اختلاف تھا۔

الحاصل اگر کسی زمانے میں دوسرے لوگ مادیت' نفسانی جذبات اور ابلیسی وساوس کے پیچھے چل کر اچھی چیز کی طرف سے منہ پھیرلیں یا جی چرانے لگیں تو کیا ضروری ہے کہ آپ بھی ان کی کورانہ تقلید کرنے لگیں بلکہ سچ پوچھئے تو وہ ہی وقت ہوتا ہے جب حق و صداقت کے علمبرداروں کو متوکلا علی اللہ باطل کے مقابلہ پر پوری ہمت و استقامت کے ساتھ بلا خوف لومہ لائم سینہ سپر ہو جانا چاہئے اور دکھا دینا چاہئے کہ ایسے سخت مخالف حالات میں بھی خدا کے فضل سے ہم نیکی کی قوتوں کو ابھارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

(ص ۳۴۱)

خلاصہ یہ کہ حضرت علامہ نے عام مجمعوں میں لادین عناصر کے تمام شکوک و شبہات کے تاروپود بکھیر دیئے اور ارباب بست و کشاد کی طوطاچشمی پر برملا احتجاج فرمایا۔ حضرت

علامہ سمجھتے تھے کہ اسلامی آئین و قانون سے جان چھڑانے کے لئے ارباب اقتدار علماء کے اختلافات کو ہوا دیں گے اور انگریز کی پالیسی "لڑاؤ اور حکومت کرو" پر گامزن ہوں گے۔ اس لئے آپ نے اسی خطبہ میں حضرات علماء کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا :

" اے حضرات علماء کرام ! یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی نظریات سے کنارہ کش ہو کر مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لئے اتحاد و یک جہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کہ وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنالے، تعطل و جمود اور کسل و بطالت کو چھوڑ دو، عمل صالح کے میدان میں نکلو، خدا تمہاری مدد کرے گا۔" (ص ۴۴۴)

حضرت علامہ یہ بھی محسوس فرماتے تھے کہ اگر ارباب اقتدار کا رویہ اسلام کے بارے میں یہی رہا تو بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کو ایک بار اسلام کے لئے قربانی دینا پڑے، اس لئے آپ نے ملت اسلامیہ کے نوجوانوں سے فرمایا :

" میرے نوجوانو ! وقت ہے کہ تم ہمت اور اولوالعزمی دکھاؤ اور دریائے الحاد کے دھارے کے خلاف اگر تیرنا پڑے تو شیر ببر کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ اور ان ممسوخ زائغین کے فریب میں مت آؤ جو تم کو پھر اس غار کے اندر دھکیلنا چاہتے ہیں جس سے نکلنے کے لئے تم تحریک پاکستان کے وقت ہاتھ پاؤں مار رہے تھے لامذہبوں اور نفس پرستوں کی اندھی تقلید کچھ قابل فخر نہیں خدائی نظام کا احیاء تاریخ میں تمہارا نام روشن کرے گا اور اللہ اور رسولؐ کے سامنے سرخرو بنائے گا۔

یاد رکھو کہ خدا کا دیا ہوا یہ موقع بھی اگر ہاتھ سے کھو دیا تو دنیا و آخرت دونوں کی تباہی سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔"

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
توخواہ از سخنم پند گیر یا کہ ملال

قرارداد مقاصد

حضرت شیخ الاسلامؒ نے نہ صرف یہ کہ خطبہ ڈھاکہ میں ارباب بست و کشاد کے رویے پر کڑی تنقید کی بلکہ انہوں نے مشرقی پاکستان کا (جہاں اسلامی نظام کی مخالفت کی تحریک کی ایک خاص طبقہ سرپرستی کر رہا تھا) طوفانی دورہ کیا اور چاند پور، سلہٹ، برہمن باریہ اور کشور گنج وغیرہ میں عام جلسوں سے خطاب کیا اور رائے عامہ کو اسلامی نظام کے لئے اتنا تیار کر دیا کہ ارباب اقتدار کے لئے اس مطالبہ کا ٹالنا ممکن نہ رہا کیونکہ حضرت علامہ نے ان سیاسی لیڈروں کے بارے میں اس قسم کے اشارے کر دیئے تھے کہ :

"یہ بات حیلہ سازی کے سوا کچھ نہیں کہ بے چارہ ملا تو فضا بدلنے میں لگا رہے اور ہمارے لیڈر اسے اور زیادہ خراب کرنے میں منہمک رہیں اور اگر فضا کے ناسازگار ہونے کا یہی مطلب ہے کہ حلقہ اقتدار و حکومت کی فضا اس کے لئے سازگار نہیں تو پھر ملت اسلامیہ کو غور کرنا پڑے گا کہ ملک کی زمام اقتدار آئندہ کن ہاتھوں میں رہنی چاہئے اور اس مقصد کے حصول کے لئے کیا ذرائع اور وسائل استعمال کئے جائیں۔" (خطبات عثمانی ص ۳۳۲)

"انگریزی عہد کی بدبودار سیاست کا ممکن ہے یہ لوگ کچھ تجربہ رکھتے ہوں، مگر پاکستان بننے کے بعد مسلمان جس پرانی سیاست کا نیا ایڈیشن بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ طول امل کی وجہ سے خوف ہے کہ اس کے سمجھنے کی اہلیت بھی ان سے سلب ہو چکی ہو۔"

(ص ۳۳۴)

ارباب اقتدار نے محسوس کیا کہ اگر انہوں نے کم از کم لفظی طور پر بھی اسلامی نظام کا مطالبہ منظور نہ کیا تو رائے عامہ ان کے خلاف ہو جائے گی اور آئندہ الیکشن میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ کیونکہ شیخ الاسلام علامہ عثمانیؒ کی آواز اس وقت تمام دیندار مسلمانوں کی آواز تھی اور ملک کے سارے اسلامی فرقے اس مطالبہ پر متفق تھے۔ چنانچہ ڈھاکہ کانفرنس کے قریباً ایک مہینہ بعد ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان نے اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کی۔

حضرت علامہ کا خطبہ ڈھاکہ جس کے اقتباسات اوپر دیئے گئے ہیں جب پریس میں دیا گیا تو اس کے آخر میں "ایک خوشخبری" کے عنوان سے "قرارداد مقاصد" کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی :

> "خطبہ پریس میں دیا جا رہا تھا کہ یہ امید افزاء خبر شائع ہوئی کہ پاکستان دستور ساز اسمبلی کی لیگ پارٹی کے لیڈر مسٹر لیاقت علی خان نے دستور پاکستان کا مطمح نظر بحمداللہ اسلامی اصول کی روشنی میں بالفاظ ذیل مرتب کیا ہے اور ہمیں قوی امید ہے کہ انشاء اللہ اسمبلی میں یہ اسی طرح پاس ہوگا' تجویز کے چند الفاظ متعلقہ نظام اسلامی یہ ہیں :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر بطور نیابت استعمال کرنے کے لئے مفوض فرمایا ہے۔

○○ اور چونکہ یہ اختیار ایک مقدس امانت ہے لہٰذا جمہور پاکستان کی نمائندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے کہ آزاد خود مختار مملکت پاکستان

کے لئے ایک دستور مرتب کیا جائے جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ استعمال کرے۔

جس میں جمہوریت 'حریت 'مساوات 'رواداری اور عدل حکمرانی کے اصولوں کو' جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔

جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی تعلیمات اور مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں' ترتیب دے سکیں۔ جس کی رو سے اس امر کاوافی انتظام کیا جائے کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عقیدہ رکھ سکیں اور اس پر عمل کر سکیں اور اپنی ثقافت کو ترقی دے سکیں" (۱۲مارچ ۱۹۴۹ء)

قرارداد مقاصد کو ایوان میں پیش کرتے ہوئے نوابزادہ لیاقت علی خان نے جو تقریر کی اس کی تمہید میں انہوں نے فرمایا :

"جناب والا! میں اس موقع کو ملک کی زندگی میں بہت اہم سمجھتا ہوں میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ بابائے ملت قائداعظمؒ نے اس مسئلہ کے متعلق اپنے جذبات کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا اور قوم نے ان کے خیالات کی تائید غیر مبہم الفاظ میں کی تھی۔ پاکستان اس لئے قائم کیا گیا تھا کہ اس برصغیر کے مسلمان اپنی زندگی کی تعمیر اسلامی تعلیمات و روایات کے مطابق کرنی چاہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ دنیا پر عملاً واضح کر دینا چاہتے تھے کہ آج حیات انسانی کو جو طرح طرح کی بیماریاں لگ گئی ہیں ان سب کے لئے اسلام اکسیر اعظم کا حکم رکھتا ہے۔

ساری دنیا تسلیم کرتی ہے کہ ان برائیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان مادی کے ساتھ روحانی اقدار میں قدم نہ بڑھا سکا اور انسانی دماغ نے سائنسی ایجادات کی شکل میں جو "جن" اپنے اوپر مستولی کر لیا ہے۔ اب اس سے نہ صرف انسانی معاشرہ کے سارے نظام اور اس کے مادی ماحول کی تباہی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے بلکہ اس مسکن خاکی کے بھی تباہ ہونے کا اندیشہ ہے جس پر انسان آباد ہے۔ یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اگر انسان نے زندگی کی روحانی قدروں کو نظرانداز نہ کیا ہوتا اور اگر خدا کی نسبت اس کا اعتقاد کمزور نہ ہو گیا ہوتا تو سائنسی ترقی سے خود اس کی ہستی ہرگز خطرہ میں نہ پڑتی۔"

"ہم پاکستانیوں میں اتنی جرات ایمانی ہے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار اسلام کے قائم کردہ معیاروں کے مطابق استعمال کیا جائے' تاکہ اس کا غلط استعمال نہ ہو سکے اقتدار تمام تر ایک مقدس امانت ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس لئے تفویض ہوا ہے کہ ہم اسے بنی نوع انسان کی خدمت کے لئے استعمال کریں اور یہ امانت ظلم و تشدد اور خود غرضی کا آلہ نہ بن جائے۔"

یہ قرارداد اسمبلی میں ۷ مارچ کو پیش کی گئی تھی۔ ضابطہ کے مطابق اراکین اسمبلی کو اس کی حمایت یا مخالفت میں تقریریں کرنا تھیں۔ ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی حمایت میں تقریر فرمائی جسے حکومت نے "قرارداد مقاصد" کے ساتھ "پاکستان کا منشور آزادی" اور "روشنی کا مینار" کے عنوان سے بڑی تعداد میں اسے شائع کیا۔ علامہ عثمانیؒ کی تقریر واقعۃً روشنی کا مینار تھی۔ انہوں نے ایوان کو مخاطب کر کے فرمایا :

(چند اقتباس)

"جناب صدر محترم ! قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط

تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے۔ میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و عزیمت اور جرات ایمانی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔"

"اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک بادفی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر دردانگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔"

"یاد رکھئے ! دنیا اپنے خودساختہ اصولوں کے جال میں پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑپھڑائے گی اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی' وہ صحیح راہ گم کر چکی ہے جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔"

"اسلامی حکومت اصل سے انسانی حکومت نہیں بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت در حکومت کے اصولں پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔"

"مکمل اسلامی حکومت راشدہ ہوتی ہے لفظ "رشد" حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہئے۔ قرآن نے حکومت اسلامی کی یہی غرض وغایت قرار دی ہے کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے، جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے، اس کو دائر و سائر رکھنا چاہتی ہے مگر اس کام کو اخلاقی و نیز قانونی طریقہ پر عام خوش دلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔"

"اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے، جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلہ میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔ آج ظلم و جبر، عہد شکنی، مالی دستبرد، کشت و خون بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آ رہی ہیں، خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔"

"جناب صدر محترم ! آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ

برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔"

"اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ اس ریزولیشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں۔ اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے' یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے' جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہوگا۔ بہرحال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔ وباللہ التوفیق۔"

(خطبات عثمانی ص ۳۵۸ ومابعد)

قرارداد مقاصد۔ایک تاریخی کارنامہ

جیسا کہ حضرت علامہ عثمانیؒ نے اپنی تائیدی تقریر کے آخر میں فرمایا یہ قرارداد بہت ڈھیلی ڈھالی تھی اور اس میں بڑے محتاط الفاظ میں گویا جھجک جھجک کر اسلام کی روشنی میں آئین مرتب کرنے کا وعدہ کیا گیا۔ تاہم برسراقتدار طبقہ کی دو سال کی مسلسل ٹال مٹول کے بعد ان کا اس پر آمادہ ہو جانا بھی ازبس غنیمت تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر حضرت علامہ عثمانیؒ کی بے تابیاں پورے ملک کو اسلامی نظام کے لئے بے چین نہ کر دیتیں اور اسمبلی کے اندر اور باہر حضرت عثمانی کے علم و فضل اور عزت و وجاہت کا پورا سرمایہ اس پر صرف نہ ہو جاتا تو آج تک ہمارے ہاتھ میں اسلامی آئین کے وعدے کی کوئی کاغذی تحریر بھی نہ ہوتی۔ اس لئے قرارداد مقاصد کے سلسلہ میں حضرت علامہ کا کارنامہ ناقابل فراموش ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ ارباب اقتدار پر سراً و جہاراً دباؤ ڈالا' بلکہ عملی طور پر "قرارداد مقاصد" کا مسودہ بھی مرتب کر کے دیا۔ خطبات عثمانی کے مولف لکھتے ہیں :

"مجھے علامہ عثمانیؒ کے خصوصی اصحاب سے ذاتی طور پر معلوم ہوا کہ

وزیراعظم کی تجویزی تحریر بھی علامہ کی لکھی ہوئی تھی۔ دونوں کی تحریریں (یعنی نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب کی قرارداد مقاصد والی تحریر اور علامہ عثمانیؒ کی تائیدی تحریر) اور دونوں کے مضامین ہم آہنگ ہیں۔"

(خطبات عثمانی ص ۳۶۶)

اور صاحبزادہ مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب اپنے والد محترم حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں :

"قرارداد مقاصد اگرچہ دستور ساز اسمبلی میں اس وقت کے وزیراعظم شہید ملت لیاقت علی خان مرحوم نے پیش کی تھی مگر اس کا مسودہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور حضرت والد صاحبؒ نے طویل غوروخوض کے بعد مرتب فرمایا تھا۔ اس کی تیاری اور اس کے بعد اسے پاکستان کی دستورساز اسمبلی سے منظور کرانے میں شیخ الاسلامؒ کو طویل علمی اور سیاسی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ برسراقتدار طبقہ کا ایک گروہ اس راہ میں مسلسل رکاوٹیں کھڑی کر رہا تھا۔ قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے اس گروہ کے علی الرغم شیخ الاسلام کی حمایت کی اور اسمبلی میں ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ کو قرارداد مقاصد خود پیش کر کے اسے منظور کرایا۔ حضرت والد صاحبؒ ان تمام مہمات میں شیخ الاسلام کے ساتھ برابر کے شریک رہے۔

قرارداد مقاصد کا بالکل ابتدائی کچا خاکہ جو صرف عنوانات اور یادداشتوں پر مشتمل ہے۔ اس کا اصل مسودہ احقر کے پاس عرصہ دراز سے محفوظ ہے۔ یہ صرف ایک ورق ہے جس کے ایک صفحہ پر حضرت شیخ الاسلام کی اور دوسرے صفحہ پر حضرت والد ماجد کی تحریر ہے۔ اس غرض سے کہ یہ متبرک یادگار محفوظ ہو جائے اس کا عکس ذیل میں دیا جاتا

ہے۔" (ماہنامہ البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۲۲۰)

مولانا محمد متین خطیب لکھتے ہیں :

"حضرت شیخ الاسلام کی مسلسل جدوجہد اور گفت و شنید کے نتیجے میں بالاخر وہ قرارداد مقاصد پاس ہو گئی جو دستور کی بنیاد ہے...... دستوریہ کے ممبر کی حیثیت سے شیخ الاسلام مرحوم نے اسمبلی کے اندر بیٹھ کر جو کچھ کام کیا اس کے نتیجے میں قرارداد مقاصد سامنے آئی۔"

(خطبات عثمانی ص ۳۶۸)

راقم الحروف کے خیال میں قرین قیاس یہ ہے کہ وزیراعظم کی جانب سے حضرت شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں قرارداد مقاصد کا مسودہ تیار کرنے کی فرمائش کی گئی ہو گی اور اس مسودہ میں انہوں نے خود بھی اپنی صوابدید کے مطابق حک و فک اور کمی بیشی کر کے مسودہ دوبارہ تیار کرایا ہو گا۔ بہرحال قرارداد مقاصد کا منظور کیا جانا جہاں مسٹر لیاقت علی خان کے حسنات میں شمار ہو گا وہاں یہ حضرت علامہ' ان کے رفقاء اور تمام فرقوں کے علمائے کرام کی بڑی کامیابی اور ان کا بڑا کارنامہ تھا۔

قرارداد مقاصد کے بعد

قرارداد مقاصد میں آزاد اور خودمختار مملکت پاکستان کے لئے ایک اسلامی دستور مرتب کرنے کے فیصلے کا اعلان کیا گیا تھا اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو (جس دن قرارداد مقاصد چند ترمیموں کے ساتھ منظور کی گئی تھی) دستوریہ نے ۲۴ افراد پر مشتمل بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ کمیٹی نے ڈیڑھ سال کے طویل غور وخوض کے بعد ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو اپنی عبوری رپورٹ پیش کی۔

گویا ۱۲ مارچ کو دستور سازی کے کام کی بسم اللہ ہوئی۔ مگر کمیٹی کے بیشتر افراد اسلام

سے ناواقف تھے۔ اس لئے شیخ الاسلام" نے مطالبہ کیا کہ کمیٹی کی راہنمائی کے لئے چند جید اہل علم کو بھی اس میں شامل کیا جائے۔ تجویز معقول تھی لیکن مغرب زدہ برسراقتدار طبقہ اہل علم کی یہ حیثیت کب گوارا کر سکتا تھا کہ انہیں دستور سازی کے کام میں باقاعدہ شریک کیا جائے؟ اس لئے اشک شوئی کے طور پر "بورڈ آف تعلیمات اسلام" کے نام سے علماء کی ایک الگ کمیٹی مقرر کر دی گئی جن کا کام دستور مرتب کرنے والے حضرات کو صرف پندو نصیحت اور وعظ کی تھی۔ متعلقہ حضرات اسے سنیں یا نہ سنیں اور لائق التفات سمجھیں یا نہ سمجھیں یہ ان کی صوابدید تھی۔ مولانا محمد متین خطیب لکھتے ہیں :

"اس (قراردادمقاصد) کے بعد دستور ساز اسمبلی نے چند ذیلی کمیٹیاں بنا کر کام شروع کیا تو پھر شیخ الاسلام نے یہ سوال اٹھایا کہ دستور سازی میں اسلامی حیثیت اور اسلامی و غیر اسلامی کے فرق کو بتلانے کے لئے کچھ ماہر شریعت علماء کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہئے جس کے نتیجے میں مجلس دستور سازاسمبلی کو مشورہ دینے کے لئے ایک بورڈ پانچ علماء پر مشتمل بنایا گیا جس کا نام "بورڈ آف اسلام" رکھا گیا"

"مولانا سید سلیمان صاحب ندوی صدر اور مفتی محمد شفیع صاحب مولانا عبدالخالق صاحب سابق پروفیسر کلکتہ 'ڈاکٹر حمید اللہ صاحب اور مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد پر یہ بورڈ مشتمل تھا۔ جس کے سیکریٹری مولانا ظفر احمد صاحب انصاری مقرر ہوئے۔ ان حضرات نے تقریباً چار سال دستور ساز اسمبلی کے ساتھ ہر مسئلے پر اس کی اسلامی حیثیت کو تحریراً اور تقریراً واضح فرمایا اور جب مسودہ دستور مکمل ہو کر سامنے آیا اور اس میں یہ دیکھا گیا کہ بہت سے مسائل میں بورڈ کے مسودوں کو نظرانداز کر دیا گیا ہے تو پورے دستور پر نظرثانی کر کے ایک مسودہ ترمیمات کا مرتب کر کے حوالہ کر دیا گیا۔"

(انقلاب ۲۴ مارچ ۱۹۵۶ء بحوالہ خطبات عثمانی")

اور مولانا صاحبزادہ محمد رفیع عثمانی صاحب اپنے والد ماجد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی کے حالات میں لکھتے ہیں :

"پھر جب ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے باقاعدہ آئین سازی کا کام شروع کیا تو قائدملت لیاقت علی خان مرحوم نے ایک "اسلامی مشاورتی بورڈ" بنایا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے اور اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کرے۔"

یہ بورڈ مندرجہ ذیل چھ حضرات پر مشتمل تھا :

(۱) حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ صدر
(۲) حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ رکن
(۳) جناب ڈاکٹر حمیداللہ صاحب رکن
(۴) جناب پروفیسر عبدالخالق صاحب (از مشرقی پاکستان) رکن
(۵) مولانا جعفر حسین صاحب مجتہد (شیعہ عالم) رکن
(۶) جناب ظفر احمد صاحب انصاری سیکریٹری

مگر علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ اس وقت تک ہندوستان میں تھے پھر پاکستان تشریف لانے کے بھی کافی عرصہ بعد ۱۹۵۲ء میں آپ نے عہدہ صدارت سنبھالا۔ اس وقت تک یہ بورڈ صدر کے بغیر ہی اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔"

"یہ بورڈ ۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً ساڑھے چار سال قائم رہا اور حضرت والد صاحب شروع سے آخر تک اس کے ممتاز رکن رہے۔ اس بورڈ نے نہایت عرق ریزی کے بعد دستور پاکستان کے لئے جو سفارشات پیش کی تھیں اگرچہ ۱۹۵۶ء و ۱۹۷۳ء کے دستوروں میں ان کی جھلک کسی حد تک موجود تھی لیکن افسوس کہ اس بورڈ کی تمام

سفارشات کسی بھی دور کے آئین میں نہ تو تمام روبعمل لائی گئیں نہ انہیں ارباب حل و عقد نے شائع کیا۔"

(ماہنامہ البلاغ کراچی مفتی اعظم نمبر ص ۲۲۴)

(کاش ! اس قیمتی دستاویز کو کسی صاحب نے اپنے ذرائع سے چھاپ دیا ہوتا تو کم از کم ان بزرگوں کی ساڑھے چار سالہ محنت و کاوش کا ثمرہ تو منظرعام پر آہی جاتا اور وہ قوم کی راہنمائی کے لئے یقیناً ایک اہم سنگ میل ثابت ہوتا)

قرارداد مقاصد ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور ہوئی اس کے پانچ مہینے بعد ۹ اگست ۱۹۴۹ء کو "بورڈ آف تعلیمات اسلام" نے اپنا کام شروع کیا اور اس کے چار مہینے بعد ۱۲ دسمبر ۱۹۴۹ء مطابق ۲۱ صفر ۱۳۶۸ھ کو شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

لاء کمیشن

صاحبزادہ مولانا محمد رفیع عثمانی لکھتے ہیں :

"بورڈ آف تعلیمات اسلام" کا تعلق تو صرف دستور کی حد تک تھا۔ پاکستان کے موجودہ قوانین سے اس کا تعلق نہ تھا۔ موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حکومت پر زور دیا۔ ۱۹۵۰ء کے اواخر میں ایک لاء کمیشن بنایا گیا جس میں علماء کرام کی جانب سے ابتداء صرف علامہ سید سلیمان صاحب ندویؒ کو ممبر بنایا گیا۔ جسٹس رشید اور جسٹس میمن ماہر قانون کی حیثیت سے شریک کئے گئے۔ حضرت سید صاحب نے محسوس فرمایا کہ اسلامی قانون کے ماہر کی حیثیت سے لاکمیشن میں حضرت مفتی صاحبؒ کی شرکت ناگزیر ہے۔ چنانچہ انہوں نے لاء کمیشن میں اپنی شرکت باقی رکھنے کے لئے حکومت

کے سامنے یہ شرط رکھ دی کہ مفتی صاحبؒ کو بھی لاء کمیشن کا رکن بنایا جائے۔ آپ کو اس کی بھی رکنیت قبول کرنی پڑی۔

یہ کمیشن دو سال تک قائم رہا۔ لیکن وزارتوں کے تغیر اور برسراقتدار طبقہ میں کئی ایسے افراد کی طرف سے مسلسل رکاوٹوں کے باعث جو اس ملک میں اسلامی نظام دیکھنے کے روادار نہ تھے اس کمیشن کی مساعی کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکیں۔

ایک موقع پر اس کمیشن کی ایک میٹنگ میں حضرت والد صاحب نے کمیشن کے چیئرمین کو جو ایک جسٹس تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ قانون سازی کے کام کو اسلام کے رخ پر آپ چلنے نہیں دیتے اور غلط پر میں نہیں چلنے دوں گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ گاڑی یہیں کھڑی رہے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔"

زکوٰۃ کمیٹی

"تقریباً اسی زمانہ کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کی وصولیابی اور اس کے مصارف وغیرہ کے اسلامی قوانین مدون کرنے کے لئے "زکوٰۃ کمیٹی" قائم کی تھی۔ حضرت والد صاحب اس کے بھی اول سے آخر تک رکن رہے۔ لیکن اس میں بھی صورت حال وہی پیش آئی جو لا کمیشن میں آئی تھی"۔

ایک مرکزی وزیر نے جن کا انتقال ہو چکا ہے اس کمیٹی کے سلسلہ میں شریعت کے کسی قطعی حکم کے متعلق کچھ توہین آمیز باتیں کیں جس پر حضرت والد صاحبؒ کی ان سے شدید جھڑپ ہو گئی۔ اس کے بعد والد صاحب نے طے کر لیا تھا کہ آئندہ اس شخص کا منہ نہ دیکھوں گا۔ چنانچہ جب وزیر موصوف پاکستان کے گورنر جنرل بن گئے تو والد

صاحب دعا فرمایا کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ کہیں آمنا سامنا نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"

(البلاغ۔مفتی اعظم نمبر ص ۲۲۶، ۲۲۷)

۳۱ زعماء کے ۲۲ نکات

قرارداد مقاصد کے بعد (جیساکہ پہلے گذر چکا ہے) دستوری خاکہ مرتب کرنے کے لئے بنیادی اصولوں کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ کمیٹی نے ۲۸ ستمبر کو اپنی عبوری رپورٹ پیش کی۔ یہ رپورٹ اسلامی نقطہ نظر سے مایوس کن تھی۔ مسٹر لیاقت علی خان نے ۲۱ نومبر ۱۹۵۰ء کو تحریک پیش کی کہ جولوگ بنیادی اصولوں کی ترتیب کے لئے دستوریہ کو مشورہ دینا چاہتے ہیں وہ ۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء تک اپنی آراء بھیج دیں اور علماء کرام کو چیلنج دیا گیا تھا کہ وہ اسلامی دستوز کے لئے متفقہ نکات پیش کریں۔

اس چیلنج کے جواب میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی کی دعوت پر تمام مکاتب فکر کے علماء و زعماء کا ایک اجتماع ۱۲ تا ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ تا ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو کراچی میں ہوا۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی صدارت میں ان حضرات نے ۲۲ نکاتی اسلامی دستوری خاکہ مرتب کرکے حکومت کو بھجوایا۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه
محمد و آله واصحابه اجمعین۔

(صفر ۱۴۱۴ھ)

بے قید اجتہاد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد :

فقد قال اللہ تعالٰی : انانحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔

(الحجر، ۹)

وقال تعالٰی : ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا۔

(البقرہ، ۲۶۹)

وقال تعالٰی : فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔

(الانبیاء، ۷)

وقال تعالٰی : ولو رد وہ الی الرسول والٰی اولی الامر منهم لعلمه الذین یستنبطونه منهم۔

(النساء، ۸۳)

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : لایزال اللہ یغرس فی هذا الدین غرسا یستعملهم فی طاعته۔

(اخرجہ ابن ماجہ ص ۳)

الی غیر ذالک من النصوص الکثیر المتوافرة۔

ویقول الشاہ ولی اللہ فی "ازالة الخفاء"۔

"اگر گوش شنوا و دل دانا داری سخنے باریک تر بشنو! خدائے تعالٰی ہمیشہ مدبر عالم است بالہام امور حق در قلوب عباد صالحین، تا تمشیہ مراد او کنند، و موعود او را سرانجام دہند، و وے تعالٰی قصہ خضر

باحضرت موسیٰ ذکر نہ کردہ مگر برائے افادہ ہمیں نکتہ۔

اماچوں ایام نبوت موجود بود وحی مفترض الطاعۃ در قلب پیغامبری رسید،

وشک و شبہ راآنجا ہیچ گنجائش نہ، نہ در اول ونہ در آخر، وقتی کہ ایام نبوت منقضی شد و وحی منقطع گشت در آمد عباد اللہ الصالحین درکار ہائے مطلوب بنوعے از فکر و اجتہاد، بانوعے از رویا والہام و فراست خواہد بود، وآں ہمہ حجت قائمہ موجب تکلیف ناس نیست، چوں کار باخرر سید، ورشد آں مانند فلق الصبح ظاہر گشت معلوم ہمہ اہل تحقیق شد کہ آں محض حق بودہ است، کما قال عمرفی مباحثتہ مع ابی بکر رضی اللہ عنہ فی مسئلۃ المرتدین۔ "فعرفت انہ الحق ..."۔

(ازالۃ الخفاء فارسی ص ۲۵ ج ۱)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ: "ارشاد باری ہے:

"اور (سچ تو یہ ہے کہ) جس کو دین کا فہم مل جاوے اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سو (اے منکرو) اگر تم کو (یہ بات) معلوم نہ ہو تو اہل کتاب سے دریافت کرلو"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے اوپر حوالہ رکھتے"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ :" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس دین کی آبیاری کے لئے پودے نصب فرماتے رہیں گے اور انہیں دین کی حفاظت کے لئے استعمال کرتے رہیں گے"۔

مسند السند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں :

ترجمہ :" اگر سننے والا کان اور سمجھنے والا دل رکھتے ہو تو ایک بات اس سے بھی زیادہ باریک سنو' خدا تعالیٰ ہمیشہ عالم کی تدبیر کرتا رہتا ہے نیک بندوں کو امور حق کا الہام کرکے تاکہ وہ نیک بندے اس کے مقصود کو جاری کریں اور اس کے موعود کو سرانجام دیں۔ حق تعالیٰ نے حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کا واقعہ اسی بات کو ظاہر کرنے کے لئے بیان فرمایا ہے۔ لیکن جب تک نبوت کا زمانہ موجود تھا پیغمبر کے قلب پر وحی اترتی تھی جس کی اطاعت فرض ہے اور شک وشبہ کو جس میں گنجائش نہیں نہ اول میں نہ آخر میں۔ پھر جب نبوت کا زمانہ گزر گیا اور وحی موقوف ہوگئی تو اب نیک بندوں کا مقاصد (کی سرانجام دہی) میں دخل دینا یا فکر واجتہاد سے ہوگا یا ایک قسم کے رویا (یعنی خواب) اور الہام اور فراست سے یہ سب چیزیں گو (اس وقت) آدمیوں کے مکلف کرنے کا باعث نہ ہوں لیکن جب کام انجام کو پہنچ گیا اور اس کا حق ہونا مثل سفیدۂ صبح کے کھل گیا تو تمام اہل تحقیق کو معلوم ہوگیا کہ وہ خالص حق تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس مباحثہ کے متعلق جو ان سے اور حضرت ابو بکرؓ سے مرتدوں کے مسئلہ میں ہوا تھا فرمایا کہ (آخر میں) مجھے معلوم

ہوگیا کہ وہی حق ہے (جو حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں)"۔

مندرجہ بالا نصوص سے چند امور معلوم ہوئے :

اول ...... قرآن کریم حق تعالیٰ شانہ کا نازل کردہ ہے' اور حق تعالیٰ شانہ خود اس کے محافظ ہیں لفظاً بھی اور معناً بھی۔

دوم ــ حفاظت قرآن کریم کے لئے جن جن علوم کی ضرورت ہے' قیامت تک اللہ تعالیٰ ان علوم کی بھی حفاظت فرمائیں گے' اور چونکہ ظاہر اسباب میں ان علوم کی حفاظت کے لئے "رجال علم" کا وجود ناگزیر ہے' پس وعدہ حفظ قرآن اور تمام علوم عالیہ و آلیہ اس حفظ قرآن کے کارخانہ الٰہی کے مختلف شعبے ہیں' اور ان تمام شعبوں میں کام کرنے والے حضرات اس کارخانہ الٰہی کے ملازم و مزدور ہیں' وعدہ فرمایا گیا کہ اس کارخانہ الٰہی کے تمام شعبے رہتی دنیا تک حفظ قرآن کی خدمت میں مصروف عمل رہیں گے' گو اس کارخانہ الٰہی کے ملازمین بدلتے رہتے ہیں لیکن حق تعالیٰ اس کارخانہ الٰہی کے تمام خدام و رجال کار کی خود حفاظت فرمائیں گے۔

سوم ــ ہر دور اور ہر زمانے کے لئے جس قسم کے رجال کار کی ضرورت پیش آتی رہے گی حق تعالیٰ اس گلستان خداوندی میں نئے پودے نصب کرتے رہیں گے' اور ان کو اپنی اطاعت میں خود استعمال فرماتے رہیں گے' گویا یہ گلشن خداوندی ہمیشہ سدا بہار رہے گا' اور اس کی تازگی و شادابی میں ذرا فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔

چہارم ...... دین قیم کی آبیاری و شادابی کے جو جو نئے تقاضے سامنے آتے رہیں گے حق تعالیٰ شانہ "عباد اللہ الصالحین" کے دلوں میں ان سے عہدہ برآ ہونے کا القاء و الہام فرمائیں گے' اور وہ اپنی خداداد فراست مومنانہ کے ذریعہ اپنے فکر و اجتہاد اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو ان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عمل میں لائیں گے۔

پنجم ــ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں اور کارخانہ الٰہی کے ملازموں نے منشائے

الٰہی کی تعمیل و تشکیل کے لئے جو کچھ کیا' اگرچہ اس وقت کے کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے 'لیکن عنداللہ وہی حق ہے 'اور آنے والا وقت اس کی حقانیت پر مہر ثبت کردے گا۔

ایک عرصہ سے شور محشر برپا ہے کہ علما تقاضائے وقت سے نابلد ہیں' انہوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر رکھا ہے 'زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے' اور یہ ابھی تک بسم اللہ کے گنبد میں محصور ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ اس ناکارہ کے خیال میں ایسا شور مچانے والے وعدہ خداوندی "انانحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" پر ایمان نہیں رکھتے' اور ان کی یہ ساری غوغا آرائیاں علما کے خلاف نہیں بلکہ کارخانہ خداوندی کے خلاف ہیں اور علما اس کارخانہ خداوندی کے محض سرکاری ملازم ہیں' اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام سرکاری ملازم غفلت و کوتاہی کے مرتکب ہو گئے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنا وعدہ پورا نہیں فرمایا۔ نعوذ باللہ۔

علمائے دین کے خلاف شور و غوغا مچانے والے حضرات کسی ایک چیز کا نام تو لیں کہ دین کا فلاں تقاضا سامنے آیا 'اور علما نے اس میں غفلت سے کام لیا' اور وقت کے تقاضا کا چیلنج قبول نہیں کیا۔ ہاں! یہ کہنا صحیح ہے کہ لوگوں کی جو خواہشات منشائے الٰہی کے خلاف تھیں علما نے ان کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا' امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ علامہ اقبال مرحوم کی دعوت پر لاہور تشریف لائے ہوئے تھے اور علامہ اقبال مرحوم کے مکان پر فروکش تھے' تاجروں کے ایک نمائندہ وفد نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ ہماری قوم معیشت میں بہت پیچھے رہ گئی ہے اور زمانہ برق رفتاری سے ترقی کر رہا ہے' اب علما کو "اجتہاد" سے کام لینا چاہئے اور بینک کے سود کے جواز کا فتویٰ دینا چاہئے 'ان کی مرصع تقریر سن کر حضرت شاہ صاحبؒ نے بڑی متانت سے فرمایا:

"بھائی اگر تم دوزخ میں جانا چاہتے ہو تو سیدھے چلے جاؤ' مولویوں کو پل کیوں بناتے ہو؟"

الغرض لوگ علمائے کرام سے جس اجتہاد کی توقع رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ لوگوں کی خواہشات جس چیز کو تقاضائے وقت سمجھتی ہوں علمائے کرام کو بلاتکلف اس کی حلت و جواز کا فتویٰ دے دینا چاہئے' گویا موجودہ لادینی نظام تو جوں کا توں رکھا جائے' اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے' البتہ علمائے کرام "اجتہاد" کے ذریعے قرآن و سنت کو اس بگڑے ہوئے نظام پر فٹ کرنے کا فریضہ انجام دیں۔ اگر علمائے اسلام کی حیثیت خدانخواستہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی رہنماؤں کی سی ہوتی تو وہ بھی لوگوں کی خواہشات کے مطابق دین میں قطع و برید کر ڈالتے' لیکن مشکل یہ ہے کہ حضرات علمائے کرام اپنی مرضی کے مالک اور اپنے اجتہاد میں آزاد نہیں' بلکہ وہ کارخانہ الٰہی کے سرکاری ملازم ہیں' وہ اس کارخانہ کے منشا کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے' اگر وہ بفرض محال ایسا کریں تو ان کو فوراً اس کارخانہ کی ملازمت سے معطل کر دیا جائے گا اور ان کی جگہ حق تعالیٰ شانہ اہل دین و تقویٰ اور اہل دیانت و امانت کو بھرتی کرلیں گے' جو پوری دیانت و امانت اور احساس محاسبہ آخرت کے ساتھ اس خدمت کو بجا لائیں گے۔ وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم۔

الغرض یہ حضرات' علمائے کرام سے جس طرح بے ہنگم اجتہاد کی توقع رکھتے ہیں اس کو اجتہاد کہنا ہی غلط ہے' وہ صریح تحریف فی الدین ہے اور شریعت خداوندی کی ترمیم و تنسیخ ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی عالم حقانی اس کی جرات کیسے کر سکتا ہے۔

"بے قید اجتہاد" کی ایک صورت وہ ہے جس کا تماشا ہمارے قانون پیشہ برادری کے یہاں دیکھنے میں آتا ہے' ہمارے جج صاحبان کرسی عدالت پر اور وکلا حضرات عدالت کے کٹہرے میں قرآن و سنت پر مشق اجتہاد فرماتے ہیں اور جو جی چاہتا ہے ان کی تعبیرات فرماتے ہیں۔ ان کی غلط فہمی یہ ہے کہ ان کے پاس قانون کی ڈگری ہے اور بعض کے پاس بین الاقوامی قانون کی سند ہے۔ لہٰذا انہیں قرآن و سنت میں اجتہاد کا حق ہے اور ان کے اس استحقاق کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے اس کو "بے قید اجتہاد" سے اس لئے تعبیر کیا کہ ائمہ مجتہدین کے

اجتہاد کے لئے تو "اصول فقہ" میں سخت ترین شرائط رکھی گئی ہیں۔ لیکن "فقہ وکٹوریہ" کے اصول میں صرف ایک شرط رکھی گئی ہے۔ وہ یہ کہ مجتہد صاحب کے پاس "قانون کی ڈگری" ہو اس پر نماز روزے کی پابندی کی کوئی قید نہیں' فرائض شرعیہ کی بجا آوری کی کوئی ضرورت نہیں' محرمات شرعیہ سے اجتناب کی کوئی شرط نہیں' بلکہ مجتہد صاحب کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ ایک غیر مسلم 'ایک ملحد 'ایک ہندو 'ایک سکھ 'ایک پارسی 'ایک یہودی 'ایک عیسائی اور ایک قادیانی بھی قانون کی سند حاصل کرنے کے بعد قرآن و سنت میں اجتہاد کر سکتا ہے اور مسلم معاشرے کو اپنے زریں "اجتہادات" سے فیض یاب کر سکتا ہے' پنجاب کی ایک معروف شخصیت سے (جن کا نام لینا نامناسب ہوگا) راقم الحروف کی بالمشافہ گفتگو ہوئی انہوں نے اس گفتگو میں اپنی "قرآنی بصیرت" کا ایک خاص نکتہ یہ ارشاد فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تعبیرو تشریح اپنے معاشرے کے احوال و ظروف میں فرمائی تھی۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیرو تشریح کے پابند نہیں (نعوذباللہ) بلکہ ہمیں اپنے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر قرآن کریم کی تعبیرو تشریح کرنی چاہئے؟

یہی وہ اصل الاصول ہیں جس کو ہمارے قانون پیشہ حضرات نے اپنے اجتہاد کا نصب العین قرار دے رکھا ہے۔ الاماشاء اللہ۔ اس عدالتی اجتہاد کے لئے قرآن و سنت کا علم بھی شرط نہیں بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان مجتہد صاحب نے قرآن کریم ناظرہ پڑھ رکھا ہو۔ اور قرآن کریم کے الفاظ کا تلفظ صحیح ادا کر سکتا ہو۔ کیونکہ قرآن کریم کے اردو اور انگریزی ترجمے بہ کثرت موجود ہیں اور وہ ان مجتہدین کی مشکل حل کرنے کے لئے کافی و شافی ہیں۔ ان کی مدد سے مجتہدین صاحبان اجتہاد کی فضائے بسیط میں پرواز کرتے ہوئے بڑے اونچے نکل جاتے ہیں۔

جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دور میں ایک اجتہاد کانفرنس بلائی تھی۔ بڑے بڑے جغادری اسکالروں کو اندرون و بیرون ملک سے مقالے پڑھنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ سامعین میں بڑی تعداد عدالت کے کرسی نشینوں کی تھی۔ حضرت مولانا مفتی

محمودؒ کو بھی مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے بجائے مقالہ پیش کرنے کے فی البدیہہ تقریر فرمائی' اس میں فرمایا :

"اصول فقہ میں اجتہاد کی بڑی کڑی شرائط ذکر کی گئی ہیں۔ مگر میں ان شرائط کو نظرانداز کرتا ہوں' لیکن اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجتہد کے لئے کم از کم ناظرہ قرآن پڑھے ہوئے ہونے کی شرط تو چاہئے"۔

اور پھر پہلی صف میں کرسی نشینان عدالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی صاحب نے فرمایا :

"پہلے ان کو ناظرہ قرآن تو پڑھوا لو"۔

مفتی صاحبؒ کے اس فقرے پر جج صاحبان کے منہ لٹکے ہوئے رہ گئے۔

"بے قید اجتہاد" کی ایک صورت وہ ہے کہ جس کی دعوت ایک خاص طبقہ دے رہا ہے' یعنی ہر وہ شخص جو عربی کی تھوڑی بہت شدبد رکھتا ہو اور اس نے قرآن و حدیث کا سرسری مطالعہ کر رکھا ہو' وہ "مجتہد مطلق" ہے۔ اس کو ائمہ فقہا سے استفادہ کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اسے قرآن و سنت میں براہ راست اجتہاد کرنا چاہئے۔ میرے ایک دوست اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ "تم لوگ احساس کمتری میں کیوں مبتلا ہو تم ابوحنیفہؒ و شافعیؒ سے کس بات میں کم ہو"۔

مثل مشہور ہے "نیم حکیم خطرہ جان۔ نیم ملا خطرہ ایمان۔"

یہ حضرات' ائمہ فقہا رحمہم اللہ سے بے نیاز ہو کر بلکہ ان کے فقہی سرمایہ کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے جس اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں اسے نرم سے نرم الفاظ میں "جہل مرکب" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور دین اسلام میں ایسے "جہل مرکب" کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ ایسا اجتہاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد کا مصداق ہے :

قتلوہ قتلهم الله، الا سالوا اذلم یعلموا، فانما شفاء العی السوال۔

(رواہ ابوداؤد ابن ماجہ ۔ مشکوۃ ص ۵۵)

ترجمہ :"انہوں نے اس کو قتل کر دیا' اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے' یہ جب جانتے نہیں تھے تو انہوں نے کسی سے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ جہل کے مرض کا علاج تو کسی سے پوچھنا ہے"۔

یہ حضرات' جب آلات اجتہاد سے عاری ہونے کے باوجود 'اجتہادی مسائل میں ائمہ اجتہاد سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے' بلکہ رجوع کرنے والوں کو اپنی گل فشانیوں کا نشانہ بناتے ہیں تو گویا جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں اور اجتہاد کی صلاحیت سے عاری ہونے کے باوصف اپنے کو "مجتہد مطلق" جانتے ہیں۔ یہی جہل مرکب ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

(بینات شعبان ۱۴۱۷ھ)

۱

شریعت بل ۱۹۹۸ء... شکوک وشبہات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ صحبت میں ہم نے "اسلامی نظام کی برکات" کے عنوان سے بینات کے "بصائر وعبر" میں ارباب اقتدار سے گزارش کی تھی کہ "پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کریں اور اسلامی نظام کے نفاذ کی برکتیں بچشم خود ملاحظہ کریں۔

اس کے چند دنوں بعد ہی جمعہ ۲۸ اگست ۱۹۹۸ء کو یہ نوید سننے کو ملی کہ وزیر اعظم پاکستان نے نفاذ شریعت کا اعلان کر دیا ہے، اور "نفاذ شریعت بل" قومی اسمبلی میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس اعلان پر پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، لوگوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی کہ ملک میں نفاذ اسلام کی منزل قریب آگئی، گوہر مقصود حاصل ہوگیا، قیام پاکستان کا مقصد پورا ہوا، لاکھوں مسلمانوں کی قربانیاں رنگ لائیں، ملک وملت کے غم خواروں کو اپنے خواب پورے ہوتے ہوئے نظر آئے۔

اگلے دن ۲۹ اگست ۱۹۹۸ء کے اخبارات میں وزیر اعظم کے خطاب کی

تفصیلات اور شریعت بل کا متن شائع ہوا- اخبارات میں شریعت بل کا جو متن شائع ہوا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے قارئین بینات کے لئے ذیل میں نقل کر دیا جائے :

"آئین میں پندرہویں ترمیم کے بل کا متن"

"چونکہ اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اس نے پاکستان کی ریاست کو اس کے جمہور کے توسط سے ان کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق دیا ہے وہ ایک مقدس امانت ہے

اور چونکہ قرار داد مقاصد کو دستور کا اساسی حصہ بنا دیا گیا ہے

اور چونکہ اسلام پاکستان کا ریاستی مذہب ہے اور یہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنائے کہ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے بنیادی اصولوں اور نظریات کے مطابق جس طرح قرآن پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے ترتیب دے سکیں

اور چونکہ اسلام سماجی نظام کے قیام کا حکم دیتا ہے جو اسلامی اقدار پر مبنی ہو، یہ یقین کرتے ہوئے کہ کیا درست ہے، اور اسے روکنا جو غلط ہے (امر بالمعروف و نہی عن المنکر)

اور چونکہ مذکورہ بالا مقصد اور ہدف کو پورا کرنے کی غرض

سے یہ قرین مصلحت ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں ترمیم کی جائے -لہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے- مختصر عنوان اور آغاز نفاذ(۱) یہ ایکٹ دستور (پندرہویں ترمیم)ایکٹ ۱۹۹۸ء کے نام سے موسوم ہوگا-۲- یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا-(۲) دستور میں نئے آرٹیکل ۲بی کا اضافہ- اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں، جس کا حوالہ مذکورہ دستور کے طور پر دیا گیا ہے، آرٹیکل ۲-الف کے بعد، حسب ذیل نیا آرٹیکل شامل کر دیا جائے گا-۲-ب- قرآن اور سنت کی برتری -(۱) قرآن پاک اور پیغمبر پاک ﷺ کی سنت، پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا-

تشریح.... : کسی مسلمان فرقے کے پرسنل لاء پر اس شق کے اطلاق میں ”قرآن اور سنت“ کی عبارت کا مفہوم وہی ہوگا جو اس فرقے کی طرف سے توضیح شدہ قرآن اور سنت کا ہے-

۲ :.... وفاقی حکومت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ شریعت کے نفاذ کے لئے اقدام کرے، صلوۃ قائم کرے، زکوۃ کا اہتمام کرے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے اور اسے روکنا جو غلط ہے) کو فروغ

دے-ہر سطح پر بد عنوانی کا خاتمہ کرنے اوراسلام کے اصولوں کی مطابقت میں، جیساکہ قرآن وسنت میں موجود ہے حقیقی سماجی ومعاشی انصاف فراہم کرے-

۳ :....وفاقی حکومت شقات(۱) اور(۲) میں دیئے گئے احکام کے نفاذ کے لئے ہدایات جاری کرسکے گی اور مذکورہ ہدایات پر عمل پیرانہ ہونے پر کسی بھی سرکاری عہدیدار کے خلاف ضروری کاروائی کرسکے گی-

۴ :....اس آرٹیکل میں شامل کوئی امر شخصی قانون، مذہبی آزادی ، غیر مسلموں کی روایات یارسم ورواج اوربطور شہریوں کے ان کی حیثیت کو متاثر نہیں کرے گا-

۵ :....اس آرٹیکل کے احکام دستور میں شامل کسی امر کے باوجود کسی قانون یاعدالت کے فیصلے پر موثر ہوں گے-

(۳) دستور کے آرٹیکل ۲۳۹ کی ترمیم-دستور میں آرٹیکل ۲۳۹ میں شق(۳) کے بعد، حسب ذیل نئی شقیں شامل کرلی جائیں گی یعنی(۳-الف) شق (۱) تا(۳) مین شامل کسی امر کے باوجود شریعت سے متعلقہ کسی امر کے نفاذ میں رکاوٹ دور کرنے کی غرض سے دستور میں ترمیم کرنے کابل دونوں ایوانوں میں پیش کیا جائے گا اگروہ اس ایوان کی کثرت آراسے منظور ہو جاتا ہے جس میں وہ پیش کیا گیا تھا تووہ

دوسرے ایوان میں منتقل کر دیا جائے گا اور اگر بل بغیر کسی ترمیم کے دوسرے ایوان کے ارکان کی کثرت آرا سے منظور ہو جاتا ہے تو اسے منظوری کے لئے صدر کے سامنے پیش کر دیا جائے گا (۳-ب) اگر شق (۳-الف) کے تحت کسی ایوان کو منتقل کیا گیا بل مسترد ہو جائے یا اپنی وصولی کے نوے دن کے اندر منظور نہ ہو، یا ترمیم کے ساتھ منظور ہو تو اس پر مشترکہ اجلاس میں غور کیا جائے گا- (۳ ج) اگر بل ترمیم کے ساتھ یا بغیر ترمیم کے مشترکہ اجلاس میں ارکان کی کثرت آرا سے منظور ہو جاتا ہے تو وہ منظوری کے لئے صدر کو پیش کیا جائے گا (۳د) صدر، شق (۳الف) یا شق (۳ج) کے تحت پیش کردہ بل کی، بل پیش کرنے کے سات دن کے اندر منظوری دے گا- اس حقیقت کے پیش نظر کہ قرارداد مقاصد اب دستور کا مستقل حصہ ہے یہ ضروری ہے کہ قرآن و سنت کو پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون قرار دیا جائے اور حکومت کو شریعت نافذ کرنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے کا اختیار ہو- آرٹیکل ۲۳۹ کے تحت دستور میں ترمیم کرنے کا بل ہر ایک ایوان کی دو تہائی اکثریت سے، لیکن جداگانہ طور پر منظور ہو جاتا ہے - نفاذ شریعت کو باسہولت بنانے کے لئے، یہ غور کیا گیا ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ

شریعت سے متعلقہ کسی امر کے نفاذ میں کسی رکاوٹ کو
دور کرنے کے اور اسلام کے امتناعی احکام پر عمل درآمد کے
لئے قانون وضع کرنے کا بل پارلیمنٹ میں اسی طرح سے
منظور کیا جائے، جیسے کوئی بھی قانون منظور ہوتا ہے۔ اس بل
کے ذریعے مذکورہ بالا مقاصد حاصل کرنے کے لئے دستور
میں ترمیم کرنا ہے"۔

جیسا کہ ہم نے گزشتہ شمارے میں عرض کیا تھا کہ مملکت خداداد پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر اور اسلام کے لئے عمل میں آیا تھا لیکن افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد ارباب اقتدار کے یہ دعوے اور وعدے طاق نسیان کی زینت بنا دیئے گئے، مسلمانان پاکستان، علما اور صلحا نے اس سلسلہ میں متعدد بار یاد دہانی کرائی مگر ارباب اقتدار نے ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیا۔ اس کی روشنی میں "بینات" ذوالحجہ ۱۴۱۱ھ میں ہم نے اس پر تفصیل سے لکھا تھا اس کی روشنی میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرات علما کی کوششوں اور ارباب حل وعقد کی کہہ مکرنیوں کا مختصر سا جائزہ پیش کر دیا جائے:

۱:۔۔۔۔۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر علما کی محنت اور کوششوں سے ۷ مارچ ۱۹۴۹ء میں نواب زادہ لیاقت علی خان نے مجلس دستور ساز میں ایک قرارداد پیش کی، جس میں قرآن وسنت کے مطابق ملک کا دستور وضع کرنے کے ارادے کا اعلان کیا گیا، جو بعد میں قرارداد مقاصد کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسی کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندویؒ کی نگرانی میں ایک اسلامی تعلیماتی بورڈ تشکیل دیا گیا جس

کے ذمہ اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنا تھا- مگر ارباب اقتدار کی کج ادائی کی داد دیجئے کہ لیاقت علی خان کے پورے دور میں اس سلسلہ میں قرارداد مقاصد سے آگے کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ،اور قرارداد مقاصد کو بطور تبرک ہر دستور کے دیباچہ میں درج کیا جاتا رہا-البتہ جنزل محمد ضیاالحق مرحوم نے اپنے دور اقتدار میں قرارداد مقاصد کو دستور کا حصہ بنادیا-

۲ :۔۔۔۔ سن ۱۹۸۵ء میں مولانا قاضی عبد اللطیف اور مولانا سمیع الحق نے سینٹ میں شریعت بل پیش کیا جسے باربار کمیٹیوں کے حوالہ کیا جاتا رہا، متحدہ شریعت محاذ سے لے کر اسلامی نظریاتی کونسل تک نے اس پر غوروخوض کیا اور عوام کی رائے لینے کے لئے اسے مشتہر کیا گیا، لیکن بہر حال پانچ سال بعد ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینٹ نے متفقہ طور پر منظور کرلیا، مگر وہ اس وقت کی بیگم زرداری حکومت کی ادائے جفا کی نذ ہو گیا اور اسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آنے دیا گیا-

۳ :۔۔۔۔ صدر جنرل ضیاالحق صاحب نے نفاذ شریعت آرڈی نینس ۱۹۸۸ء جاری کیا جو اپنی جگہ بہت بڑا اقدام تھا، مگر مقررہ مدت میں اسمبلی اسکی توثیق سے محروم رہنے کی بنا پر وہ بھی غیر موثر ہو کر رہ گیا-

۴ :.... میاں نواز شریف وزیر اعظم پاکستان نے ۱۹۹۱ء میں سرکاری شریعت بل پیش کیا جسے قومی اسمبلی نے ۱۶ / مئی ۱۹۹۱ء اور سینٹ نے ۲۹ / مئی ۱۹۹۱ء کو بغیر کسی ادنیٰ ترمیم کے منظور کرلیا-

اب میاں نواز شریف صاحب نے ایک بار پھر اس کی ضرورت محسوس

کی اور آئین میں پندرہویں ترمیم کر کے ۲۸ / اگست ۱۹۹۸ء کو قومی اسمبلی میں شریعت بل پیش کر دیا ہے۔

اس بل کی حمایت و مخالفت میں بہت کچھ کہا جارہا ہے اور ایک عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ مخالفت کرنے والوں میں دو فریق ہیں :

پہلا فریق وہ لادین طبقہ ہے جن کو اسلام کا نام سننا بھی گوارہ نہیں، اور وہ کسی بھی شکل میں یہاں اسلام کے پھلنے اور پھولنے کو برداشت کرنے کیلئے آمادہ نہیں، انکی خواہش یہ ہے کہ اس ملک میں مکمل اباحیت کا دور دورہ ہو، اخبارات اس طبقہ کی خاص کمین گاہ ہیں، جن میں یہ طبقہ "شریعت بل" کی آڑ میں خود شریعت کے خلاف زہر اگلنے میں مصروف ہے اور بعض سیاسی جماعتوں کے لیڈر اس طبقہ کی امامت و قیادت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

دوسرا طبقہ ان سنجیدہ فکر حضرات کا ہے جو "شریعت بل" کی بعض خامیوں کی نشاندہی کرتا ہے ان کا مقصد شریعت بل کی مخالفت نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ اول الذکر طبقہ کی نکتہ چینیوں پر تنقید کا یہ موقع نہیں، البتہ موخر الذکر طبقہ کی ذکر کردہ اصلاحات میں سے یہاں چند نکات ذکر کرنا ضروری ہے۔

اول :.... میاں نواز شریف اور انکی کابینہ کو از سر نو شریعت بل مرتب کرنے اور اسے اسمبلی میں پیش کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی ؟ جب کہ قومی اسمبلی اور سینٹ کے ریکارڈ میں علما کے مرتب کردہ شریعت بل کا متن اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات موجود ہیں ؟

دوم :.... اس بل میں تشنگی اور ابہام ہے، مثلاً اس کی شق نمبر ایک میں ہے :

"قرآن پاک اور پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت، پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون ہوگا، تشریح : کسی مسلمان فرقے کے پرسنل لا پر اس شق کے اطلاق میں، قرآن اور سنت کی عبارت کا مفہوم وہی ہوگا جو اس فرقے کی طرف سے توضیح شدہ قرآن و سنت کا ہے"۔

بل کی اس شق کی رُو سے قرآن و سنت کا مفہوم متعین کرنے میں خاصی دشواری ہوگی، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس شق کے ہوتے ہوئے قرآن و سنت کا مفہوم متعین ہی نہیں ہوگا اور ہر فرقہ اپنے طے کردہ قرآن و سنت کے مفہوم کو قرآن و سنت کا نام دے گا، مقنّنہ اور عدلیہ کے سامنے وہ اس کے نفاذ پر اصرار کرے گا، جس سے فرقہ واریت کو ہوا ملے گی، ایسا مقدمہ جہاں دو فرقوں سے تعلق رکھنے والے مدعی اور مدعی علیہ ہوں وہاں قرآن و سنت کا مفہوم متعین کرتے ہوئے کس کی رعایت رکھی جائے گی؟

اسکے برعکس علما کے مرتبہ "شریعت بل" میں قرآن و سنت کے مفہوم کی تعیین کے لئے اس کی شق نمبر ۱۲ میں ہے :

"قرآن و سنت کی تعبیر :

"قرآن و سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو اہل بیت عظام، صحابہ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث کے مسلمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو"۔

اسکے علاوہ پرسنل لاء کے حوالہ سے بعض کمزور ایمان مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی اور چوری کی سزا یا دوسری تعزیرات سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو شیعہ، رافضی، قادیانی اور عیسائی وغیرہ لکھوا کر چند ٹکوں کے عوض ایمان کا سودا کریں گے-صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کے نظام زکوٰۃ کے نفاذ کے موقع پر ایسی بیسیوں مثالیں سامنے آچکی ہیں، ضروری تھا کہ جہاں مسلمانوں کے لئے ادائیگی زکوٰۃ کا نظام مرتب کیا گیا وہاں ان لوگوں کے لئے جو اپنے آپ کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنٰی سمجھتے ہیں، جزیہ مقرر کیا جاتا-

سوم :.... اس بل کی شق دو میں ہے :

> "وفاقی حکومت کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ شریعت کے نفاذ کیلئے اقدام کرے، صلوٰۃ قائم کرے، زکوٰۃ کا اہتمام کرے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی (یعنی یہ تعین کرنا کہ کیا صحیح ہے، اور اسے روکنا جو غلط ہے) کو فروغ دے"-

اقامت صلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کا مرحلہ تو بالکل واضح ہے، اسی طرح شریعت نے معروف و منکر کا بھی تعین فرمادیا ہے مگر شریعت بل کی اس شق میں معروف و منکر کے تعین کی ذمہ داری وفاقی حکومت کے باتدبیر وزرا کے ناتواں کاندھوں پر رکھی گئی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وفاقی حکومت کے "مجتہدین" جس منکر کو معروف اور معروف کو منکر قرار دے دیں وہی شریعت ہو گی؟ اور اسکی مخالفت شریعت کی مخالفت شمار ہو گی؟ خدانخواستہ اگر ان کے "مزاج شاہی" میں

آئے اور وہ ننگی فلموں اور ٹی وی کے حیاسوز مناظر کو منکر کی فہرست سے نکال دیں
تو ان کے اس "فیصلہ حقہ" کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا۔ الغرض اس
شق کی رو سے معروف و منکر کا تعین بازیچۂ اطفال بن جائے گا۔

چہارم :..... جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں عرض کیا ہے کہ نفاذ اسلام کی متعدد
بار کوششیں کی جاتی رہیں حتیٰ کہ شریعت بل، سینٹ اور اسمبلی سے پاس بھی ہو چکا
ہے، مگر عملاً آج تک ملک میں وہی انگریز کا قانون رائج ہے۔ ضرورت اس بات کی
تھی کہ اسکے عملی نفاذ کی کوئی صورت تجویز کی جاتی مگر اس طرف کوئی ہلکا سا اشارہ
بھی نہیں ملتا کہ اس کے عملی نفاذ کی کیا صورت ہو گی؟ اگر حکومت، ارکان
اسمبلی، صدر اور وزیر اعظم نے شریعت کی پابندی اور اس پر عمل درآمد
کا عہد کر لیا ہے؟ تو ان کو چاہئے کہ اپنے گھر سے اس کے نفاذ کی ابتدا کریں۔ اور
"پاک انجمن خواتین اسلام" کے مطالبہ کے مطابق خواتین کو پردہ کا پابند کیا
جائے، صدر اور وزیر اعظم اپنے گھر کی خواتین سے پردہ کا آغاز کریں۔

پنجم :..... وزیر اعظم میاں نواز شریف، ان کے وزیروں اور مشیروں نے
حکومت کے جاری کردہ شریعت بل کی جو توضیح و تشریح کی ہے اس سے یہی اندازہ
ہوتا ہے کہ اس بل سے شریعت نافذ کرنا مقصود نہیں، بلکہ حکومت کا مقصد
موجودہ انگریزی قوانین کو قرآن و سنت اور شریعت باور کرانے کی کوشش کرنا ہے
چنانچہ وزیر اعظم سمیت متعدد وزراء اور ذمہ داروں کے چند ارشادات ملاحظہ
ہوں :

۱:---"خواتین کو جبری برقعہ پہنائیں گے نہ گھر

بٹھائیں گے، خواتین پر ایسی کوئی پابندی نہیں لگے گی جس
سے ان کے معاشرہ کے مفید فرد بننے میں رکاوٹ پیدا ہو۔"

(نواز شریف)

۲:----"نفاذ شریعت کے بعد بھی سود ادا کرتے
رہیں گے، تمام بین الاقوامی معاہدوں پر عمل درآمد ہوگا نئے
قرضے صرف پرانے قرضوں یا سود کی ادائیگی کے لئے
لیں گے۔" (وزیراعظم کے مشیر برائے خزانہ و اقتصادی امور ڈاکٹر حفیظ پاشا)

اس سے اگلے دن ایک سرکاری بزرجمہر نے "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے
مصداق اس بیان پر معذرت کرتے ہوئے کہا:

"ہم سود نہیں لیں گے البتہ مارک اپ ادا کریں گے
جو شرعاً جائز ہے۔"

"شریعت بل کا مقصد ہاتھ کاٹنا یا جیاد پرست بننا نہیں۔"

(مشاہد حسین وفاقی وزیر اطلاعات)

"شریعت بل اسلامی انقلاب لانے کے لئے نہیں۔"

(خالد انور)

مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ میاں نواز شریف حکومت کی یہ
کاروائی بالکل اسی طرح ہے جیسے اس نے اپنے سابقہ دور میں بینک کے سودی
کھاتوں یعنی سیونگ اکاؤنٹ کا نام بدل کر پی ایل ایس رکھ دیا اور باور کرایا گیا کہ
سودی اسکیم ختم کر دی گئی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکومت کون سا اسلام نافذ کرنا چاہتی ہے؟

ایسا اسلام جس میں ارشاد ربانی: "والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما جزاء بما کسبا نکالامن اللّٰه" (مائدہ -۳۸) (اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، ان دونوں کے (داہنے) ہاتھ (گٹے پر سے) کاٹ ڈالو، ان کے کردار کے عوض، بطور سزا کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے)۔ کی کھلی مخالفت ہو، اور جہاں چور کی سزا کے سلسلہ میں حکم الٰہی کو پس پشت ڈالا جائے، جہاں ارشادات الٰہی "ولا یبدین زینتهن" (اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو) اور "یدنین علیهن من جلابیبهن" (اور وہ اپنے چہرے پر پردہ ڈال لیا کریں) اور "ولاتبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ" (اور نہ پھرتی رہو باہر زمانہ جاہلیت کی طرح) کی صاف، صریح اور کھلی مخالفت کی جائے اور کہا جائے کہ عورتوں کو پردہ نہیں کرائیں گے، جہاں سود کو حلال قرار دینے کی ناپاک جسارت کی جائے اور سود کو مارک اپ کے نام سے حلال کہہ کر غضب الٰہی کو دعوت دی جائے اور دینی اقدار پر عمل کرنے کو بنیاد پرستی کہہ کر اس کی نفی کی جائے؟ یہ اسلامی نظام کا نفاذ نہیں بلکہ اس کے ساتھ بدترین مذاق ہے، اس سے توبہ کی جائے۔

اگر نواز شریف صاحب نفاذ اسلام میں مخلص ہیں تو انہیں سرحد کے بالائی علاقوں مالاکنڈ ایجنسی جہاں کے مسلمانوں نے نفاذ اسلام کے معاملہ کو، ایک تحریک کی شکل میں پیش کیا تھا اور ہزاروں مسلمانوں نے اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں، کم از کم وہاں فوراً اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کر دینا

چاہئے۔

میاں صاحب نے بر سر اقتدار آتے ہی جمعہ کی چھٹی منسوخ کر کے عیسائی مشابہت کا مظاہرہ کیا تھا اس سے فی الفور توبہ کر کے جمعہ کی چھٹی بحال کرنے کا اعلان کیا جائے۔

میاں نواز شریف نے اپنے پہلے دور اقتدار میں سود کے تحفظ کے لئے عدالت عالیہ میں اپیل کی تھی اس سے فوراً توبہ کر کے خالق و مخلوق سے معافی مانگی جائے، اور آئندہ کے لئے قرآن و سنت کی واضح نصوص اور احکام شرع کی مخالفت پر کڑی سزا تجویز کی جائے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ خیر خلقہ

سیدنا محمد وعلی اصحابہ اجمعین ۔

(ماہنامہ بینات کراچی جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ)

پاکستانی عوام نفاذِ شریعت کی حامی ہے...
چشم کشا امریکی رپورٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

روزنامہ جنگ کراچی جمعہ ۳؍دسمبر ۱۹۹۹ء کی اشاعت میں امریکی رپورٹ کے حوالے سے ایک چشم کشا خبر شائع ہوئی ہے، جو کئی اعتبار سے لائق توجہ اور قابل ذکر ہے، خبر کا متن درج ذیل ہے:

''پاکستانیوں کی اکثریت نفاذ شریعت کی حامی ہے، امریکی رپورٹ''

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ ایک سروے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی عوام کی اکثریت نفاذ شریعت کی حامی ہے، تاہم وہ جنگجو اور سیاسی اسلام کو پسند نہیں کرتی۔ یہ سروے پاکستان میں امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ نے ۲۲؍اکتوبر کو جاری کیا، سروے کراچی، سکھر، لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، پشاور اور کوئٹہ میں رائے عامہ کے سروے کرنے والے ایک پاکستانی ادارے سے کرایا گیا۔ سروے میں بتایا گیا ہے کہ ۸۶ فیصد پاکستانی عام زندگی میں اسلامی اقدار کے لئے زیادہ بڑا کردار چاہتے ہیں اور

۸۲ فیصد شریعت کے قانون کو ملکی قانون کا درجہ دینے کے حق میں ہیں۔ تاہم سروے کے بعض حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ پاکستانی عمومی طور پر اسلام کو سیاست کے لئے استعمال کرنے کے بارے میں بھی چوکنے ہیں، ان میں سے ۴۸ فیصد کا کہنا ہے کہ اگر مذہبی رہنما سیاست میں ملوث ہوئے تو اس سے ان کے عقائد بھی خراب ہوں گے، جب کہ ۴۱ فیصد کا خیال ہے کہ مذہب ایک شخص کا ذاتی عقیدہ ہے اور اسے سرکاری پالیسی سے الگ تھلگ رہنا چاہئے، اکثریت اس بارے میں نابلد ہے کہ آیا جمہوریت اسلامی طرزِ حکمرانی سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟ ۴۰ فیصد لوگوں کا کہنا ہے کہ حکومت کے کلیدی عہدے غیر مسلموں کو اسلامی ریاست میں نہیں ملنا چاہئیں۔ ۵۱ فیصد پاکستانیوں کا خیال ہے کہ ذرائع ابلاغ کو صرف اسلامی اقدار سے ہم آہنگ مواد پیش کرنا چاہئے۔ پاکستانیوں کی اکثریت مغرب میں استعمال ہونے والی اسلامی انتہا پسندی کی اصطلاح سے واقف نہیں۔ ۴۶ فیصد پاکستانی، اسلام کے دفاع میں تشدد کی حمایت نہیں کرتے اور ۴۰ فیصد پاکستانی اسلامی جنگجوؤں کو پاکستان کے لئے ایک خطرہ گردانتے ہیں۔“

عام طور پر اس قسم کی رپورٹیں نہایت حزم و احتیاط پر مبنی ہوتی ہیں، مگر روزنامہ جنگ کی پیش نظر رپورٹ دوسری رپورٹوں سے مختلف اور کئی اعتبار سے لائق اعتماد و مستند ہے، مثلاً:

الف:...... یہ رپورٹ امریکی اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کی جانب سے جاری کردہ ہے۔

ب:......اس رپورٹ کے سروے کا انتظام خود امریکہ نے کرایا ہے۔

ج:......امریکہ نے جس ادارہ سے یہ سروے کرایا ہے، وہ غیر جانبدار اور امریکہ کے لئے قابل اعتماد ہے۔

د:......یہ سروے اس وقت کرایا گیا ہے جب پوری دنیا میں اسلام اور اسلامی آئین کو دہشت گردی کے حوالے سے بدنام کیا جارہا ہے۔

اس لئے یہ رپورٹ اپنے اندر غور وفکر کے متعدد پہلو رکھتی ہے:

ا:......اس خبر میں اعداد وشمار کی روشنی میں جن حقائق کا اظہار کیا گیا ہے وہ اسلام بیزار سیاست دانوں، ارباب اقتدار اور مغربی جمہوریت کے پجاریوں کے لئے تازیانہ ہے کہ پاکستان میں اکثریت کی خواہش کے برعکس اسلامی آئین کا راستہ آخر کیوں روکا جارہا ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟ اسی طرح یہ ان قوتوں اور لادین عناصر کے لئے بھی لمحۂ فکریہ ہے جو اپنے ذاتی مفادات اور اغراض کی خاطر پاکستانی عوام کی اکثریت کی دلی خواہش کا گلا گھونٹ رہے ہیں۔

۲:......اس رپورٹ سے ارباب دانش کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ پاکستان میں جمہوریت کے نام پر جمہور کے جذبات واحساسات کا قتل عام ہورہا ہے، آخر یہ کب تک ہوتا رہے گا؟ چنانچہ اس رپورٹ کی رو سے: ''۸۶ فیصد پاکستانی عام زندگی میں اسلامی اقدار کے لئے زیادہ بڑا کردار چاہتے ہیں، اور ۸۲ فیصد شریعت کے قانون کو ملکی قانون کا درجہ دینے کے حق میں ہیں۔'' گویا ملک کی ۸۶ اور ۸۲ فیصد اکثر آبادی کے جذبات واحساسات کا گلا دبا کر صرف ۱۴ فیصد لادین اور سرمایہ دار اقلیت کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنادیا گیا ہے، کیا جمہوریت اسی کا نام ہے؟

۳:......امریکہ اور اس کے حواری بحالی جمہوریت کے چیمپئن بنتے ہیں اور ''جمہوریت جمہوریت'' کی مالا جپتے نہیں تھکتے، آئے دن مسلمان ممالک خصوصاً افغانستان کو وسیع البنیاد حکومت بنانے اور پاکستان کو جمہوریت کی بحالی کا سبق دیا جاتا

ہے، لیکن وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جہاں کی اکثر آبادی اسلامی آئین کا نفاذ چاہتی ہو، وہاں اسلامی آئین نافذ کرنا جمہوریت اور اس سے انحراف جمہوریت دشمنی ہے۔ اسلام میں اگر چہ مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس لئے کہ اسلام میں افراد گنے نہیں، تولے جاتے ہیں۔ جبکہ مغربی جمہوریت میں افراد گنے جاتے ہیں، اس لئے مغربی جمہوریت میں وقت کا شیخ الاسلام اور گلی کوچے میں جھاڑو لگانے والا بھنگی ووٹ کے اعتبار سے برابر ہیں، تاہم اگر بالفرض جمہوریت کے پرستاروں کے فلسفہ کو مان لیا جائے تب بھی پاکستان میں اسلامی آئین کا نفاذ یہاں کی جمہور مسلم آبادی کا آئینی اور قانونی حق ہے کہ یہاں صرف ۱۴ فیصد افراد ایسے ہیں جو اسلامی آئین کے نفاذ کے حق میں نہیں ہیں، اور بہت ممکن ہے کہ وہ غیر مسلم اقلیت ہوں یا ان کے آلہ کار۔

۴:......اس رپورٹ سے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ''پاکستانی عوام اسلامی آئین کو پسند نہیں کرتی۔'' جب ہی تو سیکولر قسم کے افراد منتخب ہوکر اسمبلیوں میں پہنچتے ہیں، کیونکہ اگر پاکستانی عوام اسلامی آئین کے نفاذ کو پسند نہ کرتے تو اس رپورٹ میں ۸۶ اور ۸۲ فیصد پاکستانی عوام کی اسلامی آئین سے وابستگی کا اظہار نہ کیا جاتا، اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاکستانی عوام اسلامی اقتدار اور اسلامی آئین کا نفاذ چاہتی ہے، اور وہ صالح قیادت کے لئے دین دار افراد کو منتخب کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے، مگر لادین عناصر چور دروازے سے دھاندلی کے زور پر برسراقتدار آجاتے ہیں اور اسلام دشمن قوتیں ان کی پشت پناہی کرتی ہیں۔

۵:......یہ رپورٹ جہاں امریکہ اور اس کے حواریوں کی ''انصاف پسندی'' اور ''جمہوریت پرستی'' کا پول کھولتی ہے وہاں یہ ان کے منہ پر بدنما داغ بھی ہے کہ وہ اسلام پسند جمہور کے مقابلہ میں ۱۴ فیصد اقلیت کی غوغا آرائی کو جمہور کی آواز سے تعبیر کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ پاکستان کے ارباب اقتدار اور جمہوریت کی دہائی دینے

والے حکمرانوں اور نفاذ اسلام سے پہلو تہی کرنے والوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے کہ وہ ۱۴ فیصد اسلام دشمن اور دین بیزار افراد کے نمائندے ہیں، وہ پاکستانی عوام کی نمائندگی ہرگز نہیں کر رہے، بلکہ وہ کرسی اقتدار تک پہنچنے کے لئے ضرور کسی سہارے سے فیض یاب ہوئے ہیں، ورنہ ۱۴ فیصد عوام کسی طرح انہیں لیلائے اقتدار سے ہم آغوش نہیں کر سکتے۔

۶:......اسی طرح یہ رپورٹ اسلام پسند مسلمانوں کے لئے بھی سرمۂ چشم بصیرت ہے کہ ہماری سادگی سے عیار دشمن کس قدر نفع اٹھا رہا ہے؟ اور اکثریت کے حقوق پر کس طرح ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے؟ دوسرے الفاظ میں پاکستانی اخبارات میں اس رپورٹ کی اشاعت ہی امریکہ بہادر کی جانب سے ہماری غیرت کے لئے چیلنج ہے کہ پاکستان میں حکومت امریکہ کی مرضی سے بنتی ہے، اگر امریکہ چاہے تو ۸۶ فیصد اکثریت کو مسترد کر کے اپنے من پسند لوگوں کو آگے لا سکتا ہے، یہاں فیصلے عوام اور پاکستانی مسلمانوں کی بجائے امریکہ کرتا ہے، ان کی قسمت کا مالک امریکہ ہے، وہ خود کچھ نہیں کر سکتے، بلکہ مسلمان امریکہ کے غلام بے دام ہیں، فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس لئے پاکستانی عوام اور مخلص مسلمانوں کو نفاذ اسلام کے لئے بھرپور جد و جہد کرنا چاہئے اور ایسے حضرات کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہئیں جو واقعتاً ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔

(ماہنامہ بینات ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ)

شعائرِ اسلام
کا تحفظ
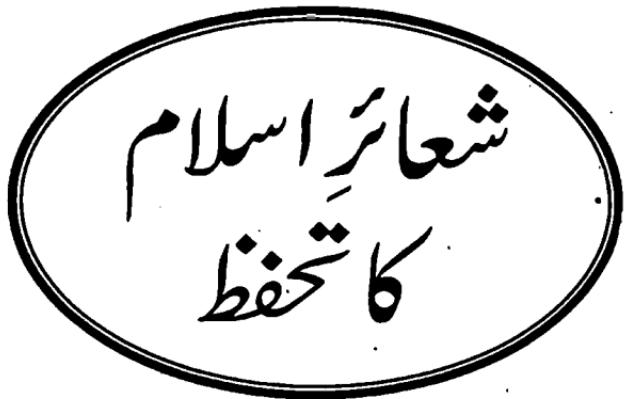
حج ..... عشق کی آخری منزل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے

''قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق، رجع کیوم ولدتہ اُمُّہٗ.''
(صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۰۶)

ترجمہ:...... ''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حج کیا اور دوران حج نہ فحش کا ارتکاب کیا نہ کسی اور گناہ کا، تو یہ شخص ایسا لوٹ کر آئے گا گویا آج پیدا ہوا۔''

''عن ابی اُمامة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یمنعہ من الحج حاجةٌ ظاهرة او سلطان جائر او مرضٌ حابسٌ فمات ولم یحج، فلیمت ان شاء یهودیًا وان شاء نصرانیًا، رواه الدارمی.''

ترجمہ:...... ''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو نہ تو ظاہری محتاجی نے حج سے روکا (کہ وہ مکہ مکرمہ تک جانے کے وسائل نہیں رکھتا تھا) نہ کسی ظالم بادشاہ (کی طرف سے عائد پابندی) نے، اور نہ کسی روکنے والی بیماری نے، اس کے باوجود وہ حج کئے بغیر مرا، تو چاہے یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔" (نعوذ باللہ)

"عن ابن عمر قال قام رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللہ! فما الحاج؟ قال: الشعث التفل، وقام آخر فقال: یارسول اللہ! وما الحج؟ قال: العج والثج......" (ابن ماجہ ص:۲۰۸)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حج کرنے والے کی شان کیا ہونی چاہئے؟ فرمایا اس کا سر پراگندہ ہو اور بدن میل کچیل سے اٹا ہوا ہو۔ دوسرے نے پوچھا، یارسول اللہ! کون سا حج (یعنی اس اعمال میں سے کون سا عمل) سب سے افضل ہے؟ فرمایا: "العج والثج." آواز بلند کرنا (یعنی بلند آواز سے بکثرت تکبیر پڑھنا) اور خون بہانا (یعنی زیادہ سے زیادہ قربانی کرنا)۔"

ان ارشادات میں حج کی فضیلت، اس کے آداب، قدرت کے باوجود حج سے محروم رہنے کا وبال اور حج کے بعض اعمال کو بیان فرمایا گیا ہے۔

حج اسلام کے ارکان میں آخری رکن اور سالکین راہ خدا زندگی کا انتہائے

سفر ہے، حج کو اگر واقعی حج کی طرح کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں تو عبدیت و بندگی کے سارے مرحلے اور عشق و محبت کی ساری منزلیں طے ہو جاتی ہیں، اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ حج کرنے کے بعد آدمی گناہوں کے میل کچیل سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ ''حج مبرور کا بدلہ بس جنت ہے'' اور یہی وجہ ہے کہ حج تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ مکہ، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کے ملانے والے راستوں پر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کے نقش پا ثبت ہیں، اور ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں اس درمحبوب کی چوکھٹ پر ناصیہ فرسائی کی ہے (صلی اللہ علیہم اجمعین)، خدا ہی جانتا ہے کہ اس حرم پاک اور ارض مقدس کو کتنے قدوسیوں کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا ہے، ظاہر ہے کہ زائرین حرم ان سب کی برکتوں دعاؤں اور سعادتوں کو اپنے دامن میں سمیٹتے ہیں۔

یوں تو اسلام کے سارے ارکان عبدیت وفنائیت کا بے مثال مرقع ہیں، لیکن ان میں عشق کے ساتھ پاسبان عقل کا پہرہ بھی رہتا ہے، حج ایسی عبادت ہے جس میں ''لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے'' پر عمل پیرا ہونے کی نوبت آتی ہے۔ حج کی تیاری شروع ہوئی عقل عیار نے طرح طرح کے مشورے دینے شروع کئے، کبھی بال بچوں کی تنہائی کا خوف دلایا، کبھی روپے پیسے کے اتنے بڑے خرچ پر نکتہ چینی کی، کبھی دکان اور کاروبار اجڑ جانے کے اندیشے دلائے، کبھی بچوں کی شادی بیاہ کے شاخسانے کھڑے کئے، کبھی طویل سفر کی صعوبتوں سے ڈرایا، لیکن ایمان، عقل کا ہاتھ جھٹک کر میدان عشق میں کود گیا، اور سود وزیاں کی کوئی منطق اس کے آڑے نہ آئی، وہ یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا:

اجازت ہوتو آکر میں بھی شامل ان میں ہوجاؤں

سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

اجازت ہوئی تو خمار عشق نے عقل وعادت کے سارے قانون توڑ ڈالے، زرق برق اتار، کفن پہن، کوہ و بیاباں میں دیوانہ وار بادیہ پیائی شروع کر دی، سر شوریدہ، پاؤں میں ڈھنگ کا جوتا نہیں، جسم میل و کچیل اور گرد وغبار سے اٹا ہوا ہے، کبھی زور زور سے چیختا ہے، کبھی کسی کے در و دیوار کے چکر لگا تا ہے، کبھی مستانہ وار محبوب کی دہلیز پر پیشانی رگڑتا ہے، کبھی کسی کے آنچل کو چوم کر سر آنکھوں سے لگا تا ہے، کبھی اپنے بخت رسا پر ناز کرتے ہوئے یہ کہتا ہے:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است

ہزار بار بوسہ زنم من دست خویش را

کہ بدامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

جب اس پر بھی محبت کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی تو دیوانے کو ویرانہ پسند آتا ہے، آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل کا رخ کرتا ہے، لیکن عشق کی ہوک ایک جگہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتی، کبھی یہاں، کبھی وہاں، کبھی راتوں رات ادھر سے ادھر، کبھی زیر لب گنگناتا ہے، کبھی دھاڑیں مارتا ہے، کبھی چیختا ہے، کبھی چلاّتا ہے، کبھی روتے روتے گھگھی بندھ جاتی ہے، کبھی دیکھتے دیکھتے آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، زبان عرض مدعا سے گنگ ہوجاتی ہے، دریائے حیرت میں ڈوب جاتا ہے، سارے دن کی آبلہ پائی چیخ وپکار سے بدن کا انگ انگ دکھنے لگتا ہے، ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں لیکن دام

زلف کے اسیر کی قسمت میں آرام کہاں؟ سورج ڈوبتے ہی پھر کسی کی تلاش میں چل نکلتا ہے، اس کی شوریدگی کو دیکھو، اور تو اور آج اس کے لئے نماز کے اوقات بھی بدل گئے، لوگ مغرب کے بعد مسجد کو دوڑتے ہیں اور یہ آشفتہ سر ایک ویرانے سے دوسرے ویرانے کا رخ کرتا ہے، صبحدم تیسری جگہ کبھی ادھر کبھی ادھر بھاگتا ہے، کبھی یہاں، کبھی وہاں کنکریاں مارتا پھرتا ہے، کبھی رضائے محبوب کے لئے جان کے نذرانہ پیش کرتا ہے، اور جب عشق کی کٹاری نے سب کچھ کاٹ ڈالا، وطن چھوڑا، لباس چھوڑا، آبادی چھوڑی، راحت وسکون چھوڑا، نہ کھانے پینے کا ہوش، نہ اٹھنے بیٹھنے کا پتا، بدن سے بدبو کے پھوارے پھوٹنے لگے، سر، بدن میں جوئیں رینگنے لگیں:

''کیا کیا نہ کیا عشق میں! کیا کیا نہ کریں گے!''

تو اچانک محبوب کی صدائے دلربا کانوں میں گونجی: ''یہاں کیا خاک چھان رہے ہو؟ اٹھو، سر، بدن کی صفائی کرو، کپڑے پہنو، آدمی بنو، ہماری زیارت گاہ خاص میں شام تک پہنچ جاؤ۔'' تب اس کے عشق کی آخری منزل آپہنچی، اور کشاں کشاں دیار محبوب کی طرف دوڑ پڑا، جاتے ہی در محبوب کے چکر لگائے اور بے اختیار اس سے لپٹ کر بلبلانے لگا، پھر اپنی داستان غم کیسے سنائی؟ اور کیا کیا سنا؟ یہ کون بتائے؟ اور کس طرح بتائے؟ جس کے ساتھ بیتی وہی جانے:

انجا کرا دماغ کس پر سوز باغبان
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

الغرض حج عبدیت و فنائیت کی آخری منزل ہے، جس کی ساری روح آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں: ''العج والثج'' ہے، چیخنا اور خون بہانا، ہر چیز کا خون، عادات و اطوار کا خون، راحت و آرام کا خون، اوقات و مرغوبات کا خون، جذبات و

خواہشات کا خون، عقل و خرد کے دانشمندانہ مشوروں کا خون اور آخر میں قربانی کے جانور کا خون۔ حج کی یہی روح دانشورانِ خام عقل کی نظر سے مخفی ہے، وہ نکتہ چینی کرتے ہیں کہ صاحب! خواہ مخواہ اتنے سارے جانوروں کو ضائع کرنے کا کیا مطلب؟ اب جن مسکینوں کو وادی عشق کی ہوا ہی نہیں لگی ہو انہیں کیا مطلب سمجھایئے؟ اور پھر ہمارے ان بزرجمہروں کو یہ ساری عقلی خرمستیاں دین اور دینی مسائل ہی میں سوجھتی ہیں، زندگی کے دوسرے شعبوں میں وہ خود اور ان کے خویش قبیلے کے دوسرے لوگ جو فضول خرچیاں کرتے ہیں، ان پر کبھی نظر نہیں جاتی، بلکہ اسے ''ضرورت'' سمجھا جاتا ہے۔

مثلاً سگار نوشی کو لیجئے! ہماری قوم سالانہ کتنے کروڑ روپے کا دھواں اپنے سینے پر جماتی ہے؟ گھروں کی زینت و آرائش پر کتنے ارب روپیہ ضائع کیا جاتا ہے؟ یہی صاحب بہادر جو سو، دوسو روپے کی قربانی کو قومی دولت کا ضیاع فرماتے ہیں، ان کے دفتروں کے سامان آرائش کا جائزہ لیجئے کہ وہ کس طرح قومی دولت کے تحفظ کا ''فریضہ'' انجام دے رہے ہیں، صاحب بہادر بوٹ پہن کر بھی فرش پر نہیں چل سکتے ہیں، اس کے لئے بھی لاکھوں کی قالینوں کا اہتمام ضروری ہے، حد یہ کہ اگر کسی بڑے صاحب بہادر کو ہوائی اڈے پر اترنا ہو تو جہاز سے کار تک قالینوں کا فرش بچھایا جاتا ہے، ہمارے ایک صاحب بہادر کسی زمانے میں ملتان کے دورے پر تشریف لے گئے، انہیں چند گھنٹے وہاں ٹھہرنا تھا، ان کے لئے بیت الخلائ پر پانچ ہزار روپیہ (جو آج کے پچاس ہزار کے مساوی ہے) صرف کیا گیا، اب تو متوسط طبقہ کے معیار زندگی کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں روپے ٹی وی سیٹ جیسی بے کار چیز پر اڑا دیئے جاتے ہیں، لیکن بس

ایک قربانی ان کے نزدیک دولت کا ضیاع ہے:

''بریں عقل و دانش بباید گریست''

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۹/نومبر ۱۹۷۸ء)

حج مبارک و مقبول

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

صدر جنرل ضیاء الحق اور حج وفد کے ممبران اور پاکستان اور دنیا بھر سے تقریباً بیس لاکھ افراد نے حج کی سعادت حاصل کی اور الحمدللہ اس فریضہ کو اچھی طرح ادا کیا۔ حج اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے اور یہ اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جس کو اللہ تعالےٰ عطا فرماتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہزاروں مالدار اشخاص اور حکمران اس سے محروم چلے گئے اور لاکھوں غریبوں کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے سرفراز فرمایا، اس لئے جس شخص کو اسکی توفیق ہوجائے اور وہ اس کو صحیح طور پر ادا کرے، اسے اللہ تعالیٰ کا خوب شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس شخص نے حج ادا کرلیا وہ بیت اللہ سے اس طرح واپس ہوگا جس طرح اب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، یعنی گناہوں سے پاک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمام حجاج کرام کا حج قبول فرمائے، یہ لوگ مبارک باد کے مستحق ہونے کے ساتھ قوم اور ملت کے لئے لائق فخر ہیں کہ انہوں نے عشق کی اس منزل کو بحسن و خوبی انجام دے دیا۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقراٗ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷؍نومبر ۱۹۷۸ء)

ذاتِ نبویؐ پر فلم سازی

کی ناپاک جسارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں پشاور یونیورسٹی میں طلبہ کے دو گروہوں میں تصادم کی خبر شائع ہوئی، جس میں فائرنگ، دست بدست لڑائی اور ایک دوسرے پر پتھراؤ سے ایک درجن کے قریب طالب علم زخمی ہوئے، خبر میں بتایا گیا ہے کہ اس فساد کا منبع آنحضرت ﷺ کے بارے میں وہ انگریزی فلم تھی جس کی نمائش (ممنوع ہونے کے باوجود) یونیورسٹی کیمپس میں کی گئی۔

اگرچہ اس کے بعد اس سلسلہ کی مزید کوئی خبر نہیں آئی مگر یقین ہے کہ معمول کے مطابق اربابِ حل وعقد نے اس کی ''تحقیقات'' کے اقدامات کئے ہوں گے۔

آنحضرت ﷺ اور اسلام کے مقدس شعائر اور شخصیات کو فلم کے پردہ پر لانے کی سازش یہود ونصاریٰ ایک عرصے سے کر رہے ہیں، جن میں اعدائے اسلام کے کئی مقاصد پنہاں ہیں اور ہمیں بصد ندامت اعتراف ہے کہ رفتہ رفتہ ان کی سازشیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔

یاد ہوگا کہ اسلام کے ایک عظیم الشان شعار اور اعلیٰ ترین عبادت کو کھیل تماشے کا موضوع بنانے کے لئے جب پہلے پہل ''حج فلم'' تیار ہوئی تو فرزندان اسلام

نے اس پر سخت احتجاج اور شدید ردعمل کا اظہار کیا، لیکن آج خود اسلامی ممالک ـــ جن میں پاکستان پیش پیش ہے ـــ حج کے مناظر ٹیلی کاسٹ کر کے اس کی فلمیں مسلمانوں کو دکھاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اب انہی فلموں کو ''تقدس'' کی سند بھی مل گئی ہے، مسلمان ان فلموں کو دیکھ کر ''ایمان بالفلم'' تازہ کرتے ہیں، اور کسی بندۂ خدا کو یہ سوچنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اسلام کے ایک مقدس ترین شعار کو کھیل تماشے کا موضوع بنانا اسلام کی توہین اور اعدائے اسلام کے عزائم کی تکمیل ہے ـــ اور اس سے بڑھ کر نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ مسلمانوں کو یہ سمجھانا بھی شاید مشکل ہو کہ اسلام ان لغویات کے خلاف ہے۔

ان تمام امور کے باوجود ابھی تک آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ اور آپؐ کے مقدس رفقاء کو پردۂ اسکرین پر لانا مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھا، اور پاکستان میں مسٹر بھٹو کے دور فساد میں بھی کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کو فلم کی آلودگی سے ملوث کرے، لیکن صد حیف اور ہزار افسوس! کہ فوجی حکومت اور قومی اتحاد کے وزراء کے دور میں اس جسارت کا بھی تجربہ کرلیا گیا، اور یہ صرف اس لئے کیا گیا کہ فوج اور قومی اتحاد کی حکومت کو بدنام کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ خبر بظاہر بالکل معمولی سی ہے، لیکن اس قدر ایمان سوز اور ہوشربا ہے کہ اس کی مذمت کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں، آج اس کے خلاف چند نوجوانوں نے احتجاج کیا ہے، لیکن اگر اس شر کا منہ بند نہ کیا گیا تو ہمیں اندیشہ ہے کہ کل یہ بھی ''حج فلم'' کی طرح ایک مقدس چیز بن جائے گی، جس کے خلاف نہ مولانا احمد شاہ نورانی کو لب کشائی کی اجازت ہوگی، نہ مولانا مفتی محمود کو ـــ نہ شیخ بن باز اس کے خلاف کوئی فتویٰ صادر فرمائیں گے، نہ امام حرم ـــ ولا فعل اللہ ذلک۔

خبر کا سب سے بڑھ کر المناک پہلو یہ ہے کہ یہ حادثہ کسی نگار خانے میں نہیں، بلکہ ایک لائق احترام دانش کدہ میں پیش آیا ہے، تعلیمی اداروں سے یہ توقع ہونی چاہئے تھی کہ وہ علم و دانش کے چراغ روشن کریں گے، اسلامی اخلاق و آداب کی تربیت گاہ بنیں گے، اور نسل نو کی ساخت و پرداخت اسوۂ رسولؐ کے مطابق کریں گے، مگر یہاں گنگا الٹی بہہ رہی ہے:

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

ہمیں حیرت ہے کہ اگر یہ فلم ممنوع تھی تو اس کی نمائش کی جسارت کس نے کی؟ اور کیسے کی؟ ہم اپنے نیک دل، نیک سرشت صدر محترم سے عرض کریں گے کہ اگر انہیں پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا کامیاب تجربہ کرنا ہے تو شر و فساد کے ان دہانوں کے انسداد کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے، جہاں سے بے حیائی، ذہنی آوارگی اور جنسی انارکی کے گندے چشمے ابل رہے ہیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۸ء)

افغانستان اور عالمِ اسلام

سرورِ عالم ﷺ نے امتِ اسلامیہ کے بارے میں فرمایا:

"عن ثوبان رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوشک الامم ان تداعیٰ علیکم کما تداعی الاکلۃ الیٰ قصعتھا. فقال قائل ومن قلۃ نحن یومئذ؟ قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم و لیقذفن فی قلوبکم الوھن. قال قائل یارسول اللّٰہ! وما الوھن؟ قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت.رواہ ابوداؤد."

ترجمہ:......"ایک وقت آئے گا کہ دنیا بھر کی قومیں تمہارے خلاف ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانے کی دعوت پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔" عرض کیا گیا: کیا یہ ہماری قلت تعداد کی بنا پر ہوگا؟ فرمایا: "نہیں! بلکہ تم سیلاب کی جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ دشمن کے دل سے تمہارا رعب نکال دیں گے، اور تمہارے دلوں میں بودا پن پیدا

کردیا جائے گا۔" عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! بودے پن سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: "دنیا سے محبت اور موت سے نفرت۔"

(مشکوۃ ص: ۴۵۹)

ملت اسلامیہ آج جن داخلی و خارجی فتنوں کی لپیٹ میں ہے جس طرح اسلام دشمن طاقتیں ہمارے خلاف سازشیں کررہی ہیں اورجس طرح ہم ان کی سازشوں کا شکار ہورہے ہیں یہ حضور اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی کی کھلی تفسیر ہے۔

ملت اسلامیہ کے اس داخلی انتشار اور بیرونی سازشوں کی آماجگاہ ہونے کی ایک تکوینی وجہ ہے اور وہ ہے اس کا ایک مخصوص مزاج اور خاص مقام، دنیا کی دوسری قومیں حکم الٰہی کی نافرمانی کرتی ہیں مگر ان کی نافرمانیوں کی سزا فوری نہیں دی جاتی، لیکن یہ ملت جب خدا کی نافرمانی کا راستہ اختیار کرتی ہے تو اسے دنیا ہی میں نقد سزا دی جاتی ہے، اقبال مرحوم نے صحیح کہا تھا:

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ھاشمی

آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں یہ مضمون اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

"امتی ھذه امة مرحومة، لیس علیھا عتاب فی الآخرة، انما عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل والبلایا."

(الجامع الصغیر ج:۱ص:۶۵)

ترجمہ:......"میری یہ امت، امت مرحومہ ہے، اس کا عذاب دنیا ہی میں فتنوں، زلزلوں، باہم قتال اور آفات کی شکل میں نمٹا دیا جاتا ہے۔"

اس وقت پورے عالم اسلام پر ایک طائرانہ نظر ڈالیئے، وسائل، افرادی قوت، مال و زر کی فراوانی اور عسکری طاقت جیسی تمام نعمتیں میسر ہونے کے باوجود باہمی انتشار کا شکار، تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرا ہوا نظر آتا ہے۔ اور پھر ایک ایک ملک کا جائزہ لیجئے اتفاق کی نعمت سے محروم ہے، یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تکوینی سزا ہے، ہماری کوتاہیوں کی جو ہم خدا تعالیٰ کے احکام کے بارے میں مسلسل کر رہے ہیں۔

افغانستان صحابہ کرامؓ کے وقت میں اسلام کے زیر نگیں آیا، (کہا جاتا ہے کہ دو صحابیوں کی قبریں وہاں موجود ہیں) اور جب سے اب تک اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اسلام اور شعائر اسلام کی حفاظت میں وہ سب سے آگے تھا۔ لیکن جدید انقلاب سے وہاں دین کے دانشکدے ویران ہیں، مساجد مقفل ہیں، اسلامی شعائر کا ایک ایک نشان مٹایا جا رہا ہے اور ٹھیک وہی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، جو روسی انقلاب کے وقت سمرقند و بخارا میں دہرائی گئی تھی، قائدین اسلام کے خون سے سڑکیں رنگین ہیں، مسلمان وہاں سر بکف اپنے دین وایمان اور عزت و آبرو کی خاطر ان سے لڑ رہے ہیں۔ ان کے پاس نہ توشہ ہے، نہ کھانے کو روٹی ہے۔ نہ کہیں سے کمک پہنچ رہی ہے، نہ رسد۔ پورا ملک میدان کارزار بنا ہوا ہے، اور ان کے حکمران حالات کو قابو میں نہ پا کر ایک طرف روس کو مدد کے لئے پکار رہے ہیں تو دوسری طرف پاکستان اور ایران کو اعلان جنگ دے رہے ہیں۔ افغانستان پر اس وقت جو کچھ گزر رہی ہے اگر دنیا کا ضمیر بیدار ہوتا تو دنیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک سراپا صدائے احتجاج بن جاتی۔ مغرب اور امریکہ بہادر، جو پاؤں میں کانٹا چبھنے پر بلبلا اٹھتا ہے۔ جو مشرقی پاکستان کے بھارت میں پناہ گزینوں پر بے چین ہو جاتا ہے، جو قاتل عوام کی سزائے موت پر اپنے تمام اصول بھول جاتا ہے، وہ افغانستان کے ہزاروں مقتولان جرم بے

گناہی پر اس طرح مہر بلب ہے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس موقع پر نہ کسی کو انسانی ہمدردی کا قانون یاد آتا ہے، نہ اس قتل عام پر اقوام عالم کے سفید چوہدریوں کے ضمیر کو خلش محسوس ہوتی ہے، نہ اقوام متحدہ کا منشور کسی کو یاد رہتا ہے، نہ امن عالم کی تنظیموں کو اپنا ''فرض ادا کرنے کی توفیق ہوئی ہے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمانوں کو اسلام کے جرم کی سزا مل رہی ہے اور ان ''بڑوں'' کے نزدیک وہ اسی سزا کے مستحق ہیں۔

شکایت ان اعدائے اسلام سے نہیں! شکایت عالم اسلام کے قائدین اور ارباب اقتدار سے ہے۔ افغانستان پورے عالم اسلام کے سامنے ایک سوالیہ نشان بنا ہوا ہے، عالم اسلام پر ان افغانستان کے نہتے مسلمانوں کی طرف سے کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟ بتایئے خاموش تماشائی کے سوا اب تک ہم نے اس سلسلہ میں کیا کردار ادا کیا ہے؟

افغانستان کے ہزاروں مہاجرین پاکستان میں پناہ گزین ہیں، پاکستان جو خود اپنے مسائل سے نبرد آزما ہے۔ اس کے لئے افغان مہاجرین کی آمد کا سلسلہ ایک مستقل مسئلہ بن گیا ہے۔ پاکستان نہ پاک افغان سرحدوں کو بند کرسکتا ہے، نہ افغان حکومت اپنے شہریوں کو واپس بلاتی ہے، نہ پاکستان ان مظلوموں کو زبردستی سرحد پار دھکیل سکتا ہے، نہ مستقل طور پر ان کے مصارف کا بارگراں برداشت کرسکتا ہے، نہ ہماری حکومت اپنے محدود وسائل سے بڑھ کر ان بے کسوں کی خوراک وضروریات کا انتظام کرسکتی ہے، لیکن افغان مہاجرین کا مسئلہ تنہا حکومت پاکستان کے برداشت کرنے کا نہیں، پاکستان کے ان تمام شہریوں کا، جن کو خدا تعالیٰ نے ہمت واستطاعت دی انہیں ان کی طرف سبقت کرنی چاہئے اور عالم اسلام کو بھی اس مسئلہ کی طرف فوری

توجہ مبذول کرنی چاہئے۔

افغانستان کی خانہ جنگی میں پاکستان نے جو برادرانہ اور شریفانہ رویہ اختیار کیا ہے، افغان حکمرانوں کو اس پر پاکستان کا ممنون احسان ہونا چاہئے تھا، مگر افسوس ہے کہ اسے اس شرافت کا جواب دھمکیوں کی شکل میں مل رہا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کابل کے حکمران خود نہیں بول رہے بلکہ ان کے منہ سے بڑی طاقتوں کی آواز سنائی دے رہی ہے اور یہ پاکستان کے لئے ایک نئی آزمائش ہے، کیا ہم اس آزمائش پر پورا اتریں گے؟ مستقبل ہمارے سیاسی قائدین کے فہم و تدبر اور بالغ نظری سے متعلق سوال کا جواب طلب کر رہا ہے، حق تعالیٰ شانہ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے، اور ہمارے وطن عزیز کو اغیار کی دست بُرد سے محفوظ رکھے۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۴ر مئی ۱۹۷۹ء)

درست مگر ناکافی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت کی جانب سے ہدایت کی گئی ہے کہ رمضان مبارک کے احترام میں وقت افطار سے لے کر تراویح کے اختتام تک سینما بند رکھے جائیں۔

یہ ہدایت بہت مناسب اور درست ہے مگر بے حد ناکافی، اول تو اگر سینما کے مشاغل رمضان مبارک کے تقدس و احترام کے منافی ہیں تو ان کو پورا مہینہ بند رکھنا، ماہ مبارک کا احترام بجالانا ہی ہمارا فرض ہونا چاہئے، دوسرا یہ حکم صرف سینما تک ہی کیوں محدود ہے اس کا اطلاق ٹیلی ویژن پر بھی ہونا چاہئے اور چونکہ یہ ادارہ خود حکومت کی تحویل میں ہے اس لئے جن اوقات میں سینماؤں پر پابندی ہے کم از کم ان اوقات تک ٹیلی ویژن پر بدرجہ اولیٰ پابندی ہونی چاہئے، کیونکہ ان اوقات میں اگر ٹیلی ویژن چلتا رہے تو سینماؤں پر پابندی بھی بڑی حد تک غیر موثر ہوکر رہ جاتی ہے، اس لئے ایسے لوگ سینماؤں کے بجائے اس کا رخ کریں گے، عام نمازوں خصوصاً تراویح میں ٹیلی ویژن سینما سے بھی بڑھ کر رکاوٹ ہے، علاوہ ازیں محرم کے دنوں میں ریڈیو سے بھی گانوں اور نغموں کے پروگرام بند کردیئے جاتے ہیں، اگر ہمارے دل میں رمضان مبارک کا کما حقہ احترام ہے تو کیا رمضان مبارک اس بات کا بھی مستحق نہیں کہ اس کے بابرکت لمحات کو ان گندگیوں سے پاک رکھا جائے؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳ر اگست ۱۹۷۹ء)

حاجیوں کے لئے نظامِ امارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومت نے حاجیوں کی تنظیم و تربیت کے لئے ہر ضلع میں کچھ "امیر" اور "امیر اعلیٰ" نامزد کئے ہیں اور وزارت مذہبی امور کی جانب سے ضلعی انتظامیہ کو ہدایت جاری کی گئی ہے کہ ان "امیر" اور "امیر اعلیٰ" صاحبان کی تربیت کا فوری بندوبست کریں اور یہ صاحبان عازمین حج کو روانگی سے قبل تربیت دیں گے۔

حاجی صاحبان کی تنظیم و تربیت بہت ہی مبارک کام ہے اور اس کی شدید ضرورت ہے، کیونکہ بدنظمی اور تربیت کے فقدان کی وجہ سے حاجی صاحبان کا بہت سا قیمتی وقت غیر ضروری امور پر ہی صرف نہیں ہوتا، بلکہ بعض بے چارے فرائض تک میں کوتاہیاں کرتے ہیں، اور مناسک بھی صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتے، مگر اس نظام کی کامیابی کا انحصار دو چیزوں پر ہے، ایک یہ کہ حجاج کی قیادت و راہنمائی اور تربیت کے لئے موزوں افراد کا انتخاب کیا جائے، جو علم و تقویٰ، تجربہ و بصیرت، ہمت و طاقت اور صبر و تحمل کے اوصاف میں ممتاز ہوں، دوم یہ کہ ہماری قوم کو "اطاعت امیر" کی شرعی اہمیت و ضرورت کا صحیح احساس دلا کر اسے اس کی باقاعدہ تربیت دی جائے، اگر ان دونوں باتوں کو بشدت ملحوظ نہ رکھا گیا تو یہ نظام مزید الجھنوں اور بدمزگیوں کو بھی جنم دے سکتا ہے، اس لئے "امیر" اور "امیر اعلیٰ" صاحبان کی تربیت کے بجائے ضرورت اس بات کی تھی کہ تربیت یافتہ اور سرد و گرم چشیدہ حضرات کو اس خدمت کے لئے

منتخب کیا جاتا، البتہ تجدید یاد داشت کے لئے ان کو ان کے فرائض کی یاد دہانی ضروری ہے، اگر اس چھوٹی سی سطح پر ''امارت'' کا نظام کامیاب ہوجائے اور قوم کو اس کی اس قدر تربیت دی جائے کہ یہ نظام اس کا مزاج بن جائے، تو یہ اونچی سے اونچی سطح تک ''امارت و خلافت'' کے قیام کا زینہ بن سکتا ہے، مگر اس کے لئے بڑے ریاض اور بڑے مجاہدہ و نفس کشی کی ضرورت ہے، دنیا میں سب سے مشکل کام یہی ''فرائض امیر'' اور ''اطاعت امیر'' ہے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳/اگست ۱۹۷۹ء)

عازمینِ حج کا مسئلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پچھلے دنوں حکومت پاکستان نے حج پالیسی کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ جو لوگ درخواست جمع نہیں کرا سکے اور ان کے کوئی رشتہ دار یا احباب ملک سے باہر ہیں اور ایسے افراد حج پر جانا چاہیں تو وہ باہر سے پیسہ منگالیں، تو ان کو حج پر جانے کی سہولت ہوگی اور اس کے لئے جو لوگ ۳۱ر جولائی تک اس سہولت سے فائدہ اٹھاسکیں ان کو اسٹیٹ بینک حج پر جانے کی اجازت دے گا، یہ اسکیم حج پر جانے والے خواہش مند حضرات کے لئے بھی باعث سہولت تھی اور حکومت کے لئے بھی فائدہ مند، کیونکہ اس طرح سے قیمتی زر مبادلہ کے حصول کا بھی امکان تھا اور زیادہ افراد کے لئے فریضہ حج پر روانگی کی بھی سہولت تھی، ابتدائی طور پر حکومت نے سات ہزار افراد کے لئے یہ سہولت رکھی اور تاریخ سے پہلے مقدار پوری ہونے کی بنا پر اس میں تین ہزار کا اضافہ کردیا گیا مگر اس کے باوجود ۳۱ر تاریخ کے اندر اندر درخواستیں دینے والوں کی تعداد اس دس ہزار کے کوٹہ سے بھی تجاوز کرگئی اور اب ایسے لوگ جو اس کوٹہ سے زیادہ ہیں، بے حد پریشان ہیں، اول تو حج ایک عبادت ہے اس پر ویسے بھی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے، لیکن حکومت کی بھی کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں اور اس کا بھی لحاظ ضروری ہے، مگر

یہ لوگ تو ایسے ہیں جن کی بنا پر حکومت کو فائدہ بھی ہے یعنی قیمتی زرمبادلہ حاصل ہو رہا ہے، اور ان لوگوں نے وہ رقوم تاریخ کے اندر اندر باہر سے منگوالی ہیں، اس لئے ان کے بارے میں حکومت کا کم ازکم یہ اخلاقی فرض ضرور ہے کہ وہ ان کے لئے انتظام کرے اور ان کی تکلیف اور مایوسی کو رفع کرے، اگر پی آئی اے کے جہازوں میں ان لوگوں کے لئے گنجائش نہیں تو دوسرے کرایہ کے جہازوں کا بندوبست کیا جائے کہ وہ ان حاجیوں کی آمد و رفت کا بندوبست کرے تا کہ ان پریشان حال لوگوں کی تکلیف کا ازالہ ہو سکے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۷راگست ۱۹۷۹ء)

افغان مجاہدین یا باغی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افغانستان میں آج کل ایک کمیونسٹ حکومت کا قبضہ ہے اور اس نے مسلمانوں پر اور خصوصاً علماً کرام اور دیندار طبقہ پر ظلم ڈھا رکھا ہے، شعائر اسلامی کو پامال کرنے کی سعی کی جارہی ہے اور اس بات کی حتمی کوشش کی جارہی ہے کہ افغانستان سے اسلام کا نام ونشان تک مٹا دیا جائے اور ملک کو مکمل طور پر لادین اور سوشلسٹ ملک بنادیا جائے، اس مقصد کے لئے روس کی جانب سے موجودہ غیر اسلامی حکومت کو ہر طرح کی مدد حاصل ہے، اس کے مقابلہ میں افغانستان کے علماً کرام اور دیندار اور مسلمان طبقہ ہے جو حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہے کہ افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آجائے، موجودہ لادین اور سوشلسٹ حکومت کا خاتمہ ہوجائے۔ اس سلسلے میں افغانستان کے علماً اور دیندار عوام ایک صبر آزما اور طویل جدوجہد میں مصروف ہیں اور عالم اسلام کے تمام علماً کرام اور حکومتوں نے ان اسلامی مجاہدین کی کوشش اور سعی کو جہاد قرار دیا ہے، اور تمام عالم اسلام کے مسلمانوں پر فرض عائد کیا ہے کہ وہ بین الاقوامی قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے دینی بھائیوں اور مجاہدین کی جس طرح بھی امداد کرسکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں، اس لئے کہ یہ امداد ان کا مذہبی اور اخلاقی فریضہ ہے، مگر افسوس کہ مسلمانوں کے میر جعفرؔ اور صادقؔ جیسے غداران، افغانی مجاہدین اور مہاجرین کو بھگوڑوں اور باغیوں کے نام سے پکارتے

ہیں، اور ان کی امداد اور تعاون کو غلط نگاہ سے دیکھتے ہیں، ہم ان عناصر سے انتہائی مؤدبانہ طور پر گزارش کرتے ہیں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، پھر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر وہ تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہے تو دوسرا بھائی اس کی امداد کرے، بجائے اس کے کہ اس کو باغی اور بھگوڑے کے لقب دے، کیا ایران میں جب اسلامی انقلاب کے لئے کوشش کی گئی تو ہم مسلمانوں نے ان کو اپنے تعاون کا یقین نہیں دلایا؟ افغانی مجاہدین بھی تو اسلامی جہاد میں مصروف ہیں اگر ہم ان کی امداد نہیں کرسکتے تو کم از کم ان کو باغی اور بھگوڑے جیسے الفاظ سے تو نہ نوازیں، ورنہ مسلمانوں اور اسلام دشمن عناصر میں کیا فرق رہ جائے گا؟

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۱/اگست ۱۹۷۹ء)

فوجی تیاری سے غفلت

اسلامی تعلیمات کے منافی ہے

نماز اور روزہ کی فرضیت کی طرح جنگی تیاری بھی فرض ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۶/ستمبر ۱۹۶۵ء پاکستانی قوم کے لئے ایک یادگار دن ہے اس دن پاکستانی فوج نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جو تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا اور اس کارنامہ پر پاکستانی افراد کا سر ہمیشہ فخر سے بلند رہے گا۔ اس دن پاکستانی افواج نے اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن کے مقابلے میں فتح حاصل کی اور اپنے ملک کو دشمن کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لئے جان کی بازی لگادی بالآخر اس کے جذبۂ ایمانی کے آگے دشمن کی کثرت اور اس کے جدید ہتھیار ماند پڑگئے اور فتح آخرکار ایمان والوں اور حق والوں کو حاصل ہوئی۔

اگر ہم اسلامی تعلیمات اور تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو اس میں ہمیں دشمن کے مقابلہ میں جنگی سامان کی تیاری کا حکم بطور فرض دیا گیا ہے اور کسی بھی مرحلہ پر مسلمانوں کے لئے یہ حکم نہیں کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں جنگی تیاری میں کمی کریں۔ اگر دشمن کے پاس جدید وسائل مہیا ہیں تو اسلامی حکومت کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے دفاع اور بقاء کے لئے اسی قسم کے ہتھیار حاصل کرے اور اگر یہ حکومت اس سلسلہ میں کوتاہی کرتی ہے، تو اسلامی تعلیمات کے برعکس کام انجام دیتی ہے۔ قرآن مجید میں

ارشادِ ربانی ہے:

"يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ." (الانفال:٦٥)

ترجمہ:...... "اے نبی! آپ مسلمانوں کو لڑائی کے لئے تیار کیجئے۔ (تیاری کا کام آپ کا ہے باقی فتح ہم نے دینی ہے) کہ اگر آپ بیس اچھے صابر مسلمان تیار کریں گے تو ہم ان بیس کو دو سو کفار پر غالب کریں گے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ واضح طور پر اپنے پیغمبر ﷺ کو یہ حکم فرما رہے ہیں وہ دشمن کے مقابلہ میں اپنے آپ کو جنگی ساز و سامان سے مسلح کریں اور اس بات کی طرف نہ دیکھیں کہ فتح ہوگی یا شکست؟ بلکہ ان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حالات کے مطابق مسلح کریں۔ باقی میدان جنگ میں آنے کے بعد فتح و شکست کا ذمہ دار خدا ہے۔ اور یہ ہدایات خدا تعالیٰ نے صرف ایک ہی آیت میں نہیں دی ہیں بلکہ قرآن مجید میں اکثر جگہ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے اور باقاعدہ جنگی ہدایات دی گئیں ہیں اور کسی بھی مرحلہ میں کمی کوتاہی کی اجازت نہیں دی گئی اور پھر حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ اور آپ ؐ کا عمل اس سلسلے میں مسلمانوں کے لئے حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔

جنگ بدر کو دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے دشمن کی آمد کی خبر سنکر اسی وقت صحابہ کرام ؓ کو جمع کیا اور جس طرح ہوا ان کو مسلح کر کے میدان جنگ میں تشریف لے گئے، اس کے بعد خدا تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ ہمارے بس میں جو تھا وہ ہم نے کر دیا اب اسلام کے ماننے والے تیرے سامنے ہیں تیری مرضی ہے جو چاہے کر! خدا تعالیٰ

نے فتح سے ہمکنار کیا۔ جنگ احد میں آپ نے تیاری کی اس طرح مورچہ بندی اور صف بندی کی، کہ آج بڑے سے بڑا جنرل وہاں جاکر آپ کی جنگی تدبیر پر حیران ہوجاتا ہے۔ جنگ حنین میں آپؐ نے باقاعدہ چندہ کیا اور اس سے دشمن کے مقابلے کے لئے ساز وسامان خرید اگیا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ صحابہ کرام سے ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ نیزہ بازی اور تلوار زنی اور سواری کی خوب مشق کیا کرو اور اپنے بچوں کو بھی اسی کی تربیت دو تاکہ کھیل کا کھیل اور دشمن کے مقابلہ میں تم مضبوط رہ سکو۔ اور یہ چیز صرف نبی آخرالزماں کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سوانح پر نگاہ ڈالیں تو وہاں بھی آپ کو یہ چیز ملے گی کہ وہ اپنے لشکر کو ہر وقت دشمن سے مقابلہ کے لئے تیار رکھا کرتے تھے، کسی بھی مرحلے میں انھوں نے اس سلسلے میں سستی اور کمی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد مسلمانوں نے کسی بھی لمحہ اس بارے میں غفلت نہیں برتی، بلکہ حضور ﷺ کی وفات کا غم ابھی تازہ تھا اور اس وقت اس حالت میں بھی نہیں تھے کہ وہ کسی جگہ لشکر کشی کرسکیں مگر پیغمبر خدا ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہؓ کے لشکر کی روانگی میں ذراسی بھی تاخیر گوارا نہیں کی اور جلد از جلد ان کو دشمن کے مقابلہ میں تیار کرکے بھیجا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو اس سلسلے میں بہت ہی زیادہ توجہ دی اور اُنہوں نے باقاعدہ فوج اور لشکر کے لئے ایک محکمہ قائم کیا اور باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ صف بندی اور اس کو مسلح کرنے پر زور دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان پوری دنیا پر چھاگئے اور تمام علاقہ مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔ اس کے بعد بھی سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہما اور اس کے بعد کے دوسرے خلفائے کرام نے اس سلسلے میں بھرپور توجہ دی اور کسی بھی لمحہ اس میں غفلت کا مظاہرہ

نہیں کیا۔ ان کی اتنی اہمیت ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان میں کام آنے والوں کو شہادت کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ اس میں زندہ واپس آنے والوں کے لئے غازی کا درجہ عطا فرمایا اور اس کے ساز و سامان میں حصہ لینے والوں کے لئے جنت کی خوشخبری بھی عطا فرمائی، اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی ہے کہ ہر قوم اور ہر مذہب والوں کی بقاء اسی میں ہے جس وقت تک قوم اپنے آپ کو دشمن کے مقابلے میں مضبوط اور توانا رکھے گی تو وہ قوم اپنا وجود برقرار رکھے گی اور کسی ایسے مرحلے پر کسی قوم نے اپنے آپ کو دشمن کے مقابلے میں جنگی تیاری سے غافل کر دیا تو اس قوم کو دشمن بہت جلدی ہڑپ کر لے گا۔

اس کی تاریخ میں بے شمار مثالیں موجود ہیں، مسلمانوں نے جب تک اس طرف سے غفلت نہیں کی تھی وہ تمام دنیا پر غالب آتے رہے اور جب عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر وہ جنگی تیاری سے غافل ہو گئے تو دنیا سے ان کا نام و نشاں تک مٹ گیا۔ اسپین اور فلسطین کی زندہ مثالیں اب تک موجود ہیں اور دور کیوں جائیے اس وقت کے حالات ہی کو لیجئے، مسلمان کس تکلیف دہ اور کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں، پوری دنیا میں اگر کوئی قوم ذلت اور خواری کے گڑھے میں پڑی ہے تو وہ مسلمان قوم ہے۔ نہ اس کے پاس جنگی ساز و سامان تیار کرنے کی فیکٹریاں، نہ اس کے پاس طیارے بنانے کے کارخانے اور نہ ہی کوئی مسلمان ملک ایسا ہے جس کے پاس ایٹمی طاقت ہو، اور اس کے مقابلہ میں دشمن ہر طرح سے تیار ہے وہ ہر قسم کے اسلحہ بناتا ہے اور نئے اسلحہ کے مقابلے میں پرانہ اسلحہ مسلمانوں کو بہت زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان وقت کے ساتھ ان کا محتاج اور ان کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کی جنگ ہو یا برصغیر میں کشمیر کا مسئلہ، ہر جگہ مسلمان ذلیل شرائط قبول کرنے کے لئے مجبور ہے۔

اس لئے ستمبر کی ٦ر تاریخ ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ ہم کب تک غفلت میں پڑے رہیں گے، ہم نے ستمبر میں غفلت سے کچھ پردہ اٹھایا تو فتح حاصل کی مگر اپنی مستقل کمزوری کی بنا پر غلط شرائط پر صلح کرنے پر مجبور ہوئے مگر پھر بھی ہمیں ہوش نہ آیا اور جنگی سازوسامان کی طرف ہم نے کوئی توجہ نہیں دی اور دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہم اپنے ملک کا ایک حصہ دشمن کے قبضہ میں دے بیٹھے، مگر حیف کہ پھر بھی ہمیں ہوش نہیں آیا اور اس طرح غفلت کی وادیوں میں پڑے ہیں۔ کیا ہم نے صرف نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہی کو اسلام سمجھ لیا ہے؟ کیا اسلام کی دیگر تعلیمات زیادہ اہم نہیں ہیں؟ آخر اسلام کی یہ بھی تو تعلیم ہے کہ دشمن کے مقابلے میں اپنے آپ کو تیار کرو۔ پوری کافر دنیا ہماری دشمن ہے کشمیر ہو یا مسئلہ فلسطین یا کسی اور اسلامی ملک کا مسئلہ تمام دنیا دشمن اور کافر کا ساتھ دے گی۔ اگر ہمارا کوئی حامی اور ناصر ہے تو وہ صرف اور صرف خدا ہے اور خدا کا یہ حکم ہے کہ ہم اپنی طاقت اور وسعت کے مطابق اپنے آپ کو دشمن کے مقابلہ میں تیار کریں، دشمن بم بناتا ہے تو تم بھی بم بناؤ، اگر دشمن جنگی طیارے بناتا ہے تو تم بھی اس کے لئے کوشش کرو، اگر دشمن کے پاس ایٹم بم ہے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ ایٹم بم بناؤ، جس طرح کا اسلحہ دشمن بنائے گا اس طرح کا اسلحہ بنانا تمہارے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسا نماز پڑھنا، اس میں کوتاہی قیامت کے دن قابل گرفت ہوگی اور تم اس سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکو گے، اس سلسلے میں کسی کے دباؤ یا دھمکی میں نہ آؤ۔

ہم صدر جنرل ضیاء الحق صاحب سے درخواست کریں گے کہ جس طرح انھوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی ضرور حاصل کریں گے، لیکن ایٹم بم بنانے کا ارادہ نہیں رکھتے، یہ بات صحیح نہیں، اور اسلامی اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔

آپ پاکستان بھر کے علماٗ کرام اور مفتیان کرام کو جمع کر کے پوچھ لیں کیا موجودہ صورت میں ایٹم بم بنانا ہمارے لئے ضروری نہیں؟ اگر وہ ضروری قرار دیں تو پھر کسی دباؤ اور دھمکی میں آنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس ضروری چیز سے اپنے آپ کو مسلح کرلیں۔ اگر ہم نے یہ کام کرلیا اور اس کی طرف قدم اٹھایا، بلکہ صرف زبانی جمع خرچ سے کام نہیں لیا تو ہم صحیح معنوں میں ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے شہیدوں کی روح کو خوش کرسکیں گے اور اسلامی تعلیمات کو بھی اپنا سکیں گے اور اگر ہم نے اس سلسلے میں کوتاہی کی تو ہم ان شہیدوں کے سامنے اور قیامت کے دن حق تعالیٰ کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ ہوں گے، خدا تعالیٰ ہماری مدد فرمائے اور جب یہ جنگی تیاریاں مکمل ہوجائیں تو پھر ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور اس سے دعائیں مانگنے کی ضرورت کہ وہ ہمیں دشمن کے مقابلہ میں کامیاب فرمائے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۶ / دسمبر ۱۹۷۹ء)

حرم کعبہ کا سانحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۰/نومبر کو منگل کے دن حرم کعبہ میں ایک سانحہ پیش آیا' (جس میں چند مسلح افراد نے میت کے بہانے حرم شریف میں اسلحہ لے جا کر حرم کے دروازے بند کر کے گویا حرم پر قبضہ کر لیا اور وہاں موجود متعدد حکومتی اہل کاروں کو قتل اور تشدد کا نشانہ بنایا' جبکہ عام حجاج کو مسجد حرام سے نکلنے دیا)' اس واقعہ کی صحیح اور مکمل تفصیلات ابھی تک منظر عام پر نہیں آئیں، خدا کا شکر ہے کہ پانچ دن بعد ان ملحدین کا صفایا کر دیا گیا ہے، اور حرم شریف کا تقدس بحال کرنے میں کامیابی ہوئی ہے، اس سانحہ سے پورے عالم اسلام اور دنیا بھر کے مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ جانا ایک فطری بات تھی، ہر مسلمان کی خواہش ہے کہ اس سانحہ کی تفصیلات اور اس کا پس منظر سامنے آئے، ہمیں توقع ہے کہ سعودی حکومت اس سلسلے میں ایک مفصل رپورٹ شائع کرے گی، اور دنیا بھر کے مسلمان جو سیمابی کیفیت میں گوش برآواز ہیں انہیں صحیح تفصیلات مہیا کر کے مطمئن کرے گی، حادثہ کے ظاہری اسباب جو کچھ بھی ہوں وہ تو سامنے آ ہی جائیں گے، مگر ضروری امر یہ ہے کہ اس کے چند باریک پہلوؤں کا مطالعہ لازمی کیا جائے، جنہیں ہمارے نزدیک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

اسلامی عقیدے کے مطابق کعبۂ مشرفہ عظمت خداوندی اور تجلیات الٰہی کا مرکز ہے، آسمان سے رحمت الٰہی کا نزول سب سے پہلے بیت اللہ شریف پر ہوتا ہے، اور پھر وہاں سے پورے عالم میں اس کی تقسیم ہوتی ہے، بیت اللہ شریف کا کسی سانحہ

سے دوچار ہونا اللہ تعالیٰ کی شدید ترین ناراضی اور اس کے غضب کی علامت ہے، اور امت مسلمہ کی بدعملیاں جو غضب الٰہی کو دعوت دے رہی ہیں، اور جن کا زور اب حرمین شریفین کی طرف بڑھ رہا ہے، وہی اس سانحہ کا اصل باعث ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ بیت اللہ شریف کو کوئی ناگہانی حادثہ اسی وقت پیش آیا جب کہ انسانی بدعملی کا پیمانہ لبریز ہوکر چھلک پڑا۔

۲:...... دنیا میں اگر کوئی خطۂ امن ہے تو وہ حرم کعبہ ہے، جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے، "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا" اور جس کی عزت و حرمت قبل از اسلام بھی محفوظ رہی، اگر باپ کا قاتل بھی حرم میں پناہ گیر ہوا، تو اسے بھی وہاں نہیں چھیڑا گیا، بلکہ اس پر آب و دانہ بند کرکے اسے حرم سے باہر نکلنے پر مجبور کیا گیا، لیکن ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ عین اس وقت جب کہ صدی کا آخری سال شروع ہو رہا تھا چند ملحدین نے حرم مقدس کے امن کو پامال کیا، اور اسے معرکہ کارزار میں تبدیل کردیا، حرم شریف کو خون سے رنگین اور بول و براز سے ملوث کیا، انا للہ و انا الیہ راجعون، سطح بینوں کے لئے یہ ایک وقتی سانحہ ہوگا، لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ روئے زمین پر بسنے والی پوری انسانیت کے امن کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے، جس شروع ہونے والے سال کا پہلا دن حرم کعبہ کے لئے بدامنی کا پیغام لے کر آیا ہے، اس میں روئے زمین کے کسی اور خطے میں امن کیسے قائم رہے گا؟ اس لئے جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے وہ صرف حرم شریف کی بے حرمتی ہی کے مجرم نہیں، بلکہ انہوں نے پوری دنیا کے امن کو آگ لگانے کی کوشش کی ہے، اس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سانحہ بے حد مہیب اور خطرناک شکل میں سامنے آتا ہے، یہ تو حق تعالیٰ شانہ کے علم میں ہے کہ پردۂ مستقبل میں کیا پوشیدہ ہے؟ اس سانحہ کو اولاد آدم کے لئے ایک تنبیہ، ایک سرزنش

اور خطرہ کا الارم ضرور تصور کرنا چاہئے، اور اس خطرے سے بچاؤ کی تدبیر بھی صرف رجوع الی اللہ اور اپنے اعمال کی اصلاح ہے، ورنہ ظاہری اور مادی تدبیروں سے آسمانی عذاب کو نہیں ٹالا جاسکتا۔

۳:...... یہ سانحہ اس وقت پیش آیا ہے جب دنیا بھر کے اسلامی ممالک میں پندرھویں صدی کے ''جشن استقبال'' کی دوسالہ تقریبات کا سلسلہ شروع کیا جارہا تھا، یہ سانحہ اس پر بھی تنبیہ ہے کہ اس قسم کے ''جشن'' اور یہ نمائشی تقریبات اسلام کے مزاج سے کوئی میل نہیں کھاتے، یوں تو ہماری زندگی کے بہت سے طور و اطوار لائق اِصلاح ہیں، لیکن جو کام خالص اسلام کے نام پر اور اسلام ہی کی سربلندی کے لئے کیا جائے کم از کم اس کو تو اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ ہونا چاہئے۔ اسلام، اس طرح کے جشنوں سے، تقریبات سے، کانفرنسوں سے، مقالوں اور رسالوں سے سربلند نہیں ہوتا، اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کا راز اس میں ہے کہ بغیر کسی نام ونمود اور نمائش و آرائش کے اسلام کے احکام اور اس کی تعلیمات کی شدت سے پابندی کی جائے، یہاں تک کہ ہر مسلمان کا ناک نقشہ، طور طریق اور عقیدہ وعمل اسلام کی طرف انسانیت کی کشش کا ذریعہ بن جائے، بدقسمتی سے عالم اسلام اور اس کے رہنما شدید تضاد کا شکار ہیں، ایک طرف ''اسلام، اسلام'' کا نعرہ پوری بلند آہنگی سے بلند کیا جارہا ہے، اور دوسری طرف عملی زندگی اسلام سے صفر نظر آتی ہے، قول وفعل کا یہ تضاد بھی غضب الٰہی کو دعوت دیتا ہے، خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لِمَا تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ.
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ.'' (الصف:۲)

ترجمہ:...... ''اے ایمان والو! تم کیوں کہتے ہو وہ بات

جو کرتے نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید ناراضی کا باعث ہے

یہ امر کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔"

۴:......سرزمین حرم انسانیت کا ملجا و ماویٰ ہے، اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے "مرکز ثقل" کی حیثیت رکھتی ہے، مگر یہ ساری کشش و رعنائی محض اس کے مصدر ایمانی اور مرکز روحانیت ہونے کی بنا پر ہے، اس لئے قرآن کریم نے بھی اس کا تعارف ــــ "وادیٔ غیر ذی زرع" کی حیثیت سے کرایا ہے یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں دولت کی ریل پیل سے پہلے دنیا طلبی کے لئے کوئی شخص اس طرف کا رخ نہیں کرتا تھا، لیکن جب سے عرب کی زمین سیال سونا اگلنے لگی ہے، اس کیفیت میں نمایاں تبدیلی پیدا ہونا شروع ہوئی، اب انسانوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ دنیا طلبی کی خاطر وہاں کا رخ کرتے ہیں اور باہر سے لیلائے دنیا کے عشق میں جانے والوں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں وہاں جاکر ذوق عبادت تو کیا نصیب ہوتا، حرم محترم کے تقدس و حرمت کا بھی کماحقہ لحاظ نہیں کرتے۔

ادھر یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو تعیش پسندی کی چاٹ لگانے کے لئے وہاں سامان عیش کے انبار لگا دیئے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف وہاں رہ کر لوگ داد عیش دینے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہاں سے واپس آنے والے حجاج کرام اور زائرین بھی وہاں سے دنیا ہی کا کوڑا اکٹھا کر کے لاتے ہیں، یہ صورت حال اہل قلوب کے لئے ایک مدت سے خطرہ کی علامت محسوس ہو رہی تھی مگر افسوس ہے کہ اس "ذوق" میں کمی نہیں ہوئی، بلکہ یہ بڑھتا ہی چلا گیا، جب مسلمانوں نے اپنی حماقت سے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے مقدس خطے کو بھی پیرس اور لندن کے بازاروں کا ہم شکل بنادیا، اور یہ دنیا طلبی کی کیفیت "مرکز تجلیات الٰہی" کو منہ دکھانے لگی تو حق تعالیٰ شانہ

نے اس حادثہ کی شکل میں تنبیہ اور سرزنش فرمائی، یہ ایک ابتدائی سرزنش ہے اگر صورت احوال میں تبدیلی نہ ہوئی تو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مزید عتاب وعقاب کا خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے۔

۵:......سعودی عرب میں دولت کی ریل پیل کا اثر صرف یہی نہیں ہوا کہ اس مقدس ترین روحانی مرکز کو مادی مرکز بنالیا گیا، بلکہ اس کا ایک اثر خود سعودی باشندوں خصوصاً وہاں کے سربرآوردہ افراد پر بھی ہوا کہ ان میں وہ کمزوریاں در آئیں جو مال و دولت کی فراوانی کا فطری نتیجہ ہیں، الحمدللہ کہ سعودی عرب میں اسلامی قانون رائج ہے، اور وہاں کے حضرات بہت سی دینی خدمات بھی بجالا رہے ہیں، لیکن دولت کا سیلاب ان اخلاق و اوصاف کو بہا کر لے گیا ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہیں، ریڈیو، ٹیلیویژن کے نغمے عین حرم کے سامنے سنے جارہے ہیں، مرد و زن کا اختلاط ایک وبائی شکل اختیار کررہا ہے، اور اسلام جس ہمدردی، جس ایثار، جس سادگی اور جس قناعت کی تعلیم دیتا ہے وہ دن بدن ناپید ہوتی جارہی ہے، خدانخواستہ یہ مادیت کا سیلاب اگر اسی رخ بہتا رہا تو اسلام کی روح کو یکسر بہالے جائے گا، بہت ممکن ہے کہ یہ سانحہ سعودی حکومت اور اس کے ذمہ دار حضرات کے لئے بھی تنبیہ ہو کہ وہ اپنی روش تبدیل کریں، کیونکہ رب کعبہ ناراض ہے۔

۶:......جس سرپھرے گروہ نے حرم شریف کی بے حرمتی کی ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا لیڈر مہدی معہود ہونے کا مدعی تھا، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح مہدویت کے جھوٹے دعوے بہت سے لوگوں نے پہلے بھی کئے ہیں اس لئے اس قسم کا جھوٹا دعویٰ اگر اس ملحد گروہ کے ''امام'' نے بھی کیا تو جائے تعجب نہیں، لیکن حیرت یہ ہے کہ اس نے اپنی مہدویت کا اعلان بیت اللہ شریف کی بے حرمتی اور خونریزی سے کیا، جس

کو ادنیٰ عقل و فہم کا آدمی بھی الحاد اور زندقہ سمجھتا ہے۔

بعض لوگوں کو ان جھوٹے مدعیان مہدویت کے اناپ شناپ دعوؤں سے سچے مہدی کے آنے میں بھی شک ہونے لگا ہے، مگر جس شخص نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہو اس کے لئے کسی حیرت و تردد کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ صبح صادق سے پہلے صبح کاذب طلوع ہوا کرتی ہے، حضرت مہدی علیہ الرضوان کا ظہور جس ماحول میں ہوگا اور اس وقت عالمی سیاست کا جو نقشہ ہوگا وہ احادیث شریفہ میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، ان کو جب موجودہ حالات پر منطبق کر کے دیکھا جائے تو بالکل صاف نظر آتا ہے کہ ابھی تک وہ نقشہ نہیں بنا، اس لئے ان ہندی یا عربی جھوٹے مہدیوں کے غول سے سچے مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا مسئلہ صرف اسی شخص کے لئے مشتبہ ہو سکتا ہے جس نے دینی تعلیمات کا صحیح مطالعہ نہ کیا ہو۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰؍نومبر ۱۹۷۹ء)

حرم شریف کا افسوسناک واقعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

بتاریخ ۲۰ نومبر ۱۹۷۹ء، ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ (اور حجاز مقدس کے مطابق یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ) کو بروز منگل چند مسلح افراد نے حرم کعبہ پر تسلط قائم کرلیا، اور مسلسل پانچ دن تک حرم شریف کو میدان کارزار بنائے رکھا۔ اتوار ۲۵ نومبر کو شدید آزمائش کے بعد حرم شریف سے ان کا تسلط فی الجملہ ختم کرایا گیا۔

حرم کعبہ کی یہ بے حرمتی تاریخ کا سنگین واقعہ ہے، جس سے پورا عالم اسلام تڑپ اٹھا ہے، اور بعض مسلمان تو اس حادثہ کی تاب نہ لاکر جاں بحق بھی ہوئے ہیں۔ اس المیہ پر جس قدر رنج والم کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ طویل عرصہ تک حرم شریف کا جمعہ، جماعت اور طواف سے معطل رہنا، نجاستوں سے ملوث ہونا، اور وہاں خون ریزی ہونا، یہ امور ایسے ہیں کہ جن کے تصور ہی سے دل کانپ کانپ جاتا ہے۔ اب انہیں خدا تعالیٰ کی شدید ترین ناراضی اور ہماری شامت اعمال کے سوا اور کیا کہا جائے ۔۔۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ابھی تک یہ تفصیلات سامنے نہیں آئیں کہ ملحدین نے حرم شریف کی حرمت کو محض اپنے جنون کی بنا پر پامال کیا، یا اس کے پس منظر میں کوئی گہری سازش کار فرما تھی؟ اور یہ کہ ان کو گوریلا قسم کی تربیت کس نے دی؟ اسلحہ کس نے مہیا کیا؟ اور حرم شریف میں اتنی وافر مقدار میں اسلحہ کیسے پہنچادیا گیا؟ اس شر و فساد میں کتنے افراد

شہید ہوئے؟ اور کتنے مفسدین ہلاک اور کتنے زندہ گرفتار ہوئے؟ سعودی ذرائع سے جو اطلاعات اب تک فراہم ہوئی ہیں ان کے مطابق ان ملحدین کا سرگروہ مہدی موعود کا دعویدار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مکہ یونیورسٹی کا سابق (مگر ناکام) طالب علم تھا۔ اور ان لوگوں کا تعلق وہاں کی کسی جماعت "الجماعة السلفیہ" سے ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ امسال موسم حج میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا اور اس مضمون کے رسائل بھی تقسیم کئے گئے کہ امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ سعودی عرب میں ریڈیو' ٹیلیویژن' عورتوں کی بے حجابی وغیرہ کے خلاف احتجاج کرتے تھے۔

بہرحال اس سانحہ کے بعد اب چند امور کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے :

اول ــــ یہ کہ حرمین شریفین میں سامان تعیش کی فراوانی خصوصاً ریڈیو' ٹیلیویژن پر جو غیر اسلامی پروگرام حق تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں' حرم کا ماحول اس لعنت سے یکسر پاک ہونا چاہئے۔

دوم : یہ کہ حرم کعبہ اور حرم نبویؐ کی پاسبانی و نگرانی کا انتظام مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس قسم کے سانحہ کے خدانخواستہ دوبارہ پیش آنے کی نوبت نہ آئے۔

سوم ــــ یہ کہ یہ حادثہ عین اس وقت پیش آیا ہے کہ عالم اسلام میں پندرھویں صدی کی دو سالہ تقریبات کا آغاز کیا جارہا تھا۔ یہ مسلمانوں کو حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے سرزنش اور تنبیہہ ہے کہ وہ ان نمائشی تقریبات کو اہمیت دینے اور ان پر زور صرف کرنے کے بجائے اسلام کی عملی پابندی کی طرف قدم بڑھائیں۔ بد قسمتی سے عالم اسلام اس شدید تضاد میں مبتلا ہے کہ ایک طرف پروپیگنڈے کی پوری طاقت سے "اسلام' اسلام" کی رٹ لگائی جارہی ہے۔ لیکن دوسری طرف ایوان حکومت سے لے

کر غریب کی جھونپڑی تک اسلام کا کوئی عملی نقشہ سامنے نہیں آتا۔ محض الفاظ کی میناکاری سے قصرِ اسلام کو سجانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور چند کانفرنسوں، چند جلسوں، چند فیچروں اور اخباروں، رسالوں کے چند مقالوں میں اسلام کا نام لینے کو سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جارہا ہے۔ حالانکہ یہ بات قرآن کریم کے مطابق حق تعالیٰ شانہ کی شدید ناراضی کا موجب ہے:

"کبر مقتا عند الله ان تقولوا مالا تفعلون۔"

ڈاکٹر عبد السلام کو نوبل انعام

گزشتہ دنوں ڈاکٹر عبد السلام صاحب کو سائنسی دریافت پر نوبل پرائز دیا گیا۔ ایک سائنسی تحقیق پر گوروں کی طرف سے کسی "کالے" کو انعام دیا جانا دنیا کے لئے حیرت واستعجاب کا موجب ہے۔ ہمیں اسی وقت خطرہ محسوس ہوا تھا کہ:

کب مجھ تلک ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

چنانچہ یہ اندیشہ درست ثابت ہوا کہ اس نوبل پرائز کو ایک فنی دریافت سے زیادہ قادیانی فرقہ کی تبلیغ و تشہیر کا ذریعہ بنایا گیا۔ اندرون ملک سے اسلام اور پاکستان کی سربلندی بتایا گیا، عرب ممالک کے بہت سے حضرات نے بھی اس پر مبارکباد کے پیغام بھیجے، اور پھر ڈاکٹر صاحب کو جدہ کانفرنس میں بلایا گیا، اور "بین الاسلامی سائنسی ادارہ" قائم کرکے ڈاکٹر صاحب کو اس کا سربراہ بنانے کی تجویز پیش کی گئی۔ ادھر قادیانیوں نے

ملک کے اردو، انگریزی اخبارات میں اس مضمون کے مراسلے شائع کرائے کہ "ملاّ" اتنے بڑے سائنسدان کو بھی غیر مسلم کہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح مصر کے سادات کو یہود نے "امن انعام" سے نواز کر عربوں کو لڑانے کی کامیاب تدبیر کی، اسی طرح ڈاکٹر عبد السلام کو دو یہودیوں کے ساتھ انعام دے کر قادیانیوں کو اسلامی ممالک کے بڑوں کے منہ سے "مسلمان" کہلانے کی کامیاب کوشش کی گئی۔

ڈاکٹر عبد السلام قادیانی ہیں، اور قادیانی فرقہ باجماع امت خارج از اسلام ہے، اور آئین پاکستان میں اسے غیر مسلم اقلیتوں کی صف میں جگہ دی گئی۔ ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک غیر مسلم مرتد کو یہودیوں کی طرف سے انعام مل جانے سے اسلام کا بول بالا کیسے ہوا؟

پھر ڈاکٹر عبد السلام نے اندرون ملک جو سائنسی خدمت کی اس سے اہل نظر خوب واقف ہیں۔ حد یہ ہے کہ سنہ ۷۴ء کی آئینی ترمیم، جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، پر بطور احتجاج ڈاکٹر عبد السلام نے پاکستان کی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلی، اور تب سے وہ لندن میں تشریف فرما ہیں۔ جو شخص پاکستان کو ایسا ذلیل و حقیر سمجھتا ہو کہ بطور احتجاج یہاں کی سکونت ترک کرجائے، کیا اس کو یہودی انعام مل جانا پاکستان کے لئے مایہ فخر ہے؟

(بینات محرم الحرام ۱۴۰۰ھ)

ہجری تقویم

اسلام میں قمری تقویم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ برصغیر پر انگریزی طاغوت کے تسلط سے پہلے، دیگر اسلامی مملکتوں کی طرح ہمارے یہاں بھی ہجری تقویم ہی رائج تھی، لیکن انگریز نے اسلام کے ایک ایک نشان کو مٹانے کے لئے اسے ہٹا کر اس کی جگہ عیسوی کیلنڈر رائج کیا، بدقسمتی سے جہاں ہم ۳۲ سال سے بے شمار انگریزی روایات کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں وہاں سرکاری طور پر انگریزی کیلنڈر کا استعمال بھی ہے، اور اس کا رواج ایسا ہے کہ جب پوچھا جائے "آج کیا تاریخ ہے" تو فوراً جواب ملتا ہے "۲۱ نومبر"۔

آج ۳۰ ذو الحجہ ۱۳۹۹ھ کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ حکومت عیسوی کیلنڈر کی جگہ ہجری کیلنڈر رائج کرنے پر غور کر رہی ہے۔ خدا کرے ہمارے ارباب حل وعقد کو اس کی توفیق ہوجائے، تو یہ ایک مردہ سنت کو زندہ کرنے کے مترادف ہوگا۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ "تفسیر بیان القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں :

> "چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حساب قمری پر ہے اس لئے اس کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے، جس سے حساب قمری ضائع ہوجائے (تو) سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے (تو) دوسرے حساب کا استعمال مباح ہے، لیکن خلاف سنت سلف ضرور ہے اور حساب قمری کا برتنا بوجہ اس کے فرض کفایہ ہونے کے لابد افضل واحسن ہے"۔

(بینات محرم ۱۴۰۰ھ)

اہانت آمیز مواد کی اشاعت جرم ہے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

بتاریخ ۲۸ر محرم الحرام ۱۴۰۰ھ (۱۹ دسمبر ۱۹۷۹ء) کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے :

"ہتک آمیز مواد خواہ حقیقت پر مبنی اور مفاد عامہ کے مطابق ہو' شائع نہیں ہو سکتا"۔

"خلاف ورزی پر پانچ سال قید سخت کی سزا دی جائے گی"۔

"صدر نے تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۴۹۹ اور ۵۰۰ میں ترمیم کا آرڈی نینس جاری کردیا"۔

"اسلام آباد۔ (۱۸ر دسمبر (پی پی آئی) آج یہاں ایک آرڈی نینس کا نفاذ کیا گیا ہے جس کی رو سے شہریوں کو ہتک آمیز مواد کی اشاعت کے خلاف تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اس آرڈی نینس کی رو سے تعزیرات پاکستان کی دفعات ۴۹۹ اور ۵۰۰ اور ضابطہ فوجداری کے دوسرے شیڈول میں ترمیم کی گئی ہے۔

اس ترمیم کے بعد عدالتی کاروائی کی رپورٹ کی اشاعت کے سوا کسی بھی شخص کے خلاف ہتک آمیز مواد شائع کرنا' خواہ وہ سچ ہو اور عوام کے مفاد کے خلاف نہ ہو قابل تعزیر جرم ہوگا جس کی سزا پانچ سال قید بامشقت یا جرمانے یا قید اور جرمانے دونوں کی سزا دی جائے گی۔

اگرچہ یہ کہا جاتا ہے کہ سنسر شپ کے نفاذ کے بعد اس ترمیم کی کوئی افادیت نہیں۔ کیونکہ جو مواد ایسا ہو کہ اس میں کسی کی ازالہ حیثیت عرفی کا کوئی پہلو پایا جاتا ہو اس کو سنسر کے ذریعہ حذف کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ ترمیمی قانون حالات کا معروضی

مطالعہ کرنے اور اس کی واقعی ضرورت محسوس ہونے کے بعد ہی نافذ کیا گیا ہو گا۔ البتہ یہ وضاحت کر دی جاتی تو بہتر تھا کہ اس قانون کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے۔ مثلاً ایک شخص قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات کو اپنی ذات پر چسپاں کرتا ہے :

۱۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم

۲۔ قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔

۳۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔

۴۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین۔

۵۔ انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الٰی فرعون رسولا۔

۶۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

۷۔ انا فتحنا لک فتحا مبینا لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔

۸۔ یٰسٓ والقرآن الحکیم انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم

۹۔ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا ۔

۱۰۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔

۱۱۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم

۱۲۔ انا اعطیناک الکوثر۔

۱۳۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا۔

۱۴۔ داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔

کیا ایسا شخص بھی اس ترمیمی قانون کے دائرے میں آتا ہے یا نہیں؟ یا مثلاً ایک شخص یہ کہتا ہے :

آنچہ بشنوم ز وحی خدا
بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآں منزہ اش دانم
از خطاہا ہمیں است ایمانم
آں یقینے کہ بود عیسیٰ را
بر کلامے کہ شد بروالقا
وآں یقین کلیم بر تورات
وآں یقینہائے سید السادات
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقیں
ہرکہ گوید دروغ ہست لعین
انبیاء گرچہ بودہ اند بسے
من بعرفاں نہ کمترم ز کسے
آدمم نیز احمد مختار
دربرم جامہ ہمہ ابرار
آنچہ داد است ہر نبی را جام
داد آں جام را مرا اہتمام

....

منم مسیح زماں ومنم کلیم خدا
منم محمد واحمد کہ مجتبیٰ باشد

زندہ شد ہر نبی بآمد نم
ہر رسولے نہاں بہ پیر ہنم

....

اینک منم کہ حسب ، بشارات آمدم
عیسیٰ کجاست تا بہند پابمنبرم

....

کربلائیست سیر ہر آنم
صد حسین است در گریبانم

....

شتان ما بینی وبین حسینکم
فانی اوید کل آن وانصر
واما حسین فاذکروا دشت کربلا
الیٰ هذه الایام تبکون فانظروا
انی قتیل الحب لکن حسینکم
قتیل العدی فالفرق اجلیٰ واظهر

....

کیا اس ترمیمی قانون کا اطلاق ایسے شخص پر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ یا مثلاً ایک شخص لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے :

"تلک کتب ینظر الیها کل مسلم بعین المحبة والمودة' وینفع من معارفها ' ویقبلنی ویصدق دعوتی الا ذریة البغایا الذین ختم الله علی قلوبهم فهم لا یقبلون۔"

"ان العدی صاروا خنازیر الفلا
ونسائهم من دونهن الا کلب"

یا ایک شخص یہ کہتا ہے :

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا' یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا' یا محمد کو مانتا ہے پر میرے باپ کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

کیا یہ بھی اس قانون کے تحت پانچ سال قید بامشقت یا جرمانے یا دونوں سزاؤں کا مستحق ہے یا نہیں؟ الغرض اس امر کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اس قانون کا دائرہ اطلاق کس حد تک وسیع ہے۔

امید ہے کہ وزارت قانون اس پر توضیحی نوٹ کا اضافہ ضرور کرے گی کہ اگر ایسا مواد کسی کی طرف سے شائع ہو تو شہریوں کو اسکے خلاف تحفظ دینے میں یہ قانون مفید ہوگا یا نہیں؟

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ
محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

''افغانستان''

مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارا ہمسایہ برادر اسلامی ملک افغانستان ایک عرصہ سے خونی انقلاب کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، وہاں لاکھوں افغان شہری جلا وطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، اور کفن بردوش مجاہدین غیر ملکی مداخلت کے خلاف نبرد آزما ہیں، حالات بگڑتے بگڑتے اس حد تک آپہنچے ہیں کہ اب وہاں روس کا قریباً مکمل تسلط ہے جس نے ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور دنیا کے سر پر عالمی جنگ کے خطرات منڈلانے لگے ہیں، پورا ملک میدان جنگ کا منظر پیش کر رہا ہے اور شہروں کی گلیوں اور سڑکوں پر انسانی لاشیں تڑپ رہی ہیں اگرچہ روس اور خود افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت کی طرف سے یہی تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ افغانستان کا اندرونی معاملہ ہے اور یہ کہ افغانستان کی درخواست پر روس نے اس کی طرف ''امداد'' کا ہاتھ بڑھایا ہے، لیکن افغان شہریوں کے قتل عام اور بڑے بڑے شہروں پر ہزاروں روسی سپاہ کی چڑھائی سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ یہ ''امداد'' کس نوعیت کی ہے۔

پاکستان کے لئے افغانستان کا المیہ بہت سی وجوہ سے تشویش و اضطراب کا موجب ہے۔ اول یہ کہ افغانستان ہمارا قریب ترین ہمسایہ ملک ہے، اور اس کے کسی حادثہ سے اسلامیان پاکستان کا متاثر ہونا ایک فطری امر ہے، جب کہ ہماری سرحد کے متصل ہمارے مظلوم و بے کس بھائی خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں، دوسرے اگر خدانخواستہ روس کے دل میں افغانستان کی طرح دیگر ہمسایہ ملکوں کی ''امداد'' کا جذبہ

بھی انگڑائی لینے لگے تو اس کی سب سے پہلی نظر عنایت پاکستان پر ہوگی، تیسرے افغانستان کے لاکھوں جلاوطن شہری پاکستان میں پناہ گزین ہیں اور یہ امر روس کی بطور خاص ناراضی کا موجب ہے کہ کسی افغانی مسلمان کو افغانستان سے باہر سینگ چھپانے کا موقع کیوں مل رہا ہے۔

بہرحال حالات کا دھارا جس رخ بہہ رہا ہے وہ نہ صرف پورے عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کے لئے عبرت انگیز ہے، اور اس دھارے کو عقل وفہم اور حلم و تدبر سے بدلنے کی کوشش نہ کی گئی تو امن عالم خاکستر ہوسکتا ہے، دنیا بھر کے اہل فہم اور اہل دانش کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ اگر اس شر کو مزید پھیلنے کا موقع دیا گیا تو پوری دنیا ایٹمی جنگ کا ایندھن بن کر رہ جائے گی۔

دنیا میں جو حالات بھی رونما ہوتے ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے، ان کے مادی اسباب خواہ کچھ ہی ہوں، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا ایمان ہے کہ ان کا اصل منشا حق تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہے، ہر واقعہ کا فیصلہ آسمان پر ہوتا ہے اور اس کے فیصلے کے مطابق واقعات زمین پر رونما ہوتے ہیں۔

ہجری سال نو کے پہلے دن جو حرم شریف کا سانحہ پیش آیا تھا ہم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے امن عالم کے لئے خطرہ کا الارم ہے، چنانچہ اس سانحہ پر ابھی ایک مہینہ نہیں گزرا تھا کہ خطرات سامنے آنے لگے، اور حالات زیادہ سے زیادہ بگڑنے لگے ہیں، یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے مسلمانوں کی تنبیہ و عبرت کے لئے ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہم ان واقعات سے کوئی سبق سیکھنے اور اپنی اصلاح کے لئے آمادہ نظر نہیں آتے، روز بروز حالات سنگین تر ہوتے جارہے ہیں، مگر ہم بدستور عیش وعشرت، لہو ولعب اور جاہ طلبی و زرطلبی کے نشہ

میں مست ہیں اور خدائی تنبیہات کے بعد بھی کوئی عبرت نہ لینا بہت خطرناک حالت ہے، ہم عالم اسلام کے مقتدر راہنماؤں سے مخلصانہ التجا کرتے ہیں کہ خدارا اپنی اور قوم کی اصلاح کی طرف فوری توجہ فرمائیں۔ اپنی صفوں میں یکجہتی پیدا کریں اور جس قدر مادی وسائل انہیں حق تعالیٰ نے عطا کئے ہیں، انہیں اسلام کی سربلندی، اسلامی ممالک کی حفاظت اور انسانیت کی بھلائی پر خرچ کریں، ''جهداً للبقا'' کا تقاضا ہے کہ عالم اسلام کے راہنما اسلامی ادارۂ خلافت کا احیاء کریں اور پورے عالم اسلام کو رشتہ اتحاد میں منسلک کردیں۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ہے، ہمارا ملک سب سے زیادہ خطرات کی زد میں ہے اور ملک کے ہر حساس شہری کا فرض ہے کہ ان خطرات کو نہ صرف یہ کہ محسوس کرے، بلکہ ان سے بچاؤ کے لئے اپنا مؤثر کردار بھی ادا کرے اس کے لئے مندرجہ ذیل تدابیر کا فوری طور پر اختیار کرنا ضروری ہے:

ا:...... تمام قومی راہنماؤں کو مل بیٹھ کر عالمی حالات کا جائزہ لینا چاہئے اور اس کے لئے پوری قوم کو اعتماد میں لے کر اسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دینا چاہئے، نسلی، قبائلی، لسانی اور دیگر تفرقوں کی اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۲:...... پوری قوم کو توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ اختیار کرنا چاہئے، شعائر اسلام کی پابندی، حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی کے اہتمام اور ایمانی جذبات کی نشوونما کے بغیر ہم خطرات کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

۳:......لہو ولعب، تفریح و تماشا، کھیل کود، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور دیگر ملاہی کا قطعی انسداد ہونا چاہئے، اور ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ان چیزوں کا وقت گزر چکا ہے، یہ نہایت افسوسناک حالت ہے کہ دشمن ہمارے دروازے پر کھڑا دستک دے رہا

ہو اور ہم ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر کھیل تماشوں اور لہو ولعب میں مگن ہوں، شاعر مشرق کے بقول:

آ تجھ کو بتاؤں میں، تقدیر امم کیا ہے؟
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

۴:......نہ صرف ملکی دفاع کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے، بلکہ قوم کے ہر جوان کو جذبۂ جہاد سے سرشار اور شوقِ شہادت کے لئے بے تاب ہونا چاہئے۔ مسلمانوں میں جب تک جہاد کی صحیح روح کارفرما رہے گی، اور وہ شہادت فی سبیل اللہ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد تصور کرتے رہیں گے، کوئی قوم ان پر غالب نہیں آسکتی۔

۵:...... اسی کے ساتھ ملک دشمن جاسوسوں پر بھی کڑی نگرانی رکھنے کی ضرورت ہے، خصوصاً وہ لوگ جن کا دائمی پیشہ غیروں کے لئے مسلمانوں کی منظم جاسوسی رہا ہے، اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ ثابت نہیں ہوئے، بلکہ ان کی ہر مصیبت پر خوشی کے شادیانے بجاتے اور گھی کے چراغ جلاتے رہے ہیں۔

۶:...... گھروں اور مساجد میں ذکر اللہ کی کثرت ہونی چاہئے، مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور پاکستان کی بقاء و سالمیت کے لئے اہتمام کے ساتھ دعائیں کی جائیں اور سورۂ یٰسین وغیرہ کے ختم کرائے جائیں، خصوصیت کے ساتھ اہل قلوب کو دعا اور تضرع الی اللہ کی طرف بہت ہی متوجہ ہونا چاہئے۔

حق تعالیٰ شانہ ہم پر رحم فرمائے، ہماری غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے، ہمیں صحیح عقل و بصیرت اور نور ایمان نصیب فرمائے اور ملک و ملت کو ہر آفت اور ہر خطرہ سے محفوظ رکھے۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۱؍جنوری ۱۹۸۰ء)

جہاد فی سبیل اللہ...

مسلمانوں کا فرض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانے کے حالات میں بڑی سرعت سے تبدیلی آ رہی ہے، گویا گردشِ ایام کی رفتار غیر معمولی طور پر تیز ہوگئی ہے، حدیث نبویؐ میں آخری زمانے کے بارے میں جو فرمایا گیا، کہ ''زمانہ سمٹ جائے گا سال ایک مہینے کی مانند، مہینہ ایک ہفتہ کی مانند، ہفتہ ایک دن کی مانند، دن ایک ساعت کی مانند اور گھنٹہ بجلی کوندنے کی مانند ہو کر رہ جائے گا۔'' ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس ارشاد کا ظہور شروع ہو رہا ہے۔ دنیا میں جو تبدیلیاں کہیں صدیوں میں ہوا کرتی تھیں اب وہ سالوں میں ہو رہی ہیں، جو سالوں میں ہوا کرتی تھیں وہ مہینوں میں، مہینوں کی دنوں میں، دنوں کی گھنٹوں میں، اور گھنٹوں کی لمحوں میں، زمانہ کی اس تیز روی کا اثر ہے کہ لوگ شدت سے اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ ہمارے سوتے سوتے رات کو دنیا میں کیا انقلاب آ گیا ہے اور صبح اٹھتے ہی اخباروں پر پل پڑتے ہیں۔

افغانستان میں روس کی جارحانہ مداخلت نے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک نیا تموج پیدا کر دیا ہے، اور اس کی لہریں مشرق و مغرب سے زور دار بیانات کی شکل میں ابھر کر ہمارے کانوں کی دیواروں سے ٹکرا رہی ہیں، اور ہر شخص اپنی اپنی عقل و فہم کے مطابق ان پر رائے زنی اور قیاس آرائی کرتا ہے، اور صبح

دم کسی انقلاب کا منتظر نظر آتا ہے۔

اس قسم کے حالات میں قرآن کریم نے مسلمانوں کے لئے جو لائحہ عمل تجویز فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ: وہ سب سے پہلے اپنی ذات میں تبدیلی پیدا کریں اور انہیں یہ وثوق رکھنا چاہئے کہ جس نوعیت کا انقلاب خود ان کی اپنی ذات کے اندر ابھرے گا، اسی کے مطابق باہر کی دنیا میں انقلاب رونما ہوگا، اگر اندر کی تبدیلی شر سے خیر کی طرف، کفر و نفاق سے ایمان کی طرف، بدکاریوں سے نیک اعمال کی طرف، اور غیر اللہ سے اللہ کی طرف پلٹ آنے کی ہوگی، تو دنیا کے حالات میں بھی خیر کا انقلاب برپا ہوگا۔ اور اگر اندر کی تبدیلی خیر سے شر کی طرف ہوگی تو باہر بھی شر کا طوفان ہی برپا ہوگا، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ." (الروم:۴۱)

ترجمہ:...... "ظاہر ہوا فساد بر و بحر میں، لوگوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے۔"

دوسری ہدایت ہمیں یہ دی گئی ہے کہ ہم اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے دشمن کے مقابلہ میں اپنی قوت مجتمع کریں، چنانچہ قرآن کریم میں ہے:

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ." (الانفال:۶۰)

ترجمہ:...... "اور تیار رکھو ان کے مقابلے میں جو تم سے بن پڑے قوت، اور سامان جنگ، تاکہ تم ڈراتے رہو اس کے ذریعہ اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمن کو۔"

اسلامی ممالک کو حق تعالیٰ نے فراوانی کے ساتھ جن وسائل سے نوازا ہے اور انہیں جس قدر مالی و افرادی قوت عطا کر رکھی ہے، اگر اسے مجتمع کرلیا جائے تو مسلمان آج بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت کی حیثیت سے ابھر سکتے ہیں۔

مادی ساز و سامان کی فراہمی اور ہمدرد ممالک و اقوام سے حلف و معاہدہ سے زیادہ اہم حق تعالیٰ شانہ کی نصرت و مدد ہے، یہی مسلمانوں کا اصل سہارا ہے اور اسی پر ان کی فتح و کامیابی کا انحصار ہے، قرآن کریم میں ہے:

''اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَالَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.'' (آل عمران:۱۶۰)

ترجمہ:......''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہاری مدد سے ہاتھ کھینچ لے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔''

مسلمانوں کی سب سے بڑی قوت ''اسلامی جہاد'' ہے، قرآن کریم اور حدیث نبوی میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کی بے حد ترغیب دی گئی ہے، قرآن کریم میں ہے:

''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ

بِهٖ وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم۔" (التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ:...... "اللہ نے مسلمانوں کی جان و مال کو خرید لیا، اس بدلے میں کہ ان کو اس کے عوض جنت ملے گی، وہ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں، اور قتل ہوتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جو اس نے تورات، انجیل اور قرآن میں کیا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کا سچا کون ہوسکتا ہے؟ پس تم خوش ہوجاؤ اسی سودے پر، جو تم نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اسی ارشاد خداوندی سے واضح ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کی جان و مال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت ہوچکی ہے، اور اب اس کا مصرف صرف اور صرف جہاد فی سبیل اللہ ہے، عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں جذبۂ جہاد موجود ہے، مذہبی راہنماؤں کی طرف سے جہاد کی ترغیب وضرورت پر بیانات آرہے ہیں، اب یہ اسلامی ممالک کے ارباب اقتدار کا فرض ہے کہ اس جذبہ سے فائدہ اٹھائیں، مسلمانوں کو منظم کریں، اور انہیں جہاد کی باقاعدہ تربیت دیں، تاکہ تمام پیش آمدہ خطرات کا تدارک ممکن ہو۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۵ رجنوری ۱۹۸۰ء)

علمی مخطوطات اور ہمارا عجائب گھر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر ملک کے عجائب گھروں میں مختلف نایاب چیزیں ہوتی ہیں، جن کی حفاظت وہ عجائب گھر بہت ہی اہتمام اور بڑے طور طریقہ سے کرتے ہیں تاکہ یہ چیزیں ضائع نہ ہوں، کیونکہ یہ ایسے نوادرات ہوتے ہیں جن کا دوبارہ ملنا ناممکن تو نہیں مگر حد درجہ مشکل ضرور ہوتا ہے، اس کے لئے خاص عمارتیں بنائی جاتی ہیں، ان عمارتوں کو طبی لحاظ سے اس درجہ میں رکھا جاتا ہے کہ یہ چیزیں خراب نہ ہوں اور ان کی حفاظت کے لئے لاکھوں روپے کی ادویات خریدی جاتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عجائب گھروں میں آج بھی ہزاروں برس قبل کی اشیاءٔ محفوظ ہیں، ان نوادرات میں ایک اہم چیز علمی مخطوطات ہیں، یعنی وہ کتابیں جو کہ ہاتھوں سے لکھی ہوئی ہیں، یہ کتابیں تاریخ کے نوادرات میں شمار ہوتی ہیں اور ان کی بڑی حیثیت ہوتی ہے، مسلمانوں نے ان کی حفاظت ہر زمانہ میں بہت اچھے انداز میں کی ہے، یہی وجہ ہے کہ چودہ سو برس گزرنے کے باوجود آج تک حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے کے قلمی نسخے ہمارے ہاں محفوظ ہیں، اگر بغداد میں لڑائی کے دوران دشمنوں نے مسلمانوں کے عظیم الشان کتب خانہ کو نہ تباہ کیا ہوتا تو مسلمانوں کا علمی خزانہ بڑی حد تک محفوظ رہتا، بہرحال اس حادثے کے باوجود اس وقت مسلمانوں کے پاس نوادرات کا بہت بڑا خزانہ موجود ہے، پھر یہ خزانہ صرف نوادرات ہی کی حیثیت نہیں رکھتا ہے بلکہ اس میں بہت بڑا علمی ذخیرہ بھی موجود ہے، اس لحاظ سے اس کی

اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے عجائب خانوں میں ان علمی نوادرات کی حفاظت بہت احتیاط سے کی جاتی ہے، اور بڑے بڑے اہل علم اس سے استفادہ کے لئے تشریف لاتے ہیں، مگر پاکستان کے شہر کراچی میں اس علمی ذخیرہ کی جو ناقدری ہو رہی ہے اس کی مثال غالباً عام قسم کی لائبریریوں میں بھی نہیں ہے، پاکستان کے چھوٹے چھوٹے مدارس عربیہ میں بھی اس علمی ذخیرہ کی بہت زیادہ حفاظت ہوتی ہے، اس کو بہت اہتمام سے رکھا جاتا ہے، راقم الحروف نے سندھ کے چھوٹے چھوٹے دیہاتوں کے مدرسوں میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ کے قلمی نسخوں کی زیارت کی ہے، پچھلے دنوں جنگ اخبار میں ایک مراسلہ چھپا کہ سعودی عرب کے ایک اسکالر پاکستان تشریف لائے اور وہ اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کے لئے کراچی کے عجائب گھر تشریف لے گئے تو اس عجائب گھر میں ان قلمی نسخوں کو بنڈلوں کی شکل میں ایک کمرہ میں رکھا ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ قلمی نسخے کیڑوں کی خوراک بن رہے تھے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ اس عجائب گھر میں دیگر نوادرات کی حفاظت کے لئے اتنا زیادہ اہتمام اور اس علمی اور قلمی ذخیرہ کی اس طرح ناقدری، یہ چیز نہ صرف پاکستان کی بدنامی کا باعث ہے، بلکہ علم کی یہ ناقدری کہیں اہل پاکستان کو علم ہی سے محروم نہ کردے، اس لئے ہماری گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں فوری طور پر مناسب کارروائی کی جائے اور اس کی حفاظت کا معقول انتظام کیا جائے، اور اس کے لئے علیحدہ کمرے بنائے جائیں، اور مزید طبی طریقے سے ان نوادرات کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے تاکہ قلمی ذخیرہ ضائع ہونے سے بچ جائے اور آنے والے محققین حسب دستور سابق اس ذخیرہ سے استفادہ کرتے رہیں۔

(افتتاحیہ صفحۂ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۲۴رمئی ۱۹۸۰ء)

عالمِ اسلام اور جہاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیبیا کے صدر جناب معمر قذافی نے سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ فہد کی "دعوت جہاد" کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے:

> "اب وقت آ گیا ہے کہ تمام مسلمان متحد ہو کر طاغوتی طاقتوں کے خلاف جہاد کریں، انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کو ہر صبح یہ عہد کرنا چاہیئے کہ وہ دنیائے اسلام کو صیہونیت اور سامراج کے شکنجے سے نجات دلانے کے لئے جہاد کریں گے، کیونکہ اس کے سوا نجات حاصل کرنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ بیت المقدس اور دوسرے مسلم علاقوں کی آزادی کے لئے ہمیں عیش و عشرت کی زندگی کو خیر باد کہنا ہوگا اور اونچے محلات کی تعمیر اور غلاموں اور عورتوں کی خریداری سے دستبردار ہونا پڑے گا۔" (روزنامہ جنگ کراچی یکم ستمبر ۱۹۸۰ء)

اسی نوعیت کے اعلانات عرب اور مسلم ممالک کے راہنماؤں کی جانب سے عموماً ہوتے رہتے ہیں اور یہ ان کا گویا معمول بن کر رہ گئے ہیں، لیکن ان اعلانات سے نہ فضا میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے، نہ مسلمانوں میں کوئی جنبش و حرکت پیدا ہوتی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اسرائیل (طاغوتی قوتوں کے سہارے) بڑے اطمینان سے نہ صرف عرب علاقوں پر قابض ہے، بلکہ اس نے اسلامی راہنماؤں کی "بڑکوں" کے علی الرغم بیت المقدس کو دارالحکومت بنانے کی دیرینہ تجویز پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا ہے،

اسرائیل اور اس کے آقا و مربی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کا خون سفید ہو چکا ہے، ان میں مغربی تہذیب کے سرطان نے اسلامی حمیت و غیرت باقی نہیں رہنے دی ہے، اس لئے ان کے یہ اعلانات، یہ قرار دادیں، یہ احتجاج اور یہ بے چینی و اضطراب نیم بسمل کے اضطراب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، وہ یہود کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہیں لیکن ان کی زندگی کا ایک ایک نقش نبی عربی ﷺ کے بجائے یہود و نصاریٰ کی ملعون تہذیب کے ہمرنگ ہے، یہود و نصاریٰ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم نے بڑی محنت و ریاضت اور بڑی چابکدستی سے مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے، اسلام کے رشتۂ اخوت کو کاٹ کر، ہم نے ان کو قومیت و عصبیت کی زنجیروں میں جکڑا ہے، اسلامی ممالک اور مسلم راہنماؤں کے درمیان افتراق و اختلاف کے کانٹے بوئے ہیں، مختلف مذہبی و دینی اور سیاسی و سماجی تحریکوں کو فروغ دے کر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنایا ہے۔ اور بڑی بڑی رقموں کی ''مدد'' دے کر ان کو عیش و عشرت کا عادی بنایا ہے، یہود و نصاریٰ جانتے ہیں کہ وہ جس کو ''قوم مسلم'' کے نام سے پکارا جاتا ہے آج محض ایک مصنوعی خول ہے، جس کے اندر کوئی دم خم نہیں، ان کی معاشرت غیر اسلامی ہے، ان کا طرز حکومت و سیاست اسلام کے برعکس ہے، ان کی معیشت اسلام کی ضد ہے، ان کے افکار و خیالات اسلام کے لئے ننگ و عار ہیں، ہم نے مسلمانوں کو سب کچھ دے کر ان سے محمد رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ چھین لیا ہے، اسلامی ممالک کی قیادت ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دی ہے جو یا تو بامرمجبوری اپنے آپ کو مسلمان ضرور کہتے ہیں، لیکن اسلامی خصائص ان کی زندگی سے ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں، ان کی زندگی کے کسی گوشے میں اسلام کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی، بلکہ وہ قولاً و فعلاً اسلام کی تضحیک کرتے ہیں، نماز

اسلام کا سب سے اولین رکن ہے، مگر وہ اس سے بھی محروم ہیں، داڑھی ان کے نبی ﷺ کی سنت ہے، مگر یہ اس کی تحقیر کرتے ہیں اور اس سے نفرت کرتے ہیں، عفت و حیا اسلام کی زینت ہے، مگر یہ اسے عورتوں کے لئے ''قید'' تصور کرتے ہیں، جو قوم اسلامی خصائص، اسلامی شعائر اور اسلامی علامتوں سے اس افسوسناک حد تک محروم ہوجائے اس سے ''اسلامی جہاد'' کی توقع کب کی جاسکتی ہے؟ اور ان کے ''اعلان جہاد'' پر کون کان دھرتا ہے؟ سعودی عرب کے شہزادہ فہد ہوں یا لیبیا کے معمر قذافی، مصر کے سادات ہوں یا شام کے حافظ الاسد، وہ جب تک یہود و نصاریٰ کے ملعون طور و طریق، ان کی وضع و معاشرت، ان کی تہذیب و ثقافت، ان کے اخلاق و اعمال سے تائب ہوکر محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ کو اختیار نہیں کرتے، طاغوتی طاقتوں پر ان کے اعلانات جہاد کا کوئی اثر نہیں ہوگا، بیت المقدس آج پھر کسی صلاح الدین ایوبی کا منتظر ہے، وہ آج پھر کسی ایسی شخصیت کے لئے چشم براہ ہے جو خدا کی راہ میں فدا ہونے کے لئے دیوانہ وار نکلے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے جب بیت المقدس فتح کیا تھا تو ان کی کیفیت یہ تھی:

> ''جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا، اسی کا وہ ساز و سامان کرتے رہے تھے، اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے، اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہی، اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ توجہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی

خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن و مسکن اور تمام ملک کو خیر باد کہا، اور سب کی مفارقت گوارا کی، اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی، جس کو ہوائیں ہلاسکتی تھیں، کسی شخص کو اگر ان کا قرب حاصل کرنا ہوتا تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح ان کی نظر میں وقعت حاصل کرلیتا)، قسم کھائی جاسکتی ہے کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔

میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچے کا داغ اٹھایا ہو، وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، خود ساری فوج میں گشت کرتے، اور پکارتے پھرتے: "یا للاسلام" اسلام کی مدد کرو، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے۔"

(مولانا ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت و عزیمت جلد اول)

بیت المقدس انشاءاللہ فتح ہوگا اور ضرور ہوگا، مگر قرار دادوں اور نعروں سے نہیں، بلکہ اس کے لئے ایسے کفن بردوش نمازیوں کی ضرورت ہے جو شہادت فی سبیل اللہ کے جذبہ سے سرشار ہوں، کوئی مصلحت ان کے آڑے نہ آئے، بلکہ وہ آگے بڑھ کر تمام طاغوتی زنجیروں کو کاٹ ڈالیں اور صیہونیت کے ناپاک قدموں سے بیت المقدس کو پاک کرنے کا عہد لے کر اٹھیں۔

(افتتاحیہ صفحہ اقرأ روزنامہ جنگ کراچی ۱۱ر ستمبر ۱۹۸۰ء)

قرآن سوزی کی سزا

عمر قید نہیں سزائے موت ہونی چاہیئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد'

کراچی میں قرآن سوزی کے واقعہ کے بعد قرآن کریم کی بے حرمتی کے متعدد واقعات پشاور' لیاقت پور' ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان میں پیش آئے۔ اخبارات کے مطابق کہیں قرآن کریم کو کاٹ کر اس میں بم رکھا گیا' اور کہیں قرآن کریم کے نسخے گندگی اور کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں پر پھینکے گئے۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ ---- واقعات سے متاثر ہو کر حکومت کو قرآن کریم کی بے حرمتی کے انسداد کے لئے قانون وضع کرنا پڑا' چنانچہ اس جرم کے مرتکب افراد کے لئے عمر قید کی سزا کا قانون نافذ کیا گیا۔

اس جرم کے انسداد کے لئے حکومت کا اقدام نہ صرف لائق تحسین ہے' بلکہ ایک ناگزیر ضرورت بھی۔ لیکن اس جرم کے لئے جو سزا تجویز کی گئی ہے وہ جرم کے تناسب سے بہت نرم اور ناکافی ہے' ایسے خبیث لوگ تو اس لائق ہیں کہ ان کو سزائے موت دی جائے' اور چوراہے میں سولی پر لٹکایا جائے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ حکومت نے کن مصالح کی بنا پر ایسے لوگوں سے رعایت روا رکھنا ضروری سمجھا ہے۔

اس سے قطع نظر کہ قرآن کریم کی بے حرمتی کرنے والوں کے لئے جو سزا تجویز کی گئی ہے وہ کافی ہے یا نہیں؟ قرآن کریم کی بے حرمتی کے یہ واقعات ملت اسلامیہ کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں' یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی بے حرمتی کسی ایسے

شخص سے سرزد نہیں ہو سکتی جس کے دل کے کسی گوشہ میں ایمان کی ادنیٰ رمق بھی موجود ہو۔ یہ فعل کسی سڑے ہوئے بدباطن ہی کا ہو سکتا ہے جس کا مقصود مسلمانوں کو مشتعل کرنا ہو، توجہ طلب امر یہ ہے کہ کہ چونتیس سال میں اس قسم کے واقعات پیش نہیں آئے، لیکن اب ایسے دل آزار واقعات کا ایک تانتا بندھ گیا ہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ قدرت کی طرف سے ہمیں کوئی تنبیہہ ہو، واقعہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کے حروف و الفاظ اور اس کے مقدس اوراق کا تو اہتمام کیا (بلاشبہ یہ اہتمام بھی ہمارا اہم ترین فرض ہے) لیکن اپنی شامت اعمال کی وجہ سے ہم نے قرآن کریم کے قائم کردہ حدود کو پامال کرنے اور اس کے احکام کی بے حرمتی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ بلکہ یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ اجتماعی و انفرادی سطح پر ہمارا معاشرہ احکام قرآن سے بغاوت و سرتابی پر آمادہ نظر آتا ہے---- قرآن کریم سودخوروں کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہے لیکن ہماری پوری کی پوری معیشت سود ہی پر چل رہی ہے، قرآن کریم ظالموں کے بارے میں اعلان کرتا ہے "الا لعنة اللہ علی الظالمین" لیکن ہمارا معاشرہ اور معاشرے کے تمام طبقات ظلم پر کمربستہ ہیں، قرآن کریم صنف نازک کو حیا و ستر کی تعلیم دیتا ہے، اور ان کے لئے حجاب اور گھروں میں قرار کے احکام دیتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں اس حکم کا مذاق یہ کہہ کر اڑایا جاتا ہے کہ " : ہماری چاردیواری پاکستان ہے، اور ہمارا پردہ اسلام ہے"۔

الغرض قرآن کریم کا کون سا حکم ہے جس کی صحیح صحیح تعمیل ہمارے معاشرے میں ہو رہی ہو، بلکہ جسے دقیانوسی نہ کہا جاتا ہو۔ شاید ان واقعات میں قدرت کی جانب سے یہ تنبیہہ ہو کہ جو قوم اپنی نااہلی کی وجہ سے احکام قرآن کی حرمت قائم نہیں رکھ سکتی وہ الفاظ قرآن کا احترام بھی قائم رکھنے کی اہل نہیں۔ بہرحال قرآن کریم کی بے حرمتی کے یہ واقعات ہماری شامت اعمال کا خوفناک وبال ہے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔ اللھم انا نعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک۔

"دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

یکم فروری کے اخبارات میں ایم آر ڈی کے راہنماؤں کا حسب ذیل بیان شائع ہوا۔

"قرآن حکیم میں مردوں اور عورتوں کو مساوی حیثیت سے مخاطب کیا گیا ہے"

"قرآن نے کسی واحد عورت کو گواہی کا نااہل قرار نہیں دیا
مجوزہ قانون شہادت پر ایم آر ڈی کے رہنماؤں کی نکتہ چینی"

ایم آر ڈی کے مرکزی رہنماؤں غلام مصطفیٰ جتوئی، سردار شیرباز خان مزاری، خواجہ خیرالدین، مشیر پیش امام، معراج محمد خاں اور فتح یاب خان نے آج یہاں ایک مشترکہ بیان میں مجوزہ قانون شہادت پر نکتہ چینی کی ہے اور اسے غیر منصفانہ، نقصان دہ اور معاشرے میں خواتین کی حیثیت اور کردار کے بارے میں الجھاؤ پیدا کرنے کے مترادف قرار دیا ہے، ان رہنماؤں نے کہا قرآن حکیم میں مردوں اور عورتوں کو مساوی حیثیت سے مخاطب کیا گیا ہے اور اس نے مساوات کے اصول بیان کئے ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق تمام مسلمان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں کسی عرب کو غیر عرب پر گورے کو کالے پر یا مرد

کو عورت پر فوقیت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والا ہے قرآن نے مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کا واضح تعین کیا ہے جس کی ادائیگی پر دونوں کو برابر کا اجر اور خلاف ورزی پر برابر کی سزا ملے گی۔ اس طرح مومن مردوں اور مومن عورتوں کے درمیان مساوات کا اصول واضح طور پر قائم کیا گیا ہے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا سب سے اہم ثبوت حضرت خدیجہؓ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے وحی رسولؐ کی تصدیق کی پیغمبر اسلام نے بغیر کسی مزید تصدیق یا شہادت کے اسے قبول کیا اور اس طرح وہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی بن گئیں اس طرح ایک واحد عورت کی شہادت نے تاریخ کا پورا رخ تبدیل کر دیا علاوہ ازیں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی واحد شہادت کے ذریعے بہت سی مستند احادیث بھی ہم تک پہنچی ہیں بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ قرآن میں کسی جگہ بھی کسی واحد عورت کو گواہی دینے کا نااہل قرار نہیں دیا گیا بلکہ سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ میں اللہ تعالیٰ نے تمام ایمان لانے والوں کو انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کا حکم دیا ہے اس طرح قرآن کی دوسری آیت کی اس انداز میں تشریح کرنے کا کوئی جواز نہیں جس سے عورت کی شہادت کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے بڑے شدید اثرات مرتب ہوں گے فقہ کی بیشتر کتابوں بالخصوص ہدایہ کے مطابق شہادت کے لئے بصارت' یادداشت اور اظہار کا ہونا ضروری ہے عورت میں یہ تینوں خصائص پائے جاتے ہیں اسلام امن و مساوات کا علمبردار ہے یہ اسلام کی روح کے منافی ہے کہ ملک کی نصف آبادی کو اسلام کی جانب سے دیئے گئے مساوی رتبے اور حیثیت سے محروم کر دیا جائے

اس لیے ایسے قوانین جن میں عورتوں کو ادنیٰ حیثیت دی گئی ہو عورتوں سے صریح بے انصافی کے مترادف ہیں بیان کے آخر میں کہا گیا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ۱۹۷۲ء کے آئین کے دائرے سے باہر کام کرنے اور سفارش کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔"

اس کے جواب میں علما کا مندرجہ ذیل بیان شائع ہوا:

"عورتوں کی شہادت کے متعلق ایم آر ڈی کے رہنماؤں کا بیان اسلام سے صریح انحراف ہے۔"

" تمام فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے"۔

"اس کا منکر بالاجماع خارج از اسلام قرار پاتا ہے۔ ایم آر ڈی کے رہنما توبہ کریں ممتاز علماء کا بیان"

" جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا مفتی احمد الرحمٰن، شیخ الحدیث و صدر مفتی مولانا ولی حسن، مفتی عبدالسلام، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا بدیع الزمان، مولانا مصباح اللہ شاہ، مولانا قاری عبدالحق اور وفاق المدارس کے صدر مولانا محمد ادریس میرٹھی نے مجوزہ قانون شہادت میں عورتوں کی شہادت کے متعلق ایم آر ڈی کے رہنماؤں کی نکتہ چینی کو حیرت انگیز اور اسلام سے ناواقفیت قرار دیا ہے آج یہاں ایک بیان میں ان علمانے کہا کہ یہ مسئلہ قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے کہ اگر دو مرد گواہی دینے والے نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ہونی چاہئے (البقرہ آیت ۲۸۲)

متعدد احادیث میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے نصف ہے" اس پر تمام فقہا امت کا اتفاق ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ نیز جب تک ان کے ساتھ کوئی مرد شہادت دینے والا نہ ہو تو تنہا عورتوں کی شہادت ناقابل قبول ہو گی۔ ماسوائے ایسی صورت کے جو عورتوں ہی کے ساتھ خاص ہو اور اس پر مردوں کا مطلع ہونا ممکن نہ ہو تو اس میں تنہا عورتوں کی شہادت ہی فیصلہ کن تسلیم کی جائے گی بیان میں کہا گیا ہے کہ ایسے مسئلے کو جس میں قرآن کی نص قطعی موجود ہے 'متعدد احادیث موجود ہیں اور جس پر تمام فقہائے امت کا اجماع و اتفاق ہے' نعوذ باللہ غیر منصفانہ کہنا اسلام سے صریح انحراف اور خدا اور رسولؐ سے کھلی بغاوت کے مترادف ہے اگر ان رہنماؤں کو اس مسئلہ کی تحقیق نہیں تھی تو ان کا فرض تھا کہ اہل علم سے رجوع کرتے اور اسلام کے ایک قطعی حکم کے بارے میں ناروا الفاظ استعمال کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ واضح رہے کہ حافظ ابن حزمؒ نے "مراتب الاجماع" میں اس مسئلہ کو ان اجماعیات میں شمار کیا ہے جن کا منکر بالاجماع خارج از اسلام قرار پاتا ہے اس لیے ان رہنماؤں کا فرض ہے کہ وہ نہ صرف اس کلمہ کفر سے توبہ کریں بلکہ قوم سے بھی معافی مانگیں کیونکہ انہوں نے اسلام کے ایک قطعی حکم کے خلاف بیان دے کر امت مسلمہ کو ایذا پہنچائی ہے انجمن تعلیم البیان کے صدر مولانا محمد یونس میرپوری اور جامعہ اسلامیہ کلفٹن کے پرنسپل مولانا مفتی محمد محی الدین اور محمد اسماعیل نے بھی اپنے بیانات میں ایم آر ڈی کے مرکزی رہنماؤں کے متذکرہ بیان کو قرآن و سنت اور فقہ اسلامی سے ناواقفیت اور

دور رہنے کا نتیجہ کہا ہے اور اسے گمراہ کن اور قرآن و سنت کی تعبیر کے خلاف قرار دیا ہے۔"

(روزنامہ جنگ ۲ فروری)

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسلام میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرىٰ

(البقرہ ۲۸۲)

ترجمہ :" اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ کر لیا کرو۔ پھر اگر وہ دو گواہ مرد (میسر) نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ بنائی جاویں) ایسے گواہوں میں سے جن کو تم (ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے پسند کرتے ہو' اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز کی گئیں) تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی بھول جاوے تو ان میں ایک دوسری کو یاد دلا دے۔ (بیان القرآن)

اس آیت کریمہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ حقوق' معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ما رايت من ناقصات عقل و دين اذهب للب الرجل الحازم من احداكن 'قلن وما نقصان عقلنا و ديننا

یا رسول اللہ قال الیس شہادۃ المراۃ مثل نصف شہادۃ الرجل قلن بلٰی قال فذالک من نقصان عقلھا ۔ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلٰی قال فذالک من نقصان دینھا۔

ترجمہ: "میں نے تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا کہ ناقص العقل اور ناقص الدین ہونے کے باوجود دانا آدمی کی عقل کو چکرا دے' انہوں نے عرض کیا کہ ہماری عقل اور ہمارے دین کی کمی کیا ہے؟ فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت سے نصف نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! یہ تو ہے۔ فرمایا یہ تو اس کی نقصان عقل ہے' کیا ایسا نہیں کہ ماہواری کے دنوں میں وہ نماز' روزہ نہیں کر سکتی۔ عرض کیا یہ بھی صحیح ہے۔ فرمایا یہ دین کی کمی ہے۔

یہ حدیث صحیح مسلم میں صفحہ ۶۰ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابی سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت سے 'صحیح بخاری صفحہ ۴۴ جلد ا میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے اور کنزالعمال صفحہ ۳۹۵ جلد ۱۱ (طبع جدید) میں بحوالہ ابن حبان و مستدرک حاکم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے۔ اس آیت کریمہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ عورتوں کی شہادت اموال میں معتبر ہے اور حدود و قصاص میں معتبر نہیں۔۔۔ اس کی تفصیلات کتب تفسیر شروح حدیث اور کتب فقہ میں موجود ہے حافظ ابن حزم ظاہری "مراتب الاجماع" میں لکھتے ہیں:

واتفقوا علٰی قول رجل وامراتین کما ذکرنا فی الرجال سواء بسوا ان لم یوجد رجلان فی الدیون من الاموال حاصۃ

(مراتب الاجماع ص ۵۳)

ترجمہ :"اور فقہاء کا اتفاق ہے دیون و اموال کے مقدمات میں دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے۔ جب کہ ان میں عدالت وغیرہ کی وہ تمام صفات پائی جائیں جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔"

واضح رہے کہ ابن حزم نے "مراتب الاجماع" میں صرف ان اجماعیات کو ذکر کیا ہے جو ضروریات دین میں داخل ہیں اور جن کا منکر خارج از اسلام قرار پاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

وانما ندخل فی هذا الکتاب الاجماع التام الذی لا مخالف فیه البتة الذی یعلم کما یعلم ان الصبح فی الامن والخوف رکعتان وان شهر رمضان هو الذی بین شوال و شعبان وان الذی فی المصاحف هوالذی اتی به محمدصلی الله علیه وسلم وسلم واخبرانه وحی من الله وان فی خمس من الابل شاة ونحو ذالک۔

(صفحہ ۱۲)

ترجمہ :"ہم اس کتاب میں صرف "اجماع تام" کو ذکر کریں گے۔ جس میں سرے سے کوئی اختلاف نہیں۔ اور جو اس طرح معلوم ہے جس طرح کہ یہ بات معلوم ہے امن اور خوف میں صبح کی نماز کی دو ہی رکعتیں ہیں۔ اور رمضان سے مراد وہ مہینہ ہے جو شعبان اور شوال کے درمیان ہے۔ اور یہ کہ قرآن کریم کے نسخوں میں جو کچھ لکھا ہے وہ وہی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اور آپ نے بتایا تھا کہ یہ وحی من اللہ ہے۔ اور یہ کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری بطور زکوٰۃ واجب ہے۔ وغیرہ۔"

اور صفحہ نمبر۱۰ پر لکھتے ہیں

ومن شرط الاجماع الصحیح ان یکفر من خالفه
بلا اختلاف بین احد من المسلمین

ترجمہ :"اجماع کی شرط میں سے ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا کافر ہو جاتا ہے' اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

افسوس ہے کہ مغرب پرستی کی نحوست لوگوں کے دل و دماغ پر اس قدر مسلط ہے کہ وہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے صریح احکام سے بھی سرتابی کرتے ہیں۔ ایوب خان کے دور میں ڈاکٹر فضل الرحمن نے یہ شوشہ چھوڑا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے قائم مقام اس لیے قرار دی گئی تھی کہ اس دور کی عورتیں اَن پڑھ جاہل ہوتی تھیں آج کے دور کی عورتیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت مہذب ہیں اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ آج بھی عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت سے نصف ٹھہرایا جائے۔ جو لوگ قرآن کریم کے صریح احکام کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہوں اور جو آج کی عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی محترم خواتین (امہات المومنین اور صحابیات) سے بہتر اور افضل سمجھتے ہوں ان کا دین ہی نہیں بلکہ ان کی عقل و فہم بھی لائق صد ماتم ہے۔

فانا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه
محمد وآله واصحابه اجمعین۔

حدیثِ رسولؐ پر شیم شیم کے نعرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی :

ایک مومن کے اسلام و ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسولؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر اس کے سامنے سر جھکا دیا جائے' اور بغیر کسی حیل و حجت کے اسے تسلیم کر لیا جائے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فلا وربک لا یومنون حتٰی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (النساء ۵۶)

ترجمہ :"سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے' پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی' تیرے فیصلے سے' اور قبول کریں خوشی سے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے :

وماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینًا۔ (الاحزاب ۶۳) :

ترجمہ :"اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا' جب کہ مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے

اختیار اپنے کام کا' اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی' سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر۔"
(ترجمہ شیخ الہندؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے :

کل امتی یدخلون الجنة الا من ابی قالوا ومن ابی؟ قال من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی۔
(صحیح بخاری)

ترجمہ :" میری امت کے سب لوگ جنت میں جائیں گے سوائے اس شخص کے جس نے انکار کیا۔ عرض کیا گیا کہ کس نے انکار کیا؟ فرمایا۔ جس نے میرا کہا مانا وہ جنت میں گیا' اور جس نے حکم عدولی کی اس نے انکار کیا۔"

حضرت امام العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ نے "اکفار الملحدین" میں حضرت امام قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی (کدو) کو پسند فرماتے تھے۔ مجلس میں ایک شخص نے کہہ دیا کہ مجھے تو پسند نہیں' فرمایا کہ یہ شخص زندیق ہے' اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے معارضہ کیا ہے' اس کے قتل کا حکم دے دیا' اس نے توبہ کی تو اس کی جان بخشی ہوئی ۔باوجودیکہ اس کا مقصود حدیث نبویؐ کو رد کرنا نہیں' بلکہ اپنی طبعی رغبت کا اظہار تھا' مگر خاص اس موقعہ پر یہ اظہار حدیث نبویؐ کے ساتھ گستاخی تھی اس لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے (جو اس وقت قاضی القضاۃ بھی تھے) اس کو کفر و ارتداد قرار دے کر اس شخص کے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ بلاشبہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان رکھتا ہو اور جس کے دل میں

ارشادات نبویؐ کی عظمت ہو وہ ایسی گستاخی کو برداشت نہیں کر سکتا۔

اخباری اطلاع کے مطابق ہماری قومی اسمبلی کے بجٹ سیشن میں اسمبلی کے ایک معزز رکن نے خواتین اسلام کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی' جس پر خاتون ارکان نے "شیم شیم" کے نعرے بلند کئے اور اس رکن اسمبلی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں' مگر جب موصوف نے یہ کہا کہ یہ الفاظ میرے نہیں' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں' میں ان کو واپس کیسے لے سکتا ہوں تو یہ خواتین بطور احتجاج اسمبلی سے واک آؤٹ کر گئیں' اور دوسرے ارکان ان محترم خواتین کو بصد منت ولجاجت منا کر لائے۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ نہایت افسوسناک ہی نہیں' حد درجہ شرمناک بھی ہے۔ کاش اس موقع پر کوئی قاضی ابویوسف" ہوتا تو ان خواتین کی خوشامد کرنے کے بجائے ان کے بارے میں وہی حکم صادر کرتا جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ آہ ردۃ ولا ابابکر ھا۔

ان خواتین کو حدیث نبویؐ کے آئینے میں اپنا بدنما چہرہ نظر آیا' اور بجائے اس کے کہ وہ آئینہ کو سامنے رکھ کر اپنی اصلاح کرتیں انہوں نے روایتی حبشی کی طرح' حدیث رسولؐ پر "شرم شرم" کے نعرے بلند کر دیئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون تعجب بالائے تعجب یہ کہ نہ تو اراکین اسمبلی نے ان خواتین کی گستاخی کے خلاف کوئی احتجاج کیا نہ اسمبلی کے اسپیکر نے اس کا نوٹس لیا اور نہ ارباب حل و عقد میں سے کسی کا شرم کے مارے سر جھکا ہے جس ملک کے سب سے موقر قومی ادارے میں حدیث رسولؐ پر "شرم شرم" کے نعرے بلند ہو جاتے ہیں تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کا ملک کہلاتا ہے اور وہاں کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دم بھرتے ہیں' ہمارے اس کارنامے کو دیکھ کر یقیناً ابلیس بھی سربگریباں ہوگا اور آسمان کے فرشتے ہمارے دعویٰ مسلمانی پر شیم شیم کے نعرے بلند کرتے ہوں گے۔

قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین۔

(البقرہ:۹۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے ساتھ گستاخی بدترین کفرو ارتداد ہے۔ ہم حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جن خواتین نے اس گستاخی کا ارتکاب کیا ان کی رکنیت معطل کی جائے' خود ان خواتین کی خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو ان کی اس سنگین غلطی کا احساس دلایا جائے۔ اور انہیں تجدید ایمان کا حکم دیا جائے۔

خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان خواتین نے اپنے موقف کی تائید میں خواتین اسلام خصوصاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حوالہ دیا کہ وہ جنگوں میں زخمیوں کی مرہم پٹی اور انہیں پانی پلانے کی خدمت انجام دیا کرتی تھیں۔ یہ استدلال اس طبقہ کی طرف سے اکثر و بیشتر سامنے آتا ہے جس کی نمائندگی یہ برہنہ سر خواتین اسمبلی کر رہی ہیں' اس سے قطع نظر کہ یہ دلیل اپنے اندر کیا وزن رکھتی ہے' دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان خواتین نے یہ استدلال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مقابلہ میں پیش کیا ہے' کیا خدا و رسولؐ کے ارشادات سن کر منطق بگھارنا کسی مسلمان کا کام ہو سکتا ہے؟ ابلیس لعین کا جرم اس کے سوا کیا تھا کہ اس نے حکم الٰہی سن کر اسے منطق و دلیل کے ذریعہ رد کرنا چاہا تھا' جس کی وجہ سے وہ "ان علیک لعنتی الی یوم الدین" کا مستحق ہوا۔

علاوہ ازیں ان خواتین کا اپنی حالت کو امہات المومنینؓ اور صحابیاتؓ کی جنگی خدمات پر قیاس کرنا بھی قیاس فاسد ہے' کیا وہ بھی ان کی طرح میک اپ کر کے اور لباس فاخرہ زیب تن کر کے سر برہنہ اجنبی مردوں کے سامنے بصد ناز و تمکنت بیٹھا کرتی تھیں؟ ان حضرات کی جنگی حالت پر اپنی انجمن آرائی کو قیاس کرنا عقل و دانش کی آخر کون سی قسم ہے۔ میدان جنگ میں ضرورت و مجبوری کی بناء پر زخمیوں کی

مرہم پٹی اور پانی پلانے کی خدمات بجا لانے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ عورتوں کو کلبوں میں' جلسوں میں' اسمبلیوں میں' دفاتر میں بصد شان رعنائی و زیبائی اجنبی مردوں کے سامنے بیٹھنا' اور ان سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے دھڑک گفتگو کرنا بھی جائز ہے' عقل و فہم سے بالاتر چیز ہے۔

پھر ان خواتین نے یہ واقعات تو رٹ رکھے ہیں' جو نزول حجاب سے پہلے کے ہیں' لیکن انہیں یہ یاد نہیں رہا کہ قرآن کریم نے انہی امہات المومنین ؓ کو' جن کی جنگی خدمات کا یہ حوالہ دے رہی ہیں' یہ حکم فرمایا ہے :

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولٰی۔
(الاحزاب:۳۳)

ترجمہ :"اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں' اور نہ دکھلاتی پھرو جیسا کہ دکھانا دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اور انہیں قرآن حکیم کا یہ حکم بھی یاد نہیں رہا :

واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب' ذالک اطھر لقلوبکم وقلوبھن۔
(الاحزاب ۵۳)

ترجمہ :"اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ کام کی چیز تو مانگ لو پردہ کے پیچھے سے' اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور ان کے دل کو۔"

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

اور انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی یاد نہیں رہا :

کل عین زانیۃ وان المراۃ اذا استعطرت
فمرت بالمجلس فھی کذا وکذا یعنی زانیۃ۔

(رواہ الترمذی، ولابی داؤد و النسائی نحوہ۔ مشکوۃ)

ترجمہ :"ہر آنکھ (جو نامحرم کو دیکھے) زناکار ہے، اور عورت جب خوشبو لگا کر مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے، یعنی بدکار ہے۔"

اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد بھی یاد نہیں رہا کہ عورتیں رلت کے اندھیرے میں فجر کی نماز کے لئے آتی تھیں تو اپنی چادروں میں اس طرح لپٹی ہوئی ہوتی تھیں کہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ (مشکوٰۃ)۔

اور انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد بھی یاد نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ان کرتوتوں کو دیکھ لیتے جو انہوں نے آپؐ کے بعد شروع کر دیئے تو ان کو مسجدوں میں آنے سے اسی طرح روک دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری)۔

الغرض جنگی حالات میں خواتین اسلام نے نزول حجاب سے قبل جو خدمات ضرورت و مجبوری کی بنا پر انجام دیں ان کو پیش کر کے موجودہ دور کی مادر پدر آزادی اور فیشن زدہ مغربیت و بے حیائی کا جواز پیدا کرنا اور قرآن و حدیث کے دیگر نصوص سے آنکھیں بند کر لینا خود فریبی ہے۔

ہمارے روشن خیال طبقہ کی مصیبت یہ ہے کہ وہ بامر مجبوری خدا اور رسولؐ کا نام تو لیتا ہے، لیکن وہ مغربی تہذیب و افکار کے جال سے نکلنا نہیں چاہتا، وہ خدا اور رسولؐ کے حکم سے اپنی کسی نفسانی خواہش کو چھوڑنے اور اپنے کسی غلط نظریہ کی اصلاح کرنے کے لئے آمادہ نہیں، اس کی خواہش یہ ہے کہ اسے ہر من مانی کرنے کی

کھلی چھٹی ملنی چاہیئے۔ وہ اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا نہیں چاہتا؛ بلکہ اسلام کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔

ولو اتبع الحق اھوائھم لفسدت السمٰوات والارض۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا

محمدن النبی الامی وعلیٰ الہ واصحابہ

واتباعہ الی یوم الدین

(بینات ذوالقعدہ ۱۴۰۵ھ)

راجپال کے جانشین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد'

وطن عزیز میں معاصی کو جو روز افزوں ترقی ہو رہی ہے' اور شیطان نے ریڈیو' ٹی وی اور وی سی آر کے ذریعہ گندگی کا جو ڈھیر گھر گھر لا ڈالا ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

یہاں الحاد پرور اور دین بیزار فتنوں کا جو سیلاب آ رہا ہے' قادیانیت' انکار حدیث' رفض و بدعت اور خالص اباحیت کے جو فتنے عروج پر ہیں' وہ بھی سب پر عیاں ہیں۔

ان تمام جرائم و معاصی اور فتنوں کی اس تمام تر یورش کے باوجود وطن عزیز میں کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں کھل کر گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی تھی' اور قلوب اتنے مسخ نہیں ہوئے تھے کہ کوئی "راجپال" ایسی حرکت کرے اور کسی غازی علم الدین شہید" کی غیرت ایمانی جنبش میں نہ آئے' لیکن صد حیف! کہ آج ہمیں یہ "روزسیاہ" بھی دیکھنا نصیب ہوا کہ دریدہ دہن گستاخ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عصمت کو نوچ رہے ہیں لیکن نہ "اسلامی حکومت" کا قانون حرکت میں آتا ہے اور نہ کسی غیور مسلمان کا ہاتھ ایسے موذیوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔

گزشتہ دنوں عاصمہ جیلانی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ناشائستہ الفاظ استعمال کئے۔ جس کی صدائے بازگشت قومی اسمبلی میں سنی گئی اور

اخبارات میں اس کی حمایت و مخالفت میں مضامین شائع کئے گئے۔ آج ہی بہاولپور سے ایک دوست کا مضمون موصول ہوا جس میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے شعبہ اسلامیات کے ایک استاذ ڈاکٹر سلیمان اطہر کے مقالہ پر تنقید کی گئی ہے۔(یہ مضمون "بینات" کے پیش نظر شمارے میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے) یہ صاحب ایڈنبرا یونیورسٹی برطانیہ سے پی ایچ ڈی کر کے آئے ہیں اور وہاں کے یہودی اساتذہ نے ان صاحب سے جو مقالہ لکھوایا ہے اس کا عنوان ہے :

"مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
پیشہ ورانہ زندگی میں فوجی جاسوسی کا ارتقاء"

اس مقالے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے خود تراشیدہ' مفروضے پیش کئے گئے' اور خالص افترا اور بہتان تراشی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا گیا جس کی توقع کسی سڑے ہوئے یہودی سے بھی نہیں کی جا سکتی' لیکن ہماری حکومت نے نہ صرف یہ کہ اس سے بازپرس کی زحمت نہیں کی' بلکہ ہمارے محکمہ تعلیم نے "ایڈنبرا یونیورسٹی" کی مقدس ڈگری دیکھ کر اسے اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کا پروفیسر بنا دیا ہے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

محکمہ تعلیم میں سلیمان اطہر کی قماش کے نہ جانے کتنے ملحد اور زندیق گھسے ہوئے ہیں۔ جن کا محبوب مشغلہ ہی نوجوان نسل کو اسلام اور پیغمبر اسلام سے برگشتہ کرنا ہے۔ ہمارے یہاں معیار فضیلت صرف ڈگری ہے یہ دیکھنا قطعاً" غیر ضروری سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص دین و مذہب کا قائل بھی ہے' یا نہیں۔ جس قوم کے نظام تعلیم کا یہ حال ہو اس سے کسی خیر کی توقع کیا ہو سکتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اہل ایمان کا مرجع عقیدت و ایمان ہے' آپؐ کی شان میں اشارہ اور کنایہ کے طور پر ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی بھی سلب ایمان

کی موجب ہے' راقم الحروف اس موضوع پر شرعی حکم کی تفصیل لکھنا چاہتا تھا' مگر ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا قاضی زاہدالحسینی مدظلہ کا مختصر سا مضمون اس سلسلہ میں موصول ہوا' اس لئے خود لکھنے کے بجائے موصوف کا مضمون ان صفحات میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں :

قرآن عزیز نے سیددوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

۱۔ "اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔"

(سورۃ الانشراح پارہ ۳۰)

۲۔ "اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔"

(سورۃ النساء پارہ ۵)

۳۔ "اور آپ کی اخروی زندگی اس پہلی زندگی سے بہتر ہے۔"

(سورۃ والضحیٰ پارہ ۳۰)

امت محمدیہؐ کو آپ کے احترام اور توقیر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا :

۱۔ "وتوقروہ" اور اس نبی علیہ السلام کا احترام اور ادب کرو۔"

(سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲)

۲۔ "اور تم ایسے نہ بنو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان کو دکھ دیا تھا۔"

(سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲)

۳۔ "اور تمہیں زیبا نہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کو دکھ دو۔"

(سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲)

چونکہ اسلام میں آپ کے ادب و احترام اور شان رفیع کے اکرام کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنے سے منع فرمایا :

"اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر ہرگز بلند نہ کرو۔"

(الحجرات پارہ ۲۶'۲)

ورنہ اس بے باکی اور لاابالی پن کی سزا یہ ملے گی کہ:

"تمہارے سارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم سمجھ بھی نہ سکو گے۔"

(الحجرات پارہ ۲۶)

اس لیے کوئی ایسا کلمہ بلا ارادہ بھی منہ سے نہ نکالو کہ جس سے دشمنان اسلام توہین کا پہلو لے کر دل کے خبث کو ظاہر کر سکیں۔

فرمایا :

"اے مسلمانو! راعنا کا کلمہ نہ کہو بلکہ (اس کے ہم معنی) انظرنا کا کلمہ کہو اور نبی علیہ السلام کے ارشادات کو سنو (ورنہ گستاخی سے کفر لازم آ جائے گا) اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

(سورۃ بقرہ پارہ ۱ آیت ۱۰۴)

ایسے گستاخ کی سزا دنیاوی طور پر یہ ارشاد فرمائی :

"جہاں بھی پائے جائیں ان کو پکڑا جائے۔ اور ان کو پرزے

پرزے کر دیا جائے۔" (پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب ۶۱)

ایسے گستاخ کی جڑ ہی کاٹ دی جائے۔ فرمایا :

"بے شک آپ پر عیب لگانے والوں کی جڑ ہی کاٹ دی جائے گی۔"

(سورۃ کوثر پ ۳۰)

اور اخروی سزا کو یوں ارشاد فرمایا :

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوفت پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

(سورۃ توبہ آیت ۶۱)

اور ایسے گستاخ کے دونوں جہانوں میں ملعون ہونے کو یوں ارشاد فرمایا :

"جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کوفت پہنچاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا گیا ہے۔"

(سورۃ احزاب آیت ۵۷)

اسلام میں غیر مسلم وفادار شہری کو ذمی کہا جاتا ہے' ذمی کی جان' مال عزت کی حفاظت کرنا اسلامی حکومت کا فریضہ ہے' بلکہ ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ :

"جو شخص کسی ذمی کو قتل کر دے گا اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے"۔

مگر یہی ذمی اگر اپنے عہدوپیمان کو توڑتے ہوئے سید

دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گندہ دہنی کا مظاہرہ کرے گا تو اس کے بارہ میں فرمایا :

"اگر انہوں نے اپنے عہدو پیمان کو توڑ دیا(شان رفیع میں گستاخی کر ڈالی) تو ان کفر کے راہ نماؤں کو قتل کر ڈالو ان کے عہدو پیان کا کوئی اعتبار نہیں۔"

(پ ۱۰ سورۃ توبہ آیت ۱۲)

اس لیے سیددوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس سے لے کر آج تک تمام علماء اسلام کا اس امر پر اجماع ہے کہ :

" سیددوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں صراحتاً" یا کنایتاً" گستاخی کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور اس کی بیوی اس پر طلاق ہو جاتی ہے"۔

(امام ابویوسفؒ کی مرتبہ کتاب الخراج)

چونکہ یہ بہت بڑا جرم ہے جس سے اسلام کی مقدس عمارت میں شگاف پڑ سکتا ہے۔ اس لیے ایسے گستاخ کی توبہ کے بارہ میں امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا یہ مسلک ہے کہ :

"اس کی توبہ بھی قبول نہیں اس لئے قتل کر دیا جائے۔"

(الصارم المسلول مرتبہ حافظ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ)

امام ابوحنیفہؒ اور شوافع کے ہاں اس کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے۔ البتہ اس کی سچی توبہ کا معیار یہ مقرر کیا گیا ہے جیسا کہ سابق دولت عثمانیہ کے فرمانروا سلطان سلیمان خان مرحوم نے اپنے تمام قاضیوں کو (جو کہ فقہ حنفی پر احکام صادر فرماتے تھے کہ حکومت کا قانون اس وقت فقہ حنفی ہی تھا)۔ یہ فرمان جاری فرمایا تھا کہ :

"ایسے آدمی کی توبہ کے بعد نگرانی کی جائے اگر اس میں ندامت اور انابت اور محبت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہو جائے تو بہتر ورنہ اگر اسی طرح باغیانہ خیالات اور گستاخانہ رویہ رہے تو فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کی رو سے اسے قتل کردیا جائے۔"

(رسائل شامی جلد ۱ ص ۳۴۸)

تمام مکاتب فکر کے جید اور محقق علماء کرام نے خاص اس مسئلہ پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں :

۱۔ کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ مرتبہ قاضی عیاض اندلسی مالکی م ۵۴۴ھ۔

۲۔ الصارم المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام حافظ ابن تیمیہ حنبلی م ۷۲۸ھ۔

۳۔ السیف المسلول علی شاتم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مولفہ امام تقی الدین سبکی شافعی م ۷۵۶ھ

۴۔ کتاب الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام (صلی اللہ علیہ وسلم) از علامہ شامی حنفی۔

۵۔ ان تمام کتابوں کا خلاصہ اردو زبان میں "با محمد باوقار" میں ہے۔

گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا کا خلاصہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کے نزدیک ایسے لوگ مطلقاً واجب القتل ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اگر وہ اپنی غلطی کا صاف صاف اقرار کرکے توبہ کرلیں اور ایمان کی تجدید کرلیں تو ان کی جان بخشی ہو سکتی ہے' ورنہ ان کو قتل کردیا جائے۔

ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ توبہ کے باوجود "سلیمان اطہر" کی ڈگری منسوخ قرار دی

جائے اور تعلیمی شعبہ کا دروازہ اس کے لیے بند کیا جائے۔ اس کے اس نجس اور غلیظ مقالہ کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے۔

وصلى الله تعالى على خير خلقه صفوة البرية محمد وآله واصحابه اجمعين۔

(بینات زوالقعدہ ۱۴۰۶ ھ)

حدود آرڈی نینس

کے خلاف غوغا آرائی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

قرآن کریم میں زانی غیر محصن کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر۔

(النور: ۲)

ترجمہ: "بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں۔ اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر۔

(ترجمہ شیخ الہندؒ)

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اپنے فوائد میں لکھتے ہیں:

"یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو' ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو' یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر موثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حاکم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اس کا کوئی حاکم سخت ہو یا نرم' مجموعہ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہو گی"

اس آیت کریمہ میں پوری صفائی اور وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ زانی پر حد جاری کرنا اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین ہے۔ اور جو لوگ دین خداوندی پر ایمان رکھتے ہیں اور جنہیں محاسبہ آخرت پر بھی ایمان ہے ان کا یہ فرض ہے کہ حکم خداوندی کے نفاذ میں کسی رورعایت سے کام نہ لیں اور مجرم کے حق میں شفقت کا ادنیٰ سے ادنیٰ داعیہ بھی ان کے دل میں پیدا نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ ان کے ایمان کا عقلی و منطقی تقاضا ہے۔

حدود النبیہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک خاتون پر قطع ید کی حد جاری کرنے کا فیصلہ فرمایا تو بعض حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب بن محبوب حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سفارش کے لئے بھیجا کہ اس سے حد معاف کر دی جائے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غضب ناک ہوئے اور فرمایا :

اتشفع فی حد من حدود اللہ؟

ترجمہ :"کیا تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو۔

اور پھر خطبہ دیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا :

انما اھلک الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ! لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔ (صحیح بخاری ص ۴۹۴ ج ۱، ص ۱۰۰۳ ج ۱)

ترجمہ :" تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ اگر ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کوئی چھوٹے درجے کا شخص چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے اور اللہ کی قسم! اگر

فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا
بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے قانون سزا کے نفاذ میں کسی قسم کی نرمی و مداہنت اور کسی قسم کی سفارش بھی ناقابل برداشت ہے اور اس میں شریف و وضیع کا امتیاز بھی موجب ہلاکت ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا ہے :

اقامة حد من حدود الله خير من مطر اربعين
ليلة فى بلاد الله عز وجل۔

(ابن ماجہ ص ۱۸۲ مشکوٰۃ ص ۳۱۳)

ترجمہ :"اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کا قائم کرنا اللہ تعالیٰ کی زمین پر چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

حد يعمل فى الارض خير لاهل الارض من ان
يمطروا ثلاثين صباحا (وفى رواية اربعين صباحا)۔

(نسائی ص ۲۵۶ ج ۲ مسند احمد ص ۴۰۲ ج ۲)

ترجمہ :"ایک حد جو زمین میں نافذ کی جائے وہ زمین والوں کے لئے تیس چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔"

جب تک مجرم کا معاملہ عدالت تک نہ پہنچے اس کی پردہ پوشی کا حکم ہے لیکن جب قضیہ عدالت میں آجائے اور تحقیق و تفتیش کے بعد جرم ثابت ہو جائے تو حد کا نفاذ ناگزیر ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقرار پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سنگسار کرنے کا حکم فرمایا مگر حضرت ہزال رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بارگاہ نبویؐ میں حاضر ہونے اور اقرار جرم کرنے کا مشورہ دیا تھا، ان سے فرمایا :

یا ھزال لوسترتہ بردا ئک لکان خیرا لکہ

(موطامالک ص ۶۸۴'ابوداؤد ص ۲۸۵ ج ۲' مسند احمد ص ۲۱۷ ج ۵)

ترجمہ :"ہزال !اگر تم اس پر پردہ ڈال دیتے تو تمہارے حق میں بہتر ہوتا۔"

ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت کا یہ عالم ہے کہ مشورہ دینے والے کو پردہ پوشی کا حکم فرماتے ہیں اور دوسری طرف حد کے نافذ کرنے میں کوئی رو رعایت نہیں فرمائی جاتی۔

پاکستان میں ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ (دس فروری ۱۹۷۹ء) کو حدود آرڈی نینس 'نافذ ہوا ۹ سال کے عرصہ میں اس کے خلاف کوئی معتدبہ آواز نہیں اٹھائی گئی 'لیکن ۲۰ فروری کو انگریزی اخبار "ڈان" میں اور ۳ فروری ۱۹۸۸ء کو ملک کے کثیر الاشاعت اردو اخبار "جنگ کراچی" میں یکایک حدود آرڈی نینس کے خلاف ایک اشتہار شائع ہوا۔ جس کا عکس درج ذیل ہے۔

"کیا بربریت کو قانون کا تحفظ حاصل ہونا چاہیے؟"

"۱۸۰۔عورتیں ملتان جیل میں سزا کاٹ رہی ہیں۔

۴۴۔عورتیں کراچی سینٹرل جیل میں مقدمے کی منتظر ہیں۔

۱۰۔عورتیں سکھر جیل میں مقدمے کی منتظر ہیں۔

۴۰۔عورتیں لاہور جیل میں مقدمے کی منتظر ہیں۔

یہ سب زنا آرڈیننس ۱۹۷۹ء کے تحت ملزم ہیں۔

یہ آرڈیننس مارشل لاء کے حکم کے ذریعے نافذ کیا گیا اور موجودہ حکومت نے ۱۹۸۵ء میں اس کی توثیق کی۔

نتیجہ : انصاف کے تقاضوں کی پامالی:

جہاں منا۔عمر ۱۳ سال زنا بالجبر کا شکار بنی۔نتیجے میں حاملہ ہوئی۔

آج زنا کے جرم میں تین سال قید بامشقت کاٹ رہی ہے۔ اور
اسے سو کوڑے اس کے بچے کے دو سال عمر پانے پر لگیں گے۔
جہاں منا حدود آرڈیننس کے تشدد کی صرف ایک مثال ہے۔

حدود آرڈیننس غیر منصف ہے۔ اس کا شکار غریب اور بے
سہارا ہیں۔ یہ سرعام کوڑے اور سنگساری کی سزائیں دے کر
معاشرے میں تشدد کو جنم دیتا ہے اس قانون کے تحت عورتوں کا
اپنی شادی یا طلاق کے بارے میں مرضی رکھنا خوفناک نتائج کا حامل
ہو سکتا ہے۔ یہ عورتوں پر جبر کو فروغ دیتا ہے۔ زنابالجبر کی شکار
عورت سزاوار ہے اور زانی آزاد۔

بربریت کو قانون کا تحفظ نہیں ملنا چاہیئے۔

ہم پاکستان کے تمام انصاف پسند شہریوں کو دعوت عمل دیتے
ہیں کہ وہ اس آرڈیننس کی بنیادی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائیں
اور سرگرمی سے اس کی تنسیخ کی جدوجہد میں شامل ہوں۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء کو فوری طور پر منسوخ کیا
جائے اور زناء آرڈیننس کے تحت دی گئی تمام سزاؤں کی تنسیخ کی
جائے۔

نام ــــــــــــــ دستخط ــــــــــــــ

"ایکشن کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈیننس پی او بکس نمبر ۴۶۳۱ ۔
کراچی کو ارسال کریں"

اس اشتہار سے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ اشتہار جاری کرنے والے کون ہیں اور یہ

کہ "کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈیننس" کی نقاب سیاہ کن چہروں نے پہن رکھی ہے؟ تاہم یہ یقین تھا کہ یہ فعل کسی رافضی' قادیانی' مجوسی یا پارسی کا ہو سکتا ہے' کسی مسلمان کا نہیں۔ اس پر علمائے کرام کیطرف سے شدید احتجاج کیا گیا اور اس اشتہار کے ذریعہ اسلامی قوانین کی اہانت کرنے والوں کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔ روزنامہ جنگ کے ایڈیٹر انچیف جناب میر خلیل الرحمٰن نے علمائے کرام کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران اس اشتہار کی اشاعت پر سخت افسوس کا اظہار کیا اور اس پر معذرت شائع کرنے کا وعدہ کیا' چنانچہ اگلے روز ۴ فروری کو روزنامہ "جنگ" نے درج ذیل معذرت شائع کی۔

"اعتذار"

روزنامہ جنگ کے شعبہ اشتہارات کی غفلت سے ۳ فروری کی اشاعت صفحہ اول پر "کیا بربریت کو قانون کا تحفظ حاصل ہونا چاہئے" کے زیر عنوان ایک اشتہار شائع ہوا ہے جس میں حدود آرڈی نینس کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس اشتہار کے مندرجات کا ادارہ "جنگ" سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اشتہار اس سے قبل بعض دوسرے اخبارات میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ "جنگ" میں اس اشتہار کی اشاعت کے بعد علمائے کرام نے اس جانب توجہ دلائی جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ اس اشتہار کی اشاعت پر ہم اللہ رب العزت سے معافی کے طلب گار ہیں اور اپنے مسلمان بھائیوں سے بھی معذرت خواہ ہیں جن کی' ہمارے اخبار میں اس اشتہار کے چھپنے سے' دل آزاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔ آمین

"ادارہ جنگ"

علمائے کرام کے شدید احتجاج پر وہ سیاہ چہرے نقاب تقیہ سے باہر آ گئے جنہوں نے اپنے کفرو نفاق کا مظاہرہ "کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈیننس" کے پردہ میں کیا تھا۔ چنانچہ ۷ فروری کو جنگ کراچی میں مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی۔

"حدود آرڈی نیس ناانصافی پر مبنی ہے
"دراب پٹیل' رشید رضوی' اقبال حیدر اور دیگر رہنماؤں کا بیان"

"کراچی (اسٹاف رپورٹر) پاکستان میں حقوق انسانی کمیشن کے چیئرمین مسٹر جسٹس (ریٹائرڈ) دراب ایف پٹیل' کراچی بار ایسوسی ایشن کے صدر مسٹر رشید اے رضوی' قومی محاذ آزادی کے سیکریٹری جنرل مسٹر اقبال حیدر' مسٹر اروشیر کاؤزجی' پروفیسر ظفر عارف' مزدور لیڈر مسٹر نبی احمد' ایس پی لودھی' مسٹر شفیق قریشی' ابوبکر زرداری اور مسٹر منیر چانڈیو سمیت متعدد وکلاء اور خواتین نے ایک مشترکہ بیان میں حدود آرڈیننس کو منسوخ کرنے کی مہم کی حمایت کا اعلان کیا ہے اور کہا ہے کہ حدود آرڈیننس مبہم اور ناانصافی پر مبنی ہے۔ اور پاکستان میں اسے جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ مرد اور عورت دونوں کے حقوق کے منافی ہے انہوں نے فیملی لاء آرڈی نینس کے خلاف شائع ہونے والے بیانات کی بھی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ حدود آرڈی نینس کو فوری طور پر منسوخ کیا جائے اور مسلم فیملی لاء آرڈی نینس کو برقرار رکھا جائے۔"

"جنگ کراچی ۷ فروری ۱۹۸۸ء"

اس خبر میں جن 'راہنماؤں' کے نام ذکر کئے گئے ہیں وہ قریباً سب کے سب الاماشاء اللہ رافضی' قادیانی' مجوسی' دہریے اور لادین ہیں۔ اس کا تجزیہ آسانی کے ساتھ اس طرح ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بینک اکاؤنٹ میں اپنے آپ کو "نان مسلم" لکھوایا ہوگا

ــــــــــیا جعفری۔

پاکستان میں حدود آرڈی نینس کا نفاذ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰ فروری ۱۹۷۹ء کو ہوا تھا ۹ برس کے طویل عرصہ میں اس کے خلاف معتدبہ آواز نہیں اٹھی۔ سوال یہ ہے کہ ۲۔ ۳ فروری ۱۹۸۸ء کو ملک کے اندر ایسا کونسا طوفان برپا ہو گیا تھا جس نے "کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈی ننس" کو یکایک بربریت کا اشتہار شائع کرنے پر آمادہ کر دیا' اور اس کے بعد حدود کے خلاف مسلسل بیانات شائع ہونے لگے۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ملیر اسٹیشن کے علاقہ میں ایک خاتون مسماۃ شاہدہ پروین نے اپنے شوہر خوشی محمد سے ۱۲ اپریل ۱۹۸۶ء کو طلاق حاصل کر لی اور عدت کے بعد ایک اور شخص مسمی محمد سرور سے عقد کر لیا۔ شاہدہ پروین کے سابق شوہر خوشی محمد نے ۱۸ جون ۱۹۸۶ء کو ان دونوں (محمد سرور اور شاہدہ پروین) کے خلاف حدود آرڈی نینس کے تحت مقدمہ درج کرا دیا۔ مقدمہ کی بنیاد یہ تھی کہ:

(الف) :۔ چونکہ عائلی قوانین کے مطابق طلاق نامہ کی نقل یونین کونسل کے چیئرمین کو نہیں بھیجی گئی۔ لہٰذا طلاق نامہ جعلی ہے۔ اور شاہدہ پروین قانوناً خوشی محمد کی بیوی ہے۔

(ب) :۔ چونکہ عائلی قوانین کی دفعہ ۷ (۳) کی رو سے طلاق کی عدت نوے دن ہے۔

(ج) :۔ اور چونکہ محمد سرور اور شاہدہ پروین کا عقد نوے دن سے پہلے ہوا ہے۔

(د) :۔ اور چونکہ عدت کے اندر نکاح نہیں ہو سکتا۔'

لہٰذا یہ دونوں زنا کے مرتکب ہوئے ہیں اور چونکہ یہ دونوں محصن ہیں لہٰذا ان پر حدود آرڈی نینس کے تحت سزائے رجم جاری کی جائے۔ ۵ مارچ ۱۹۸۷ء کو فرد جرم عائد کی گئی۔ دونوں ملزمان نے جرم کی صحت سے انکار کیا۔ انہوں نے ضابطہ فوجداری کی دفعہ

۳۴۲ کے تحت اپنے بیانات میں الزامات کی تردید کی اور کہا کہ مدعی خوشی محمد نے اپنی بیوی شاہدہ پروین کو طلاق دے دی تھی۔ اور اس نے عدت کے بعد محمد سرور سے شادی کی ہے۔ ایڈیشنل سیشن جج مسٹر نصیرالدین ابڑو کی عدالت میں مقدمہ کی سماعت ہوئی فاضل جج نے نومبر ۸۷ء میں دونوں ملزموں کے سنگسار کئے جانے کا فیصلہ دیا۔

ملزمان نے اس فیصلہ کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں اپیل کی۔ ۳ فروری ۸۸ء کو اپیل کی سماعت ہو رہی تھی۔ اس لئے اشتہارات اور بیانات کے ذریعہ حدود آرڈی ننس کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان برپا کرنا ضروری سمجھا گیا۔

حدود آرڈی نینس کے خلاف اس پروپیگنڈا مہم کا پس منظر سامنے آ جانے کے بعد اب ہم اس پروپیگنڈہ مہم کے بارے میں چند امور کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔

اول:

اس پروپیگنڈا مہم میں جو نکتہ سب سے نمایاں نظر آتا ہے وہ عورتوں کے حقوق کی دہائی ہے' ان اشتہارات و بیانات کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے گویا پاکستان میں حدود آرڈیننس کے ذریعہ عورت کی عزت و ناموس پر ناقابل برداشت حملہ کر دیا گیا ہے اور "کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈیننس" کی نقاب پوش تنظیمیں عورتوں کے حقوق بحال کرانے جا رہی ہیں۔

حالانکہ حدود آرڈی نینس اول سے آخر تک دیکھ جایئے اس میں ثبوت جرم کے بعد مرد اور عورت کی سزا میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت میں بھی ایسے مجرموں کے لئے (جن کا جرم اقرار صالح یا شہادت صحیحہ کے ذریعہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے) ایک ہی سزا تجویز کی گئی ہے اور مرد و عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔ اور خود وہ فیصلہ جس کی وجہ سے یہ پروپیگنڈا مہم شروع کی گئی (اس سے قطع نظر کہ وہ فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق اور قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح ہے یا نہیں) اس میں بھی مرد و عورت سے کوئی امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ بلکہ مرد و عورت دونوں

کے لئے ایک ہی سزا تجویز کی گئی ہے۔

بلکہ حدود آرڈی نینس کے مطابق زنابالجبر کی صورت میں جبر کرنے والے پر سزا جاری ہو گی۔ جب کہ مظلوم ،جس کو زنابالجبر کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ سزا سے بری ہوگا۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ زنا بالجبر کا اکثر و بیشتر ارتکاب مردوں ہی کی جانب سے ہو سکتا ہے۔ گویا عورت کے حق میں یہ ایک رعایت ہے کہ وہ کسی مقدمہ میں اپنے کو مظلوم اور جانب مخالف کو جبر کا مرتکب قرار دے کر سزا سے بچ سکتی ہے۔

ان تمام امور پر نظر کرنے کے بعد انصاف کیجئے کہ "حدود آرڈیننس" کے خلاف مہم چلانے والوں کا اس کو عورتوں کے حق میں بربیت قرار دینا اور عالمی تنظیموں کو "عورتوں کے حقوق" کی دہائی دینا محض جھوٹ اور فریب نہیں تو کیا ہے؟

دوم:

ہماری پولیس اور عدالتیں اس معاملہ میں خاصی نیک نام ہیں کہ وہاں انصاف فروشی کا باقاعدہ کاروبار ہوتا ہے اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ دن دہاڑے قتل کرنے والے انصاف خریدنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور بے گناہوں کو دھر لیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں اس کی وجہ سے قانون کے خلاف علم بغاوت کبھی بلند نہیں ہوا۔ اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جج نے نہایت دیانتداری سے فیصلہ کیا مگر اس سے مقدمہ کی اصل نوعیت سمجھنے یا قانون کے انطباق میں چوک ہو گئی اس لئے فیصلہ نظرثانی کا مستحق ٹھہرا۔ اس صورت میں قانون کو بدنام کیا جاتا ہے اور نہ جج کو موردِ ملامت سمجھا جاتا ہے۔ زیرِ بحث قضیہ میں بھی اگر پولیس نے یا عدالت نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور شرعی ثبوت کے بغیر (جس کی وضاحت حدود آرڈیننس میں بھی موجود ہے) ان دونوں افراد کے خلاف غلط فردِ جرم عائد کر دی یا جج سے قانون کے انطباق میں چوک ہو گئی اور دونوں ملزموں کو غلط سزا سنا دی گئی تھی تو آخر یہ کون سی عقل کا تقاضا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے قانون کے خلاف مکروہ زبان استعمال کی جائے اور اسے نعوذباللہ (بربیت) قرار دیا جائے۔

زیر بحث قضیہ میں دونوں ملزمان نے وفاقی شرعی عدالت میں اپیل دائر کی۔ اور ان کے فاضل وکلاء نے قرآن و سنت ہی کے حوالے سے ثابت کر دکھایا کہ یہ فیصلہ شرعی قانون کے خلاف ہوا ہے۔ چنانچہ وفاقی شرعی عدالت نے سیشن جج کے فیصلہ کو کالعدم قرار دیتے ہوئے اس کیس کی دوبارہ سماعت کا حکم صادر کیا۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے حدود آرڈیننس کے خلاف مہم چلا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پولیس نے جو مقدمہ بنایا وہ بالکل صحیح تھا اور سیشن عدالت نے جو سزا سنائی وہ بھی حدود آرڈیننس کے عین مطابق تھی۔ گویا یہ دونوں (پولیس اور جج) تو معصوم ہیں' ان سے قانون کے نفاذ اور انطباق میں کوئی غلطی نہیں ہوئی' نہ ہو سکتی ہے۔ خرابی اگر ہے تو صرف قانون میں ہے۔ لہٰذا اس قانون کے خلاف بغاوت ضروری ہے۔ اہل عقل غور فرمائیں کہ کیا یہ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی مذموم کوشش نہیں۔

سوم:

شاہدہ پروین کیس میں جو غلط فیصلہ کیا گیا اس کی بنیاد وہ کالا قانون ہے جو "مسلمانوں کا عائلی قانون" کے نام سے ایوب خان کے دور میں نافذ ہوا۔ اور جس کے نافذ کرنے والے لعنت خداوندی کے مستحق ہیں۔ شاہدہ کے سابق شوہر خوشی محمد نے اپنی بیوی کو تحریری طلاق دے دی تھی 'مگر یونین کونسل کے چیئرمین کو اس کی اطلاع نہیں کی گئی تھی' ایسی طلاق عائلی قانون کی رو سے موثر نہیں ہوتی پھر عائلی قانون کی دفعہ ۷ کی رو سے مطلقہ کی عدت ۹۰ دن ہے جب کہ شاہدہ نے عدت گزارنے کے بعد ۹۰ دن سے پہلے محمد سرور سے نکاح کر لیا تھا۔

> "شاہدہ پروین کے خلاف الزام یہ تھا کہ اس کا اس کے سابق شوہر خوشی محمد کے ساتھ نکاح قائم تھا' طلاق واقع نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس نے محمد سرور کے ساتھ لاہور میں شادی کر لی۔ اس طرح ان دونوں نے میاں بیوی کی حیثیت سے جو تعلقات قائم کیے وہ ناجائز تھے اور

چونکہ دونوں شادی شدہ تھے۔ اس لئے ان کو سنگسار کی سزا ملنی چاہئے۔"

(جنگ کراچی ۲۹ فروری ۱۹۸۸ء)

گویا شاہدہ پروین اور محمد سرور کو عائلی قانون نے زانی قرار دیا اور سیشن جج نے اسی عائلی قانون پر اعتماد کر کے ان دونوں کو زنا کا مجرم قرار دیا۔ یہ عائلی قانون جو صریحاً کتاب و سنت کے خلاف ہے' اور جو بھارت کی کافر حکومت کی کوششوں کے باوجود بھارت کے غیور مسلمانوں نے وہاں نافذ نہیں ہونے دیا۔ دراصل یہ قانون ظلم و ستم اور بربریت کا سبب بنا۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی نے اپنے ایک بیان میں فرمایا :

"حدود آرڈیننس نہ غیر منصفانہ ہے اور نہ وہ تشدد کو جنم دیتا ہے۔ قانون خالصتاً قرآن و سنت کے مطابق ہے اور منصفانہ عادلانہ قانون ہے' اس پر عمل کرنے سے تشدد اور بربریت کا خاتمہ ہوتا ہے' جس نے اس آرڈیننس کو بربریت پر مبنی قرار دیا ہے یا تو وہ صحیح صورتحال سے بے خبر ہے یا قوانین اسلام کا دشمن ہے' جس ظلم و بربریت کا تذکرہ اشتہار میں کیا گیا ہے حدود آرڈی نینس سے اس کا کچھ تعلق نہیں ہے اور زانی کا آزاد گھومنا اور زانیہ کا قید رہنا حدود آرڈی نینس کی کسی دفعہ کا تقاضا نہیں ہے نہ آج تک ایسا ہوا ہے کہ زنا یا اس سے متعلقہ جرم میں صرف عورت کو سزا ہوئی ہو اور مرد محفوظ رہا ہو۔ اس کے برعکس ایسا بے شمار دفعہ ہوا ہے کہ زانی مردوں کو سزا ہوئی ہے اور عورتیں زنا بالجبر کا عذر پیش کر کے سزا سے بچ گئیں' البتہ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ متعدد بے گناہ خواتین خلاف شریعت عائلی قوانین کی دفعہ ۷ کے باعث قید ہوئیں اور ان کو ناحق سزا بھگتنی پڑی۔ تازہ ترین مثال شاہدہ پروین کا مقدمہ ہے مثلاً اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو زبانی یا تحریری طلاق دے دے تو شریعت کی رو سے عورت عدت کے بعد کسی دوسری جگہ بلاشبہ نکاح کر سکتی ہے اور شرعاً اس کا یہ نکاح درست ہے' مگر موجودہ عائلی قوانین کے مطابق

اگر چیئرمین یونین کونسل یا کمیٹی کو طلاق کا نوٹس نہ دیا گیا ہو تو تین
طلاقوں کے باوجود عائلی قوانین کے تحت معتبر نہیں بلکہ زناکاری ہے
چنانچہ یہ واقعات پیش آئے ہیں کہ طلاق دینے والے شوہر نے عائلی
قانون کا سہارا لے کر اپنی سابق بیوی پر زنا کاری کا مقدمہ کر کے اسے
جیل بھجوا دیا حالانکہ شریعت کے اعتبار سے وہ عورت اپنے نئے شوہر کی
جائز بیوی تھی۔ اس طرح عورت عائلی قانون کی وجہ سے ظلم و بربریت
کا شکار ہو جاتی ہے جب کہ اسلامی شریعت کے لحاظ سے وہ عورت بے
گناہ ہے اور اس کا نکاح ثانی ہرگز بدکاری نہیں ہے۔ اس لئے مطالبہ
موجودہ عائلی قوانین کو بدل کر شریعت کے مطابق بنانے کا کرنا چاہئے نہ
کہ شریعت کے مطابق بنے ہوئے قانون یعنی حدود آرڈی نینس کو
منسوخ کرنے کا۔

(روزنامہ جسارت کراچی ۴ فروری ۱۹۸۸ء)

اور ملک کے نامور قانون دان جناب خالد اسحاق نے بھی وفاقی شرعی عدالت میں ملزمہ کی طرف سے صفائی پیش کرتے ہوئے عائلی قانون کی دفعہ ۷ کو غلطی کا اصل سبب قرار دیتے ہوئے کہا۔

"عائلی قانون کی دفعہ ۷ کے تحت طلاق کے موثر ہونے کے لئے چیئرمین
کو نوٹس دینے کی پابندی لازمی نہیں ہے اس سلسلے میں انہوں نے لاہور
ہائیکورٹ کے متعدد فیصلوں اور سندھ ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس تنزیل
الرحمٰن کے ایک حالیہ فیصلے کا حوالہ دیا۔ جس میں اس دفعہ کو غیر اسلامی
قرار دیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اگر سیشن عدالت کو طلاق کے جواز کے
بارے میں شکوک و شبہات تھے تو اسے اپنے طور پر تفتیش کر لینی چاہئے
تھی"۔

(جنگ کراچی ۴ فروری ۱۹۸۸ء)

ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے چشم بینا عطا فرمائی ہو وہ کھلی آنکھوں سے دیکھے گا کہ شاہدہ پروین کیس اور اس قسم کے اور بہت سے قضیوں میں اصل غلطی عائلی قانون کی ہے۔ لیکن "کمیٹی برائے منسوخی حدود آرڈیننس" کے نقاب پوشوں کی مسخ فطرت کا تماشا دیکھئے کہ وہ عائلی قانون کے تحفظ پر تو اصرار کرتے ہیں اور قرآن و سنت کے صریح قانون کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔

چہارم:

قرآن کریم نے (سورہ النور آیت ۲ میں) زانی غیر محصن (غیر شادی شدہ) کی سزا سو (۱۰۰) درے رکھی ہے زانی محصن (شادی شدہ خواہ مرد ہو یا عورت) کی سزا رجم سنگساری تجویز فرمائی گئی ہے۔ لیکن زنا کے ثبوت کی شرائط اتنی کڑی رکھی گئی ہیں کہ اس سزا کے جاری کرنے کے لئے جس قسم کے ثبوت کی شرط عائد کی گئی وہ بظاہر ناممکن الوقوع ہے۔ شریعت میں ثبوت جرم کے دو طریقے تجویز کئے گئے ہیں (اور یہ دونوں حدود آرڈیننس میں بھی درج ہیں) اول یہ کہ مجرم خود عدالت کے سامنے پیش ہو کر اپنے جرم کا اقرار کرے۔۔۔۔۔۔۔ عدالت کو پابند کیا گیا کہ مجرم کے پہلی یا دوسری اور تیسری بار کے اقرار کو مسترد کر دے اور اس کی طرف قطعاً التفات ہی نہ کرے۔ جب مجرم اپنے ضمیر و ایمان کے تقاضے سے مجبور کر چوتھی بار عدالت میں اقرار کرے تو عدالت کو چاہئے کہ مجرم کو اس اقرار سے منحرف ہونے کی تلقین کرے۔ کہ تو نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہوگا۔ تمہیں اشتباہ ہو رہا ہے شاید تم نشہ کی حالت میں اقرار کر رہے ہو۔ اور اگر مجرم ان تمام تلقینوں کے باوجود اپنے اقرار پر مصر رہے تو عدالت اس کی سزا کا فیصلہ کرے۔ اس کے بعد بھی اگر مجرم اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو سزا کا حکم واپس لے لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر سزا شروع ہونے کے بعد اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے یا بھاگ جائے تو بقیہ سزا موقوف کر دی جائے گی۔

اور ثبوت جرم کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چار عاقل بالغ، مسلمان، مرد شہادت دیں کہ ہم نے فلاں شخص کو فلاں عورت سے منہ کالا کرتے ہوئے عین دخول کی حالت میں دیکھا

اگر حالت زنا کے چار عینی عادل اور ثقہ گواہ اس طرح شہادت دیں تو جرم ثابت ہو جائے گا اور مجرموں پر سزا جاری ہوگی اور اگر ان چار گواہوں میں سے کسی کی شہادت میں اشتباہ یا تضاد ہو۔ یا ان کی ثقاہت و عدالت مشتبہ ہو تو جن کے خلاف شہادت پیش کی گئی ہے۔ ان پر فرد جرم عائد نہیں ہوگی۔ بلکہ خود ان گواہوں پر حد قذف (تہمت تراشی کی سزا جاری ہو گی۔ اور اگر شہادت کے بعد ان میں سے کوئی گواہ منحرف ہو جائے تب بھی مدعاعلیہ سے زنا کی سزا ساقط ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی اس سے انکار کرتی ہو تو وہ شوہر کو عدالت میں گھسیٹ سکتی ہے۔ اس صورت میں "لعان" کا حکم ہو گا جو سورۃ النور میں ذکر کیا گیا ہے۔

ثبوت جرم کی ان کڑی شرائط پر نظر کرتے ہوئے انصاف فرمایئے کہ کیا کسی بے ضمیر کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خود جا کر عدالت کے چار مختلف اجلاسوں میں اپنے جرم کا اقرار کر لے اور پھر سزا کے پورا ہونے تک اس اقرار پر قائم رہے؟ اور کیا عام حالات میں یہ ممکن ہے کہ کسی بدکار مرد اور عورت جوڑے پر چار ثقہ' عادل اور عینی گواہ جمع کر لئے جائیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ حدود (سزاؤں) کو بربریت قرار دے کر اپنے کفر اور خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ ثبوت زنا کی ان سنگین شرائط سے کیوں آنکھیں میچ لیتے ہیں۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ سزائے زنا کا نفاذ بہت ہی شاذونادر ہوا ہے اور وہ بھی زیادہ تر مجرم کے ضمیر کی خلش اور اس کے اپنے اقرار کی وجہ سے ہوا ہے۔ گویا زنا اور فحاشی کے انسداد کے لئے اسلامی شریعت نے "مارنے سے دھمکانا بہتر" کے اصول کی رعایت رکھی ہے۔

پنجم:

ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی میں زنا کی سزا بہت سنگین رکھی ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نظر ان سزاؤں کی سنگینی پر جاتی ہے اگر ان میں انسانیت کی کوئی رمق باقی ہے تو انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہئے کہ جس فعل پر یہ سزائیں مقرر کی گئیں وہ فعل کس قدر'

گھناؤنا اور کس قدر انسانیت سوز ہے جس معاشرہ میں زنا جیسے گندے عمل پر اس قسم کی سزا نہ رکھی گئی ہو ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ وہ معاشرہ زنا، بدکاری اور فحاشی میں گلے گلے تک ڈوبا ہوا ہے اور اسے انسانی معاشرہ کے بجائے کتوں اور خنزیروں کا معاشرہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا یہی عصمت و عفت انسانی خواص و صفات میں سب سے زیادہ قیمتی وصف ہے۔ جو معاشرہ اس کو پامال کرتا ہے وہ انسانیت کا دشمن اور انسانی اقدار کا قزاق ہے۔ وہ زمرہ انسانیت ہی سے خارج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام آسمانی مذاہب میں زنا کی سزا نہایت سنگین رکھی گئی ہے۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی "حجتہ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں:۔

واعلم انه كان من شريعة من قبلنا القصاص فی القتل والرجم فی الزنا والقطع فی السرقة فهذه الثلاثة كانت متوارثة فی الشرائع السماوية واطبق عليها جماهير الانبياء والامم ومثل هذا يجب ان يوخذ عليه بالنواجذ ولا يترک ولكن الشريعة المصطفوية تصرفت فيها بنوع اخر فجعلت مزجرة كل واحد على طبقتين احدهما الشديدة البالغة اقصٰی المبالغ ومن حقها ان تجعل فی المعصية الشديدة والثانية دونها ومن حقها ان تجعل فيما كانت المعصية دونها ففی القتل القود والدية والاصل فيه قوله تعالٰی ((ذلک تخفيف من ربكم))"۔

قال ابن عباس رضی الله عنهما كان فيهم القصاص ولم يكن الدية ـ وفی الزنا الجلد وكان اليهود لما ذهبت شوكتهم ولم يقدروا علٰی الرجم ابتدعوا التجبية والتسحيم ـ فصار ذلک تحريفا لشريعتهم ـ

فجمعت لنا بين شريعتى من قبلنا السماوية
والا بتداعية وذلك غاية رحمة الله بالنسبة الينا۔

(ص ۱۵۷ ج ۲)

ترجمہ :"جاننا چاہئے کہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت میں قتل میں قصاص تھا زنا میں رجم اور چوری میں ہاتھ کاٹنا پس یہ تین چیزیں آسمانی شریعتوں میں متواتر چلی آتی تھیں اور جمہور انبیاء اور امتوں کا اس پر اتفاق رہا۔ جو چیز ایسی ہو لازم ہے کہ اسے ہرگز نہ چھوڑا جائے بلکہ دانتوں سے مضبوط پکڑ لیا جائے۔ لیکن شریعت مصطفوی (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) نے ان سزاؤں میں ایک اور طریقے سے تصرف کیاکہ ہر سزا کے دو درجے قرار دیئے ایک نہایت سخت جو شدت اور سختی میں آخری نقطہ کو پہنچی ہوئی ہو ایسی سزا کا حق یہ ہے کہ وہ شدید ترین معصیت میں دی جائے۔ دوسری اس سے کم درجہ کی سزا اور اس کا حق یہ ہے کہ وہ کم تر درجہ کے جرم میں جاری کی جائے' چنانچہ قتل (عمد) میں قصاص اور (قتل خطامیں) دیت رکھی۔ اس کی دلیل حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ "یہ آسانی ہے تمہارے رب کی جانب سے" ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "پہلی امتوں میں قصاص تھا دیت نہیں تھی" اور زنا میں (رجم کے علاوہ) شوکت جاری رہی تھی اور وہ رجم پر قادر نہ رہے تو انہوں نے مجرم کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرنے کی بدعت ایجاد کی۔ پس یہ ان کا اپنی شریعت میں تحریف کرنا تھا ہمارے لئے پہلوں کی آسمانی اور ابتدائی دونوں شریعتوں کو جمع کر دیا گیا اور حکم دیا گیاکہ زانی محصن کو سنگسار کیا جائے اور غیر محصن کو کوڑے لگائے جائیں) یہ ہم پر حق تعالیٰ شانہ کی انتہائی رحمت تھی۔"

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا ہے کہ زانی کا رجم صرف اسلام کا

مسئلہ نہیں بلکہ انبیائے سابقین کی شریعتوں کا اجماعی مسئلہ ہے اور جو لوگ "انسانی حقوق" کے نام پر اس فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ ممسوخ الفطرت انسانی فطرت کے خلاف آمادہ جنگ ہیں اور ان کے بارے میں پیر رومی" کی زبان سے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ۔

نیستند آدم، خلاف آدم اند　　　　　ایں بہائم در غلاف آدم اند

گذشتہ سطور سے واضح ہوا ہوگا کہ حدود آرڈی نینس کی مخالفت کے پردہ میں اسلامی قانون سزا کے خلاف جو غوغا آرائی کی گئی ہے یہ عقل و دانش کا تقاضا ہے نہ شرف انسانیت کا اقتضا ہے۔ نہ انسانی حقوق کا مسئلہ ہے اور نہ صنف نازک سے ہمدردی کا معاملہ ہے یہ دراصل اسلام کے خلاف یہود و نصاریٰ اور دنیا بھر کے ملاحدہ کی بین الاقوامی سازش ہے جس کا آلہ کار اپنی کم علمی و نادانی سے ہمارے یہاں کے لوگ بنتا ہوئے ہیں۔

لادین قومیں پاکستان میں اسلام کے نفاذ سے خائف ہیں۔ اور وہ ہر قیمت پر اسے ناکام کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ کس قدر لائق شرم ہے یہ بات کہ ایک پارسی شخص پاکستان میں انسانی حقوق کمیٹی کا صدر بنا ہوا ہے۔ وہ نہایت جرات و بے شرمی سے مسلمانوں کو اسلامی قانون سے بغاوت کا درس دیتا ہے اور ساتھ ہی "ہندوستان کی ترقی پسندانہ قانون" کے مطالعہ کی پاکستانی مسلمانوں کو دعوت دیتا ہے۔ اس کی اور اس جیسے دوسرے نام نہاد قانون دانوں کی ساری زندگی انگریز کے قانون کفر کے مطابق فیصلے کرتے گذری ہے اور چونکہ ان کے دل و دماغ میں قانون کفر کی نجاست رچی ہوئی ہے اس لئے انہیں آج بھی ہندوستان کا قانون کفر عادلانہ نظر آ رہا ہے انہیں انسانی حقوق کی پامالی اگر نظر آتی ہے تو صرف قانون اسلام میں ——— یہ مسلمانوں کی بے حمیتی اور بے غیرتی کا انتہائی نقطہ ہے کہ وہ ایک اسلامی ملک میں ایسے موذیوں سے خدا کی زمین کو پاک نہیں کر دیتے۔

وان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمة الکفر انهم لا ایمان لهم لعلهم ینتهون۔ (التوبہ ۱۲)

ترجمہ :" اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگا دیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آویں۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد وعلٰی اله واصحابه اجمعین

بینات رجب ۱۴۰۸ھ

تحفظِ حرمین شریفین کانفرنس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بتاریخ ۱۶/۱۷/۱۸ ذی قعدہ ۱۴۰۸ھ لندن میں، سہ روزہ "تحفظ حرمین شریفین" کے موضوع پر ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مدیر اور سواد اعظم اہل سنت کے نائب صدر حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب بھی مدعو تھے۔ اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب نے جو مقالہ پیش فرمایا وہ اس ناکارہ کے قلم سے تھا، اس کا متن مع ترجمہ ذوالحجہ ۱۴۰۸ھ کے "بصائر و عبر" میں شائع ہوا۔ جو حسب ذیل ہے۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله وحده' والصلاة على من لا نبى بعده' وعلى من اتبع هداه وهديه' وبعد :

أيها الإخوة الكرام أرى من الواجب أن أقدم جزيل الشكر من أعماق قلبى إلى الإخوة الكرام' الذين قاموا بعقد هذا المؤتمر' ودعوة العلماء واصحاب الفكر لإلقاء محاضراتهم وكلماتهم القيمة فى هذا الموضوع المقدس' لارشاد الأمة الاسلامية الى الحق والصواب' كما أشكرهم على اتاحة الفرصة لى أن أشارك فى هذا المؤتمر المبارك.

أيها الإخوة المسلمون! إن الحرمين الشريفين والأماكن المقدسة هى المراكز الإيمانية والروحية للمسلمين، ومنابع هداية لهم، فالمسلم أينما كان فى أية دولة أو بلد، تربطه بالحرمين الشريفين صلة روحية وإيمانية، وعند ما يسمع هذا المسلم أىّ نبأ عن حدوث اضطراب وتخريب فى تلك الديار المقدسة يضطرب ويتألم منها فمكة المكرمة والمدينة المنورة هما مهبط الوحى ومنبع الإيمان، وبقاعهما وأسواقهما تشهد على أن النبى صلى الله عليه وسلم قد كافح فيها أعداء الدين، وجاهد فيها لإعلاء كلمة الله وأن جبرائيل وميكائيل كانا يشهدان بغاية الأدب والاحترام، وأن جدرانهما تشهد شهادة حقه على جهاد الصحابة رضى الله عنهم وأن تاريخ إيمانهم ويقينهم وجهودهم الجبارة ثابتة على حيطانهما۔

ان هذه الديار المقدسة جعلها الله تعالى حرما آمنا، وحذر عن القتال والجدال والالحاد والفساد فيهما، ونهى عن شهر السلاح فيهما، ومنع عن الأفعال التى تنافى حرمتهما إلى أن تقوم الساعة، ولذلك لا يتصور من مسلم يؤمن بالله ورسوله أن يفسَد فيهما ويتشبه بأعداء الإسلام۔

أيها الاخوة المومنون!ان حركة الشيعة الرافضة حركة كفر وإلحاد ونفاق۔ وقد وضع حجرها الأساسى من أول يومها على الفساد فى الأرض، وأن ثيابهم متلطخة بدماءات

الآلاف من المسلمین' کما أن الآفاً من الأحداث الدمویة مرتبطة بهذہ الفئة' یقول شیخ الاسلام ابن تیمیة رحمہ اللہ تعالیٰ :

"ومنهم من أدخل على الدين من الفساد مالا يحصيه إلا رب العباد' فملاحدة الإسماعيلية والنصيرية وغيرهم من الباطنية المنافقين من بابهم دخلوا' وأعداء المسلمين من المشركين واهل الكتاب عن طريقهم وصلوا' واستولوا بهم على بلاد الإسلام' وسبوا الحريم واخذوا الأموال وسفكوا الدم الحرام' وجرى على الأمة بمعاونتهم من فساد الدين والدنيا مالا يعلمه إلا رب العالمين- إذ كان اصل المذهب من احداث الزنادقة المنافقين-" (منهاج ال... ة النبوية ۱/۳)

ھنا' وإن أعداء المسلمین ومعاداۃ الإسلام داخلة فی فطرۃ ھذہ الحرکة الشنیعة وراسخة فیھا' ولذا لا یترکون فرصة نسخ لھم للموامرۃ ضد الإسلام والمسلمین' وھؤلاء ھم الذین قاموا بإحداث المنافرۃ بین المسلمین وبین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ' حتی حاصروہ وقتلوہ ظلما وعدوانا' ولم یتحقق ذلک الا بأیدی طغاۃ ھذہ الحرکة' وکذلک شھادۃ

الخليفة الراشد سيدنا عمر الفاروق رضى الله عنه وإن كانت على يد قاتله المجوسى أبى لؤلؤ حسب الظاهر، ولكن الشيعة... بإقامتهم عيد الميلاد باسم "عيد بابا شجاع الدين"... يثبتون أن فعل المجوسى هذا كان مؤامرة خفية من الحركة الشيعية الخفية. وقد استشهد سيدنا على رضى الله عنه بيد شيعى منحرف خارجى، كما أن سيدنا حسين رضى الله عنه دعاه شيعة الكوفة، فلما لبى دعوتهم تركوه فردا وحيدا وكانوا سببا لشهادته.

ونراهم فى القرون اللاحقة بعد هذه القرون يناصرون الكفرة عندما أصاب المسلمين آفة أو اجتاحتهم جائحة، وأعانوا قوى الكفر بكل ما يملكون من حول وطول، يقول شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله تعالى:

"لاسيما الرافضة، فإنهم أعظم ذوى الأهواء جهلا وظلما، يعادون خيار أولياء الله تعالى من بعد النبيين من السابقين الأولين من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم بإحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه. ويوالون الكفار والمنافقين من اليهود والنصارى والمشركين. وأصناف الملحدين كالنصيرية والإسماعيلية وغيرهم من الضالين. فتجدهم أو كثيرا منهم إذا اختصم

خصمان فی ربهم من المومنین والکفار.
واختلف الناس فیما جاء ت به الأنبیاء۔
فمنهم من آمن ومنهم من کفر۔ سواء کان
الاختلاف بقول أو عمل کالحروب التی بین
المَسلمین وأهل الکتاب والمشرکین، تجدهم
یعاونون المشرکین وأهل الکتاب علی
المسلمین أهل القرآن۔ کما قد جربه الناس
منهم غیر مرة فی مثل إعانتهم للمشرکین من
الترک وغیرهم علی أهل الإسلام بخراسان
والعراق والجزیرة والشام وغیر ذلک۔ وإعانتهم
للنصاری علی المسلمین بالشام ومصر وغیر
ذلک فی وقائع متعددة من أعظم الحوادث التی
کانت فی الإسلام فی المائة الرابعة
والسابعة۔ فإنه لما قدم کفار الترک إلی بلاد
الإسلام وقتلوا من المسلمین مالا یحصی
عدده إلا رب الأنام، کانوا من أعظم الناس
عداوة للمسلمین ومعاونة للکفار وهکذا
معاونتهم للیهود أمر شهیر"۔ (منهاج السنة
النبویة ۲۵/۲)

أیها الإخوة الکرام، منذ أن قامت حکومة الرافضة فی
إیران بعد الثورة الخمینیة بدءوا یحاربون الإسلام

والمسلمين باسلوب جديد، وإليكم بعض الأمثلة التي تشهد على ذلك:

۱.... بدأوا ينشرون في البلاد الاسلامية عقيدة "ولاية الفقية" للخميني، ويذيعونها فيما بين المسلمين، ومعناها أن حق الحكومة على العالم هو للأئمة المعصومين فقط، وعند غياب الإمام المعصوم ينوب عنه نائبه الفقيه الرافضي (الخميني). وبناء على ذلك له وحده حق الحكومة على الدنيا كلها۔ وإن مسلمي العالم الذين لا يتبنون عقيدة ولاية الفقيه، ولا يعتبرون الخميني إمامهم وقائدهم وأميرهم وحاكمهم غصبة ظلمة، وعلى المؤمنين (الشيعة) أن يسلبوا منهم الحكومة ويستولوا على بلادهم ودولهم۔

۲.... وبناء على هذه العقيدة الفاسدة بدأوا يدبرون المؤامرات ضد الحكومات الاسلامية، ويحثون الناس على الخروج على قادتهم وإحداث العراقيل في أمور دولتهم وشؤن مملكتهم، لكي يفشلوا في القيادة، وهذا كله جزء لعقيدة الرافضة، ولذلك يهتفون في باكستان والدول السلامية الأخرى الله اكبر خميني رهبر أي القائد وحده هو الخميني۔

۳.... نرى إيران تحارب العراق منذ ثماني سنوات، وقد فشلت جميع جهود الأمة الاسلامية لإيقاف هذه الحرب، لأن القوى الطاغوتية تريد أن تحرق العالم العربي والإسلامي في نار هذه الحرب المستمرة حتى يصيروا رمادا نتيجة هذه الحرب

الطاحنة

"..... إن فتنة الرافضة صرفت أنظارنا الى الحرمين الشريفين خاصة، وإن هؤلاء المخربين يدخلون الديار المقدسة باسم الحج وينفذون فيها مؤامراتهم السرية، وقد تسبب ذلك لهلاك عدد من الحجاج والمواطنين، ولم تخمد نار فتنتهم بل بدا عدوانهم يهدد أمن الحرمين الشريفين، وإن قادة الرافضة بدأوا ينفرون الشعوب المسلمة من الحكومة السعودية، زاعمين أنها حكومة كافرة، وأن قوات الرافضة المسلحة سوف تحارب هذه الحكومة وتحرر الحرمين الشريفين من أيدى هولاء.

أيها الإخوة !هذه نماذج لعدوان الخمينى والرافضة ضد الحكومات الإسلامية والحرمين الشريفين، وشواهد ذلك واضحة جلية أمام كل ذى عينين، كما أن أهل السنة والجماعة فى إيران نفسها قد ظلموا واضطهدوا بأيدى هؤلاء الطغاة، وإن هؤلاء الظلمة يبذلون كل جهودهم ضد أهل السنة، وان حكاية هذه الأحوال التعسة مؤلمة جدا، ولكن الأسف أن الدنيا لا تعرف تفصيل هذه الجرائم والعدوان التى ترتكب ضد أهل السنة فى إيران ولا يوجد من يرفع صوته فى حق هؤلاء المساكين الذين يسكنون فى هذه الديار.

أيها الإخوة المسلمون! إن رفض الخمينى الصلح ووقف القتال وعدم اعترافه بأحد صار تحديا للعالم الإسلامى، وإن حرمة الحرمين الشريفين ومكانتهما فى خطر من هذه الثورة

الشيعية، وعلى قادة الدول الإسلامية كلهم أن ينتبهوا لهذا الخطر، وأن يتفكروا فى مكافحته، واختيار تدابير فعالة ضد هذه المؤامرة الشنيعة وأحب أن أقدم إلى هذا المؤتمر بعض الاقتراحات فى هذا الموضوع۔

۱۔۔۔ إن علماء الهند وباكستان قد أصدروا فتوى على كفر الرافضة ونرجوا من جميع أرباب الفتوى وأهل العلم أن يطالعوها بكل إمعان وتدبر ثم يوقعوا عليها على بصيرة تامة، حتى لا يبقى ادنى شك للمسلم فى كفر هذه الفرقة ودجلهم الفاضح۔

۲۔۔۔ إن الرافضة يدخلون الحرمين الشريفين باسم الحج، ثم يقومون بإحداث الفتنة والغوغاء والغوضى والاضطراب فيهما، ولا يزعج ذلك الحكومة السعودية فحسب بل يوثر على الحجاج الكرام الوافدين من أنحاء العالم، لذلك يجب منع هؤلاء الرافضة من الدخول إلى السعودية وخاصة الحرمين الشريفين، لكى لا يتمكنوا من نشر الإلحاد والتخريب فى الحرم المقدس۔

۳۔۔۔ أن يطالب المؤتمر كل الحكومات الإسلامية التى تعقد مع إيران العلاقات الاقتصادية والسياسية لإعادة النظر فى هذه العلاقات، وأن تقطع العلاقات السياسية والاقتصادية مع إيران المنافقة المشركة۔

۴۔۔۔ وأن يطالب الدول الاسلامية بوضع الحظر على حركة

الرافضة فی بلادهم کما وضعوا علی الشیوعیة واعتبارها مخالفة للقانون۔

وأخیرا أکرر الشکر الجزیل إلی الإخوة الکرام القائمین علی عقد هذا المؤتمر وإتاحتهم لنا فرصة إبداء أفکارنا أمام هذا الجم الغفیر من المسلمین، وآخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمین، وصلی اللّٰه تعالٰی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین۔

مفتی احمد الرحمٰن

رئیس جامعة العلوم الاسلامیة بکراتشی، وعضو المجلس التنفیذی لوفاق المدارس العربیة باکستان۔ ونائب الرئیس لجمعیة ختم النبوة العالمی۔ وامیر الاتحاد لمنظمات اهل السنة باکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ،

حضرات! میں سب سے پہلے ان حضرات کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس مقدس موضوع پر اہل علم کو اپنے قیمتی افکار سے امت مسلمہ کی راہنمائی کی دعوت دی اور اس پر بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس ہیچ مداں کو بھی اس بابرکت محفل میں شرکت کا موقع بہم پہنچایا۔

حضرات! حرمین شریفین کے مقدس بقعات ہمارے ایمان وعقیدت کا مزکر ہیں، مسلمان، خواہ وہ کسی ملک اور کسی خطۂ ارضی کا باشندہ ہو، اسے حرم مکہ اور حرم مدینہ کے ساتھ ایک والہانہ وعاشقانہ جذباتی تعلق ہے اور وہاں سے اگر کسی فتنہ وفساد کی خبر آتی ہے تو ہر مسلمان بے چین اور مضطرب ہوجاتا ہے، کیونکہ حرم مکہ اور حرم مدینہ مہبط ایمان اور مہبط وحی ہیں، وہاں کے کوچہ وبازار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا ثبت ہیں۔ وہاں جبرائیل ومیکائیل کی مؤدبانہ حاضری ہوتی رہی اور وہاں کے در ودیوار پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایمان ویقین اور ان کی جانفشانیوں کی پوری تاریخ نقش ہے، اسی مقدس سرزمین کو حق تعالیٰ شانہ نے "حرم امن" بنایا ہے۔ وہاں لڑائی جھگڑے اور دنگا فساد کو "الحاد" قرار دے کر ممنوع فرمایا ہے، وہاں برہنہ ہتھیار لے کر چلنے کی اجازت نہیں، اور حرمین شریفین کی منافی حرکات پر قیامت تک پابندی عائد کردی گئی ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان، جو اللہ ورسول ؐ پرایمان رکھتا ہو، وہاں فتنہ وفساد پھیلانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

حضرات! شیعہ تحریک، کفر ونفاق کی وہ تحریک ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے

"فساد فی الارض" پر رکھی گئی ہے' اس تحریک سے فتنہ وفساد کی ہزاروں خونچکاں داستانیں وابستہ ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

"ان روافض نے دین میں اتنا فساد داخل کردیا جس کے اعداد وشمار کا احاطہ رب العباد کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اسماعیلی' نصیری اور دوسرے باطنی ملاحدہ انہی کے دروازے سے داخل ہوئے اور مسلم دشمن قوتیں مشرکین اور نصاریٰ انہی کے راستے پہنچے۔ اور انہی کی بدولت اسلامی ممالک پر مسلط ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا' اموال کو لوٹا' اور خون مسلم سے ہولی کھیلی۔ الغرض شیعوں کی معاونت سے امت اسلامیہ پر دین ودنیا کے فساد کی وہ قیامتیں ٹوٹ پڑیں جن کو بس رب العالمین ہی جانتا ہے کیونکہ شیعوں کا اصل مذہب منافق' زندیقوں کا ایجاد کردہ تھا"۔

(منہاج السنہ ص ۳ ج ۱)

شیعہ تحریک کے مزاج میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' اس لئے جب بھی موقع ملا انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ چنانچہ خلیفۂ راشد امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف منافرت پھیلانے' ان کا محاصرہ کرنے اور بالآخر انہیں جام شہادت نوش کرانے میں اس سازشی تحریک نے مؤثر کردار ادا کیا۔ ان سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت اگرچہ بظاہر ابو لُولُو مجوسی کا انفرادی فعل تھا' لیکن شیعہ بابا شجاع للدین کی عید کے نام سے اس مجوسی کی سالگرہ مناکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی شیعہ تحریک کی منظم مگر خفیہ سازش کا نتیجہ تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ایک منحرف

شیعہ (خارجی) کے ہاتھوں ہوئی۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شیعوں نے کوفہ آنے کی دعوت دے کر اور پھران کو بے یار ومددگار چھوڑ کر شہید کرایا' بعد کے ادوار میں بھی جب کبھی اسلام اور مسلمانوں پر افتاد پڑی شیعوں نے کفروباطل کی قوتوں کا ساتھ دیا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ" لکھتے ہیں :

"خصوصاً روافض' جہل وظلم میں تمام گمراہوں سے بڑھ کر ہیں (ان کے ظلم وجہل کا یہ عالم ہے کہ) یہ اس جماعت سے دشمنی رکھتے ہیں جو انبیا کرام علیہم السلام کے بعد تمام اولیاء اللہ میں سب سے چیدہ وبرگزیدہ ہے' اور جن کو قرآن کریم میں السابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه---" کے لقب سے مشرف فرمایا ہے اور یہ روافض' کفار ومشرکین' یہود ونصاری' منافقین وملحدین' نصیری واسماعیلی جیسے گمراہوں اور دشمنان اسلام سے دوستی رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے رب کے بارے میں دو فریقوں یعنی اہل ایمان واہل کفر کے درمیان جب بھی مخاصمت ہوئی اور انبیا کرام علیہم السلام کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان جب بھی اختلاف رونما ہوا' خواہ یہ اختلاف صرف قول میں ہو' یا عملی طور پر' یا مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہو' تم روافض کو دیکھو گے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین اور اہل کتاب کی مدد کررہے ہیں۔ اور اس کا بارہا تجربہ ہوچکا ہے کہ اسلام اور کفر کی جنگ میں شیعوں کی ہمدردیاں ہمیشہ کافروں کے ساتھ رہی ہیں۔ چنانچہ خراسان' عراق' جزیرہ شام وغیرہ میں انہوں نے اہل اسلام کے

مقابلے میں مغولی ترک وغیرہ کافروں کی مدد کی' اور شام اور مصر وغیرہ میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیب پرستوں کو کمک پہنچائی' چوتھی اور ساتویں صدی میں اس کے بہت سے واقعات تاریخ کے ریکارڈ پر موجود ہیں۔ چنانچہ جب کافر تاتاریوں نے بلاد اسلام کو پامال کیا اور بے شمار مسلمانوں کا قتل عام کیا تو اس وقت یہ روافض' مسلمانوں سے دشمنی وعداوت اور کافروں کی تائید واعانت کا مظاہرہ کرنے میں سب سے پیش پیش تھے۔ اسی طرح ان کا یہودیوں کی معاونت کرنا بھی ایک مشہور عام واقعہ ہے یہاں تک کہ لوگوں نے اس کی وجہ سے انہیں گدھوں کی طرح بے عقل قرار دیا"۔

(منہاج السنہ۔ج ا۔۵)

حضرات! جب سے ایران میں خمینی انقلاب کے ذریعہ شیعی حکومت قائم ہوئی ہے' شیعوں کی اسلام دشمنی میں نئی آب وتاب پیدا ہوگئی ہے جس کے چند مظاہر حسب ذیل ہیں :

ا ـــــ اسلامی ممالک میں خمینی صاحب کے "نظریہ ولایت فقیہ" کی تشہیر کی جارہی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا پر حکومت کرنا ائمہ معصومین کا حق ہے اور امام معصوم کی غیر موجودگی میں شیعہ فقیہ (خمینی) امام معصوم کا نائب ہے' اس لئے پوری دنیا پر وہی حکومت کرنے کا مجاز ہے' اور دنیا بھر کے مسلمان حکمران' جو نظریہ ولایت فقیہ پر یقین نہیں رکھتے' اور اس وجہ سے خمینی کو اپنا امام وقائد اور حکمران نہیں مانتے وہ سب کے سب غاصب ہیں اور ان کا تختہ الٹ دینا اور ان سے حکومت چھین لینا شیعوں پر واجب ہے۔

۲ــ اس نظریہ کے تحت تمام اسلامی ممالک کے خلاف سازشیں کرنا، لوگوں کو حکومت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا، اور ان حکومتوں کے لئے امن وامان کے مسائل پیدا کر کے انہیں ناکام کرنے کی سعی کرنا شیعہ عقیدہ کا جزو ہے۔ چنانچہ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں شیعوں کی طرف سے "اللہ اکبر، خمینی رہبر" کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں۔

۳........ آٹھ سال سے ایران کی عراق کے ساتھ جنگ وپیکار جاری ہے اور مسلم امہ کی تمام تر کوششیں اس جنگ کو بند کرانے میں ناکام رہی ہیں، کیونکہ طاغوتی طاقتیں یہ چاہتی ہیں کہ عالم عرب اور عالم اسلام اس جنگ کی آگ میں جل کر بالآخر راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ ایران کی شیعہ حکومت اس خواہش کی تکمیل کر رہی ہے۔

۴ــ شیعوں کی فتنہ انگیزی نے بطور خاص حرمین شریفین کا رخ کیا ہے۔ شیعہ فتنہ گر حج کے نام سے وہاں جاتے ہیں اور منظم سازش کے تحت دنگا فساد کرتے ہیں، جس سے نہ صرف بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہو چکی ہیں، بلکہ حرمین شریفین کے امن کو شیعہ جارحیت سے مستقل خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ ادھر شیعہ قائدین کی طرف سے سعودی حکومت کے خلاف نفرت وبے زاری کا اس طرح درس دیا جا رہا ہے، گویا حرمین شریفین میں کافر حکومت قائم ہے اور یہ شیعہ فورس اس حکومت کے خلاف جہاد کرنے اور حرمین شریفین کو ان سے واگزار کرانے جا رہی ہے۔

حضرات! یہ تو اسلامی ممالک اور حرمین شریفین کے خلاف شیعہ جارحیت کا ذکر تھا، جس کے واقعات سب کے سامنے ہیں، لیکن خود ایران میں سنی آبادی پر ظلم وستم کے جو پہاڑ توڑے گئے ہیں اور جس طرح سنی مسلمانوں کو ایران میں کچلنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کی داستان بڑی دل خراش ہے، اور مشکل یہ ہے کہ باہر کی دنیا کو اس

کی تفصیلات کا علم نہیں اور نہ ان بے چاروں کے حق میں کوئی آواز اٹھانے والا ہے۔

حضرات! خمینی شیعیت کی خود سری، تعصب اور "میں نہ مانوں" کی پالیسی عالم اسلام کے لئے چیلنج کی حیثیت اختیار کرچکی ہے اور حرمین شریفین پر شیعہ فورس کی یورش سے حرمین شریفین کی عزت و حرمت کو خطرہ لاحق ہے۔ اس لئے عالم اسلام کے راہنماؤں کو اس خطرہ سے آگاہ ہونا چاہئے اور اس کے انسداد کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنی چاہئیں اس ضمن میں یہ کانفرنس مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے، بہرحال اس سلسلہ میں راقم الحروف کی تجاویز حسب ذیل ہیں :

۱ ـــــ علمائے ہندوپاکستان کی طرف سے شیعی عقائد پر کفر کا فتویٰ شائع ہوچکا ہے۔ میں تمام عالم اسلامی کے اہل علم اور اہل فتویٰ سے درخواست کروں گا کہ وہ اس فتویٰ کا بغور مطالعہ کرکے اس کی تصدیق و تائید کریں تاکہ شیعہ کے مسئلہ میں امت مسلمہ کے سامنے کوئی ابہام نہ رہے۔

۲ ـــــ شیعہ حج کے بہانے حرمین شریفین میں آتے ہیں اور وہاں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں، جس سے نہ صرف سعودی حکومت کو پریشانی لاحق ہوتی ہے بلکہ دنیا بھر سے آنے والے "حجاج بیت الحرام" بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ شیعوں کے سعودی عرب آنے اور حرمین شریفین میں داخل ہونے پر پابندی عائد کردی جائے تاکہ ان کو حرم مقدس میں الحاد پھیلانے کا موقع نہ مل سکے۔

۳ ـــــ اسلامی ممالک، ایران کو برادر اسلامی ملک سمجھتے ہوئے اس سے سفارتی و اقتصادی روابط قائم کرتے ہیں۔ اسلامی ممالک کا یہ طرز عمل اصلاح طلب ہے۔ میری رائے میں اس کانفرنس کو تمام اسلامی ممالک سے اپیل کرنی چاہئے اور اس کے لئے مؤثر تحریک بھی چلانی چاہئے کہ پورے عالم اسلام کی طرف سے ایران کے ساتھ

سفارتی تعلقات اور اقتصادی روابط منقطع کر لیے جائیں۔

۴.......اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کمیونسٹ تحریک کی طرح شیعہ تحریک کو بھی اسلامی ممالک میں خلاف قانون قرار دیا جائے۔

آخر میں کانفرنس کے منتظمین کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے اس پلیٹ فارم پر اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع مرحمت فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(بینات ذو الحجہ ۱۴۰۸ھ)

کیا پاکستان میں رشدیوں کی حکومت ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ :

آنحضرت ﷺ کی عزت وحرمت ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑی متاع ایمان ہے' مسلمان سب کچھ برداشت کرسکتا ہے لیکن محبوب خدا شافع روز جزا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں ادنیٰ بے ادبی وگستاخی اس کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ اور اس گئے گزرے دور میں بھی مسلمان آنحضرت ﷺ کی عزت وحرمت پر کٹ مرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ایسے موذیوں کے مقابلہ میں غازی علم الدین شہید' اور غازی حاجی مانک مرحوم کا کردار ادا کرسکتا ہے۔

یہود ونصاریٰ آنحضرت ﷺ کی شان عالی میں گستاخی کے شوشے وقتاً فوقتاً چھوڑتے رہتے ہیں اور اہل اسلام کی طرف سے ان پر احتجاج کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ گزشتہ دو سالوں سے شیطان رشدی کی شیطانی کتاب پر فرزندان اسلام نے جس غم وغصہ کا اظہار کیا اور انگلینڈ سے پاکستان تک اس پر جس قدر احتجاج کیا گیا اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایسا لگتا ہے کہ اسلام دشمن عناصر مسلمانوں کے اس احتجاج سے لطف اندوز ہوتے ہیں اس لئے ان کی طرف سے گستاخی ودریدہ دہنی کا مسلسل مظاہرہ ہوتا رہتا ہے۔ اور وہ کسی نہ کسی شیطان رشدی کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں۔ اسی قسم کی بے ہودگی کا ایک مظاہرہ گزشتہ دنوں پاکستانی اخبارات میں کیا گیا۔ کراچی میں کوئی "بوننزا گارمنٹ" نامی کمپنی ہے جس کی جانب سے ۸ مارچ ۱۹۹۰ء کو کراچی کے معروف انگریزی اخبار "ڈان" میں اور ۱۰ مارچ ۱۹۹۰ء کو اخبار جنگ کراچی میں "بوننزا ٹراؤزرز" کا ایک اشتہار شائع کیا گیا جس میں پتلون کی شکل بنائی گئی ہے۔ اور اس کے عین پیشاب کی جگہ پر (نعوذ باللہ' استغفر اللہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام (محمد ﷺ) کا کارٹون بنایا گیا ہے۔

یہ کارٹون اس قدر غلیظ اور اشتعال انگیز ہے کہ اسے دیکھ کر سر چکرا جاتا ہے اور کوئی مسلمان اپنے غم وغصہ کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اس گستاخی و جرات پر جب مسلمانوں کی طرف سے غم وغصہ کا اظہار کیا گیا تو اشتہارات کی جس کمپنی کی معرفت یہ اشتہار شائع ہوا تھا' اس اشتہاراتی کمپنی نے ۲۱ مارچ ۱۹۹۰ کے جنگ کراچی میں درج ذیل معذرتی اشتہار شائع کرایا :

"معذرت"

"ہمارے کلائنٹ میسرز بونزا گارمنٹ کے لئے ایک اشتہار جو ہم نے روزنامہ جنگ اور روزنامہ ڈان میں مورخہ ۸ مارچ اور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۰ میں شائع کرایا تھا۔ اس میں غیر دانستہ طور پر ہونے والی ایک غلطی کی جانب ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے' ہم نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ الحمد للہ ہم مسلمان ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ کے غلام ہیں۔ لہٰذا اشتہار مذکورہ سے کسی دینی بھائی کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ اس پر صدق دل کے ساتھ ہم اور ہمارے کلائنٹ بوننزا گارمنٹ معذرت چاہتے ہیں اور اس اشتہار کو فوری طور پر واپس لیتے ہیں۔

پیراگون ایڈورٹائزنگ (پرائیویٹ) لمیٹڈ

پنوراما سینٹر' راجہ غضنفر علی روڈ' صدر۔ کراچی

اس معذرت کے سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں :

اول : اس اشتہار کی اشاعت میں چار ادارے ملوث ہیں :

۱۔ بونزا گارمنٹ فیکٹری' جس کی جانب سے اشتہار دیا گیا۔

۲۔ پیراگون ایڈورٹائزنگ کمپنی' جس کی وساطت سے اشتہار دیا گیا۔

۳۔ اخبار ڈان کے مالکان اور ذمہ داران۔

۴۔ اخبار جنگ کے مالکان اور ذمہ دار عملہ۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ معذرت نامہ ان چاروں میں سے صرف ایک ادارہ "اشتہارات کی کمپنی" کی طرف سے شائع کیا گیا ہے جب کہ وہ گارمنٹ فیکٹری جس کی جانب سے اشتہار شائع ہوا اس کے مالکان کی طرف سے کسی رسمی معذرت کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ اسی طرح اخبار ڈان اور اخبار جنگ' جنہوں نے چند ٹکوں کے لالچ میں اس گندگی کو اچھال کر غضب الٰہی کو دعوت دی اور اپنا نام "موذیان رسول" کی فہرست میں درج کرایا' انہوں نے کسی رسمی معذرت کا تکلف بھی ضروری نہیں سمجھا۔

دوم : پیراگون کی معذرت میں کہا گیا ہے کہ یہ غلطی نادانستہ طور پر ہوئی' یہ قطعاً دروغ گوئی اور "عذر گناہ بدتر از گناہ" کی بھونڈی مثال ہے۔ ذرا تصور فرمایئے کہ یہ اشتہار کتنے مرحلوں سے گزرتا ہوا قارئین تک پہنچا۔

۱۔ سب سے پہلے "بونِنزا" کی طرف سے اشتہارات کی کمپنی کو اس اشتہار کا بنیادی تصور تخیل دیا گیا ہو گا۔

۲۔ پھر اس خاکہ کے مطابق اشتہارات کی کمپنی کے بدبخت اور خبیث آرٹسٹ اور ڈیزائنر کے قلم نے اس تخیل کو کاغذ پر منتقل کر کے اس کا خاکہ اور نقشہ بنایا ہو گا۔

۳۔ پھر اشتہارات کی کمپنی کے ذمہ داروں نے اس خاکہ کو دیکھ کر منظور کیا ہو گا۔

۴۔ پھر اشتہار کا یہ نقشہ (ڈیزائن) اس کمپنی کے ذمہ داروں کو دکھلایا گیا ہو گا جس کی طرف سے یہ اشتہار شائع ہونے والا ہے اور انہوں نے اس کی منظوری دی ہو گی۔

۵۔ پھر اس ڈیزائن کی فلم اخبارات کو بھیجی گئی ہو گی' اور اخباروں کے شعبہ اشتہارات نے اس اشتہار کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے یہ دیکھا ہو گا کہ اس میں کوئی ایسی قابل اعتراض بات تو نہیں جو لائق اشاعت نہ ہو؟ اور غور و فکر کے بعد اس کی منظوری دی ہو گی۔

۶۔ پھر یہ اشتہار ۸ مارچ کو انگریزی اخبار میں چھپا' ظاہر ہے کہ چھپنے کے بعد "بونِنزا" اور "پیراگون" میں اس کو بغور دیکھا گیا ہو گا' اس کے دو دن کے بعد اسی اشتہار کو دوبارہ شائع کرایا جاتا ہے۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے باوجود اسے "نادانستہ غلطی" کہہ کر اس بدترین جرم پر (جس کی سزا پھانسی ہے) پردہ ڈالنے کی کوشش کرنا کیا مسلمانوں کا منہ چڑانے کے مترادف نہیں؟

اچھا ایک لمحہ کے لئے فرض کرلیجئے کہ یہ غلطی نادانستہ طور پر ہوئی' اس کے باوجود سوال یہ ہے کہ اس غلطی کا وقفے وقفے سے اعادہ کیوں کیا گیا؟ اور پھر اشتہار کے چھپنے کے آٹھ دن بعد تک "معذرت" شائع کرنے میں تاخیر کیوں کی گئی؟ اگر یہ غلطی نادانستہ تھی تو نہ صرف یہ کہ اس اشتہار کے دوبارہ شائع ہونے کی نوبت نہ آتی بلکہ ۸ مارچ کو شائع ہونے والے اشتہار پر بلاتاخیر ۹ مارچ کو معذرت شائع ہوجاتی' علاوہ ازیں یہ سوال پھر باقی رہتا ہے کہ جس خبیث نے یہ کارٹون بنایا' پیراگون نے اس کے خلاف کیا کارروائی کی؟

ان حقائق کو سامنے رکھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ غلطی نادانستہ نہیں بلکہ آرٹسٹ نے دیدہ ودانستہ اپنے خبث وبدباطنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور فدایان رسول عربی ﷺ کی غیرت کو جان بوجھ کر چیلنج کیا ہے۔ لہٰذا پیراگون کمپنی کی یہ معذرت لغو ولایعنی ہے' اگر ان کے دل میں ذرہ ایمان موجود تھا تو انہیں صاف صاف اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے توبہ نامہ شائع کرنا چاہئے تھا' اور اس کا عنوان "معذرت" کے بجائے "توبہ نامہ" ہونا چاہئے تھا۔ اور اگر بو نترا کمپنی' اخبار ڈان اور اخبار جنگ کے مالکان کے دل میں ایمانی غیرت کی کوئی رمق ہوتی تو انہیں اس اشتہار کی اشاعت کے تمام ذمہ داروں کے خلاف کارروائی کرنی چاہئے تھی' اس لئے کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس میں چشم پوشی کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور پھر یہ کہہ کر فارغ ہوجانا کہ یہ غلطی نادانستہ ہوئی' قانون کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ فرض کیجئے کہ غلطی نادانستہ ہوئی تب بھی سوال یہ ہے کہ اس کے لئے کسی توبہ نامہ کی' کسی کفارے کی اور کسی سزا کی ضرورت نہیں؟

قرآن کریم نے قتل خطا (نادانستہ قتل) کا ذکر کرتے ہوئے اس کی دو سزائیں ذکر کی ہیں' ایک یہ کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا ادا کیا جائے' دوم یہ کہ مومن غلام کو خرید کر

آزاد کیا جائے' اور اگر مومن غلام کا حصول میسر نہ ہو تو دو مہینے کے متواتر' لگاتار' پے درپے روزے رکھے جائیں۔ یہ قتل خطا کا کفارہ ہے جس کو ذکر کرنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں :

"توبۃ من اللّٰہ"۔

(النساء، ۹۲)

یعنی اس کفارہ کا ادا کرنا جرم سے توبہ کا وہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے۔

اس ارشاد ربانی سے واضح ہوجاتا ہے کہ نادانستہ قتل بھی ایک جرم ہے جس سے توبہ لازم ہے' اور توبہ کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اگر مومن بردہ میسر نہ ہو' جس کو آزاد کیا جاسکے' تو پھر ۶۰ دن کے روزے لگاتار بلاناغہ رکھے جائیں۔

اب غور کیجئے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت ایک عام مسلمان کی جان کے برابر بھی نہیں؟ جب قرآن کریم نادانستہ قتل کو جرم قرار دیتا ہے۔ اس جرم سے توبہ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور اس توبہ کا طریقہ تجویز کرتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کی بے حرمتی اگر نادانستہ بھی فرض کرلی جائے تب بھی کیا یہ سنگین جرم نہ ہوگا۔ کیا اس سے توبہ کا اعلان ضروری نہ ہوگا اور کیا اس کے لئے کسی کفارہ کی اور کسی سزا کی ضرورت نہ ہوگی؟ کیا "پیرآگون" والوں کا صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ یہ غلطی دانستہ نہیں ہوئی' بلکہ غیردانستہ طور پر ہوئی ہے؟ کیا تعزیرات پاکستان کی رو سے قاتل کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں نے دانستہ قتل نہیں کیا اس کی رہائی کے لئے کافی ہے' اور اس کے بعد اس پر کوئی تعزیر لازم نہیں ہوگی۔

اور اگر یہی غلطی ملک کے صدر محترم یا وزیر اعظم صاحبہ کے بارے میں نادانستہ طور پر سرزد ہوجاتی تو کیا ہوتا؟ کمپنیوں کے لائسنس' ضبط کرلئے جاتے' اخباروں کے ڈیکلریشن منسوخ کردیئے جاتے' ایڈیٹر کو معطل اور پرنٹر کے خلاف فوری طور پر تادیبی کارروائی ہوتی۔ الغرض تمام ذمہ داروں کے خلاف کارروائی ہوتی اور حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آجاتی۔ لیکن صد حیف کہ یہ سنگین جرم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

گرامی کے بارے میں سرزد ہوتا ہے لیکن کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی' گویا کچھ ہوا ہی نہیں!

ع تفو! بر تو اے چرخ گرداں تفو!

سوم: "پیراگون" کے اشتہار میں کہا گیا ہے:

" ہم نہایت عجز وانکسار کے ساتھ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ الحمدللہ! ہم مسلمان ہیں اور سرکار دوعالمؐ کے غلام ہیں"۔

اول تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی وجسدی) کی ذات عالی سے ایسی ناپاک جسارت کرنے کے بعد "پیراگون" والوں کو اپنی مسلمانی اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے تھی۔

علاوہ ازیں گفتگو اس میں نہیں کہ اس ملعون اشتہار کو شائع کرنے والے مسلمان تھے یا یہودی؟ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے یا مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح موذی رسولؐ؟ گفتگو اس میں ہے کہ آیا ایسی ملعون گستاخی و بے ادبی کے بعد بھی وہ مسلمان کے مسلمان ہی رہے' یا اس گستاخی کی وجہ سے مرتد اور خارج از اسلام ہوگئے؟ قرآن کریم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے لوگ اگر پہلے مسلمان بھی تھے تو ایسی گستاخی کے بعد وہ کافر و مرتد ہوگئے:

قل ابا اللہ وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن○
لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم

(التوبہ/۶۵-۶۶)

ترجمہ: "آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے؟ تم اب (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو تم تو اپنے کو مومن کہہ کر کفر کرنے لگے"۔

قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ ایسے موذیان رسولؐ دنیا و آخرت میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملعون ہیں' اور دونوں جہانوں میں ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے:

ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعدلھم عذابًا مھینًا۔
(الاحزاب ر ۵۷)

ترجمہ :" بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

قرآن کریم نے یہ بھی بتایا کہ ایسے ملعون واجب القتل ہیں' ایسے موذی جہاں ملیں ان کو قتل کردیا جائے :

ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا ○ سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ○

(الاحزاب ر ۶۱-۶۲)

ترجمہ :" وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی' اللہ تعالیٰ نے ان (مفسد) لوگوں میں بھی اپنا یہ ہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گزرے ہیں' اور آپ خدا کے دستور میں سے کسی شخص کی طرف سے ردوبدل نہ پاویں گے"۔

آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں ایسے موذیان رسولؐ کو واجب القتل اور مباح الدم قرار دیا گیا۔ ابن خطل کا واقعہ مشہور ہے کہ اس خبیث کو توہین رسالتؐ کے جرم میں عین اس وقت قتل کیا گیا جب کہ وہ غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا تھا۔ عبداللہ بن ابی سرح جو مرتد ہونے کے بعد تائب ہو کر آئے تھے' آنحضرت ﷺ نے ان کا اسلام قبول کرنے میں دیر تک توقف فرمایا' بالآخر ان کی بیعت قبول فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا "تم میں ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلا کہ جب میں نے اس کی توبہ قبول کرنے میں توقف کیا تھا تو اٹھ کر اسے قتل کردیتا"۔ ابو رافع یہودی کو اسی جرم میں جہنم رسید کیا گیا جس کے قتل کا واقعہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ اس طرح کے بہت

سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ موذی رسولؐ کی ایک ہی سزا ہے اور وہ ہے قتل۔

جن حضرات کو ان واقعات کی تفصیل دیکھنے کا شوق ہو وہ حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الصارم المسلول" اور علامہ ابن السبکی کی کتاب "السیف المسلول" کا مطالعہ فرمائیں۔

قرآن وسنت کے ان حوالوں کی روشنی میں تمام فقہائے امت اس پر متفق ہیں کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت و بے ادبی کا ارتکاب کریں، اگر وہ پہلے مسلمان تھے تو اس جرم کے بعد وہ مرتد اور واجب القتل ہیں، چنانچہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ "کتاب الخراج" میں لکھتے ہیں :

وایما رجل مسلم سب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللّٰہ وبانت منہ زوجتہ، فان تاب والا قتل۔

(کتاب الخراج ص۱۹۷۔۱۹۸)

ترجمہ :"جس مسلمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی، یا آپؐ کی کسی بات کو جھٹلایا، یا آپؐ میں کوئی عیب نکالا یا آپؐ کی تنقیص کی وہ کافر و مرتد ہوگیا اور اس کا نکاح ٹوٹ گیا، پھر اگر وہ اپنے اس کفر سے توبہ (کرکے اسلام ونکاح کی تجدید) کرلے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کردیا جائے"۔

علامہ شامیؒ "تنبیہ الولاۃ والاحکام" میں علامہ تقی الدین سبکی کی کتاب "السیف المسلول علی من سب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم" سے نقل کرتے ہیں :

قال الامام خاتمۃ المجتہدین تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی السبکی رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی کتابہ السیف المسلول علی من سب

الرسول صلی اللہ علیہ وسلم قال القاضی عیاض اجمعت الامۃ علی قتل منتقصہ من المسلمین وسابہ قال ابو بکر ابن المنذر اجمع عوام اھل العلم علی ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ القتل وممن قال ذلک مالک بن انس واللیث واحمد واسحق وھو مذھب الشافعی قال عیاض وبمثلہ قال ابو حنیفۃ واصحابہ والثوری واھل الکوفۃ والاوزاعی فی المسلم وقال محمد بن سحنون اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم والمنتقص لہ کافر والوعید جارٍ علیہ بعذاب اللہ تعالٰی ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر وقال ابو سلیمان الخطابی لا اعلم احدا من المسلمین اختلف فی وجوب قتلہ اذا کان مسلما۔

(رسائل ابن عابدین ج۱۰ ص۳۲۶)

ترجمہ :" امام خاتمہ المجتہدین تقی الدین ابی الحسن علی بن عبدالکافی السبکیؒ اپنی کتاب "السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ" میں لکھتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ مسلمانوں میں سے جو شخص آنحضرت ﷺ کی شان میں تنقیص کرے اور سب و شتم کرے وہ واجب القتل ہے' ابوبکر ابن المنذر فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص حضور ﷺ کو سب و شتم کرے اس کا قتل واجب ہے' امام مالک بن انس' امام لیث' امام احمد اور امام اسحٰق اسی کے قائل ہیں اور یہی مذہب ہے امام شافعیؒ کا' قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کا قول امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب

سے اور امام ثوریؒ سے اور امام اوزاعیؒ سے شاتم رسولؐ کے بارے میں منقول ہے۔ امام محمد بن سحنون فرماتے ہیں کہ علماء نے نبی کریم ﷺ کو سب و شتم کرنے والے اور آپؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے کفر پر اجماع کیا ہے، اور ایسے شخص پر عذاب الٰہی کی وعید ہے اور جو شخص ایسے موذی کے کفر و عذاب میں شک وشبہ کرے وہ بھی کافر ہے، امام ابو سلیمان الخطابیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسا مسلمان معلوم نہیں جس نے ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں اختلاف کیا ہو"۔

اور علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :

فنفس المومن لا تشتفی من هذا الساب اللعین، الطاعن فی سید الاولین والآخرین الا بقتله وصلبه بعد تعذیبه وضربه فان ذالک هو اللائق بحاله الزاجر لامثاله عن سیئی افعاله۔

(رسائل ابن عابدین ص۳۴۷ ج۱)

ترجمہ :"جو ملعون اور موذی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں گستاخی کرے اور سب و شتم کرے اس کے بارے میں مسلمانوں کے دل ٹھنڈے نہیں ہوتے جب تک کہ اس خبیث کو سخت سزا کے بعد قتل نہ کیا جائے یا سولی پر نہ لٹکایا جائے، کیونکہ وہ اسی سزا کا مستحق ہے، اور یہ سزا دوسروں کے لئے عبرت ہے"۔

میں نے یہ چند حوالے بطور نمونہ نقل کئے ہیں، ورنہ مذاہب ائمہ کی کتابوں میں اس قسم کی بے شمار تصریحات موجود ہیں۔ اور علمائے امت نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں تالیف فرمائی ہیں۔

الغرض آنحضرت ﷺ کی اہانت و بے ادبی کرنے والوں کے بارے میں تمام

فقہائے امت کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسے لوگ اگر پہلے مسلمان تھے تو اس گستاخی کے بعد وہ کافر و مرتد ہوگئے' ان کا نکاح ٹوٹ گیا' ان پر لازم ہے کہ اپنے اس کفر وارتداد سے توبہ کریں' از سرنو اسلام لائیں' اپنے نکاح کی تجدید کریں' اور اگر ان پر حج فرض ہے تو دوبارہ حج بھی کریں' خواہ وہ پہلے حج فرض ادا کرچکے ہوں' کیونکہ اس ارتداد کی وجہ سے ان کی سابقہ تمام نیکیاں اکارت ہوگئیں۔

اس پر تمام ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ایسے موذی اپنے کفر سے توبہ نہیں کرتے اور اپنے ایمان ونکاح کی تجدید نہیں کرتے تو یہ مرتد اور واجب القتل ہیں۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے کہ توبہ کے بعد ان کی سزائے قتل ساقط ہوجائے گی یا نہیں؟ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت ایسا جرم ہے کہ توبہ کے بعد بھی سزائے قتل ساقط نہیں ہوتی بہت سے فقہائے حنفیہ وشافعیہ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے' لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا قول یہ ہے کہ توبہ کرنے اور دوبارہ اسلام لانے کے بعد ان سے سزائے قتل ساقط ہوجائے گی' اس مسئلہ کی تفصیل حافظ ابن تیمیہؒ کی کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں' علامہ تقی الدین السبکیؒ کی کتاب "السیف المسلول علی من سب الرسول" میں' قاضی عیاضؒ کی "الشفاء" میں اور علامہ شامیؒ کے رسالہ "تنبیہہ الولاۃ علی شاتم خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم" میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ بہرحال اس پر اتفاق ہے کہ توبہ کے بعد بھی ایسے لوگوں پر مناسب تعزیر جاری کرنا لازم ہے۔

تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی مجریہ ایکٹ ۱۹۸۴ء میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی ہے' جس کا اقتباس درج ہے:

**[295-C. Use of derogatory remarks, etc., in respect of the Holy Prophet : Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation, or by any

imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine.

"۲۹۵ (سی) نبی کریم ﷺ کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

"جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں، یا دکھلائی دینے والی تمثیل کے ذریعہ یا بلا واسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعہ نبی کریم (حضرت) محمد ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا"۔

ہمارے ہاں پولیس کے ادارے کو "قانون نافذ کرنے والے ادارے" کے طور پر تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن زیر بحث کیس میں پولیس کے اعلیٰ حکام نے، اور صدر مملکت سے لے کر صوبائی وزراء تک نے جو کردار ادا کیا، اس کا اظہار بھی ضروری ہے۔ کراچی کے ایک نوجوان وکیل جناب سید اقبال حیدر صاحب نے ڈی آئی جی پولیس کو درخواست دی کہ اس اشتہار کے ذمہ دار افراد کے خلاف مقدمہ رجسٹرڈ کیا جائے، لیکن ڈی آئی جی نے اس سے انکار کردیا، اور ہزار کوشش کے باوجود اس نے مقدمہ رجسٹرڈ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

اس کے بعد جناب اقبال حیدر صاحب نے "صدر محترم اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے نام درج ذیل درخواست رجسٹرڈ ڈاک سے بھیجی :

"محترم جناب! روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۱۰ مارچ کو "بونزا گارمنٹ" کا اشتہار شائع ہوا، جس میں جان بوجھ کر "بونزا گارمنٹ" کے مالک "پیراگون پبلسٹی" کے مالک و ادارہ جنگ کے عملہ نے یہودی لابی کی سازش کے تحت توہین رسالت کا ارتکاب کیا ہے۔ اشتہار کی کاپی

منسلک ہے۔

جناب عالی! اگر ان لوگوں کو قرار واقعی سزا نہ دی گئی تو آئندہ آپ ان حرکات سے کسی کو نہ روک سکیں گے' اور یہ واقعہ ایسے مجرموں کے لئے حوصلہ افزائی کا موجب ہوگا۔ ویسے ہم مسلمان بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں گے"۔

اس اشتہار کی کاپی مع اشتہار کے درج ذیل افراد کو بھیجی گئی :

وزیر اعظم پاکستان	ہوم سیکریٹری سندھ
وفاقی وزیر داخلہ	اپوزیشن لیڈر سندھ اسمبلی
وفاقی وزیر قانون	صوبائی وزیر داخلہ
متحدہ اپوزیشن لیڈر	آئی جی سندھ
وزیر اعلیٰ سندھ	ڈی آئی جی کراچی
وزیر اعلیٰ پنجاب	کمشنر کراچی
وزیر اعلیٰ سرحد	میئر کراچی
وزیر اعلیٰ بلوچستان	تمام پبلسٹی ادارے

یہاں یہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ پریس کے قوانین کے تحت ملک میں جو اخبار' رسالہ یا کتاب چھاپی جائے اس کی کاپیاں صوبائی و مرکزی محکمہ اطلاعات کے علاوہ دیگر کئی اداروں کو بھیجنا لازم ہے' اور حکومت میں متعدد شعبے اس پر مامور ہیں کہ ملک میں چھپنے والی ہر چیز کو بغور پڑھا جائے۔ اور ہر اہم اور ضروری چیز صدر مملکت' وزیر اعظم' صوبائی گورنر' صوبائی وزرائے اعلیٰ اور محکمہ اطلاعات کے مرکزی و صوبائی وزراء کے علم میں لائی جائے۔

اس لئے مندرجہ بالا درخواست جو "صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے نام بھیجی گئی اور جس کی کاپیاں وزیر اعظم' وزرائے اعلیٰ اور دیگر ارباب اقتدار کو بھیجی گئیں' یہ کوئی ایسی اطلاع نہیں تھی جس سے ہمارے بیدار مغز ارباب حکومت بے خبر ہوں' اس کے باوجود

ارباب اقتدار میں سے کسی نے اس درخواست کو لائق التفات نہیں سمجھا، گویا ہمارے "ارکان دولت" کی نظر میں آنحضرت ﷺ کی عزت و ناموس کوئی اہمیت نہیں رکھتی، اور آنحضرت ﷺ کے مقدس نام کی بے حرمتی کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی قانونی کارروائی کی ضرورت محسوس کی جائے۔ جس ملک میں آنحضرت ﷺ کی اس طرح توہین کی جارہی ہو، اور اس کے ارباب حکومت مہر بلب ہوں، اور جہاں سلمان رشدیوں کا راج ہو، اہل نظر ہی بتا سکتے ہیں کہ ایسا ملک دارالاسلام ہے یا دار الکفر؟ کیا اس کے بعد ہمارے لئے قہرالٰہی سے بچنے کی توقع کی جاسکتی ہے؟

ہر طرف سے مایوس ہو کر جناب اقبال حیدر صاحب نے عدالت عالیہ سندھ میں ڈی آئی جی کے خلاف رٹ پٹیشن دائر کی ہے اور عدالت سے درخواست کی ہے کہ ڈی آئی جی کو حکم دیا جائے کہ توہین عدالت میں ملوث افراد کے خلاف مقدمہ درج کر کے قانونی کارروائی کریں تادم تحریر یہ درخواست عدالت عالیہ کے فیصلے کی منتظر ہے، دیکھئے اسے لائق سماعت سمجھا جاتا ہے یا نہیں۔

یہ تمام صورتحال بادل نخواستہ زبان قلم پر آئی۔ میں ان دس کروڑ فرزندان اسلام سے جو قیامت کے دن محمد عربی ﷺ کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں، صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ امت بانجھ ہو گئی ہے؟ اور اب اس میں کوئی غازی علم دین شہید پیدا نہیں ہوتا جو اس قسم کے موذیان رسولؐ کی نجاست سے خدا کی زمین کو پاک کر دے۔

آخر میں میں ان تمام افراد اور اداروں کے ارکان سے، جو اس سنگین گستاخی میں ملوث ہوئے ہیں، ان کی خیر خواہی کے لئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تاویلات کے ذریعے اس بے ہودہ جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ بلکہ اخلاقی جرات سے کام لے کر بذریعہ اخبار اپنے جرم کا اعتراف و اقرار کریں اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں توبہ کریں، اپنے اسلام کی تجدید کریں، اپنے نکاح دوبارہ پڑھائیں اور روضہ رسول ﷺ پر جاکر آنحضرت ﷺ سے معافی مانگیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطش شدید کی چکی میں ایسے پسیں گے کہ دیکھنے والوں کو رحم آئے گا۔ خدا کے قہر سے ڈریں اور اپنی دنیا

وعاقبت برباد نہ کریں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں :

قال الامام السبکی رحمه الله تعالٰی اعلم
وان اخترنا ان من اسلم وحسن اسلامه تقبل
توبته ویسقط قتله وهو ناج فی الآخرة ولکنا نخاف
علی من یصدر ذلک منه خاتمة السوء نسال الله
تعالٰی العافیة فان التعرض لجناب النبی صلی
الله علیه وسلم عظیم وغیرة الله له شدیدة وحمایته
بالغة فیخاف علی من وقع فیه بسب او عیب
او تنقص او امر ما ان یخذله الله تعالٰی ولا یرجع
له ایمان ولا یوفقه لهدایته ولهذا تری الکفرة فی
القلاع والحصون متی تعرضوا لذلک هلکوا وکثیر
ممن رایناه وسمعنا به تعرض لشیئ من ذلک وان
نجا من القتل فی الدنیا بلغنا عنهم خاتمة ردیة
نسال الله تعالٰی السلامة ولیس ذالک ببدع لغیرة
الله لنبیه صلی الله علیه وسلم وما من احد وقع فی
شیئ من ذالک فی هذه الازمنة مما شاهدناه او
سمعناه الا لم یزل منکوسا فی اموره کلها فی
حیاته ومماته فالحذر کل الحذر والتحفظ کل
التحفظ وجمع اللسان والقلب عن الکلام فی
الانبیاء الا بالتعظیم والاجلال والتوقیر
والصلاة والتسلیم وذلک بعض ما اوجب الله
تعالٰی لهم من التعظیم

(رسائل ابن عابدین ص۳۵۱ ج۲)

ترجمہ :"امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کے بعد تائب ہوجائے' دوبارہ اسلام قبول کرلے اور حسن اسلام کا مظاہرہ کرے اس کی توبہ قبول کی جائے گی' اور اس سے قتل کی سزا ساقط ہوجائے گی' اور وہ آخرت میں ناجی ہوگا' لیکن جس شخص سے ایسی چیز صادر ہو' ہمیں اس کے حق میں سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے "اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے" کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی کی بے ادبی نہایت سنگین جرم ہے اور اس معاملے میں حق تعالیٰ شانہ کی غیرت نہایت شدید ہے اس لئے جو شخص کسی ایسی چیز کا مرتکب ہو اس کے بارے میں شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق سے محروم کردیں اس کا ایمان واپس نہ لوٹائیں اور اسے ہدایت کی توفیق نہ دیں"۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

تذییل

یہ ناکارہ نماز عصر تک "بصائر و عبر" کی مندرجہ ذیل سطور مکمل کرکے قبیل مغرب گھر پہنچا۔ مغرب کے بعد ایک دوست نے میرے نام ایک پرچہ بھیجا' جس میں تحریر تھا:

"بندہ آج نماز ظہر کچھ دیر کے لئے سوگیا تھا۔ خواب میں دیکھا کہ تو ایک بڑے مجمع کو وعظ کررہا ہے۔ بندہ تیری دائیں جانب بالکل قریب بیٹھا ہے۔ تو نے مجھ سے کہا سیمیب کی آیت کہاں ہے؟ میں نے عرض کیا ۲۶ ویں پارے میں ہے۔ تو نے کہا یہ نہیں' میں نے پھر عرض کیا کہ ۸ ویں پارے میں ہے اور یہ آیت پڑھ کر سنائی:

سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ وعذاب شدید بما کانوا یمکرون۔

(الانعام، ۱۲۴)

ترجمہ: "عنقریب ان لوگوں کو، جنہوں نے یہ جرم کیا ہے، خدا کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی اور سزائے سخت ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں"۔

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

تو نے کہا، صحیح ہے، میں اس خواب سے پریشان ہوں اور جب آیت کا ترجمہ دیکھا تو پریشانی اور بڑھ گئی"۔

اس ناکارہ نے ان صاحب کو جواب میں لکھا:

"میں آج سارا دن اسی آیت کا مضمون لکھتا رہا ہوں، شاید اسی کا پرتو آپ کے قلب پر پڑا، خدا نہ کرے، کہ ہم اس آیت کا مصداق بنیں"۔

یہ خواب اور اس آیت کا مفہوم بھی اس ناکارہ کی تائید کرتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام کی بے حرمتی کے جرم میں ملوث ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے نہیں بچ سکتے، اور ارباب اقتدار میں سے جو لوگ ان مجرموں کی حمایت کریں گے وہ قہر الٰہی کا نشانہ بن کر رہیں گے، اس لئے ان پر لازم ہے کہ وہ صدق دل سے اس گناہ سے توبہ کا اعلان کریں اور اس کی تلافی کی کوشش کریں۔

بینات رمضان، شوال ۱۴۱۰ھ

توہینِ رسالتؐ کی سزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد

امام ابوداؤدؒ نے کتاب الحدود' باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بسند صحیح یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبرزہ سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کسی شخص سے ناراض ہوئے تو وہ شخص درشت کلامی پر اتر آیا' میں نے کہا اے خلیفہ رسول! آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن اڑادوں؟ میرے ان الفاظ سے ان کا سارا غصہ جاتا رہا' وہ وہاں سے اٹھ کر گھر چلے گئے اور مجھے بلا بھیجا۔ میں گیا تو مجھ سے فرمایا کہ ابھی تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے کہا کہ یہ کہا تھا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس شخص کی گردن اڑادوں! فرمایا اگر میں تم کو حکم کرتا تو تم یہ کام کرتے؟ عرض کیا' آپ فرماتے تو ضرور کرتا' فرمایا:

لا واللہ ماکانت لبشر بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(ابوداؤد ص ۶۰۰)

ترجمہ: "نہیں! اللہ کی قسم! یہ بات (کہ بدکلامی پر گردن اڑادی جائے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے نہیں"

مطلب یہ کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدزبانی کرنے والا سزائے موت کا مستوجب ہے۔ آپؐ کے بعد کوئی انسان ایسا نہیں جس کی بدگوئی کرنے والے کو سزائے موت دی جائے۔

رمضان و شوال ۱۴۱۰ھ کے "بصائر و عبر" میں اس مسئلہ کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے کہ کتاب و سنت اور فقہ اسلامی کی رو سے توہین رسالت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی مشہور کتاب "الصارم المسلول علی شاتم الرسول" میں اس مسئلہ پر قرآن و سنت کے نصوص اور صحابہ و تابعین کا مسلسل تعامل ذکر کرتے ہوئے آخر

میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے ان کو برا بھلا کہا اور ان کی ہتک عزت کی (غالباً اس علاقے کے گورنر نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے استصواب کیا ہو گا کہ کیا ایسے مفسد شخص کو قتل کر دیا جائے؟ اس کے جواب میں) حضرت عمرؒ نے گورنر کو لکھا کہ قتل صرف اس شخص کو کیا جاتا ہے جو شان رسالت میں دریدہ دہنی کرے' لہٰذا اس شخص کو قتل تو نہ کیا جائے البتہ سرزنش کے لئے اس کے سر پر اتنے کوڑے لگائے جائیں اور یہ کوڑے لگانا بھی محض اس شخص کی اصلاح اور بہتری کے لئے ہے' اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں اس کے کوڑے لگانے کا بھی حکم نہ دیتا۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وھذا مشھور عن عمر بن عبدالعزیز 'وھوخلیفة راشد 'عالم بالسنةمتبع لھا' فھذا قول اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین لھم باحسان لا یعرف عن صاحب ولا تابع خلاف لذالک 'بل اقرار علیہ واستحسان لہ

(الصارم المسلول ص ۱۷۷)

ترجمہ :"اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ واقعہ مشہور ہے' جب وہ خلیفہ راشد ہیں قرآن و سنت کے عالم اور بے حد متبع سنت ہیں' پس شاتم رسولؐ کا واجب القتل ہونا صحابہ و تابعین کا اجماعی فیصلہ ہے۔ کسی ایک صحابی اور ایک تابعی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں۔"

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی رو سے توہین رسالت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق ہے اور اس مسئلہ پر تمام صحابہ و تابعین اور فقہائے امت متفق ہیں۔

○

انگریز کے دور اقتدار میں ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے کوئی قانون نہیں تھا لیکن راجپال جیسے ازلی بدبختوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر ناپاک حملے کئے

اور وہ غازی علم الدین شہید جیسے فدائیان رسالت کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچے تو انگریز کو مذہبی رہنماؤں کی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے قانون وضع کرنا پڑا' چنانچہ ۱۹۲۷ء میں تعزیرات ہند میں دفعہ ۲۹۵ الف ایزاد کی گئی جو مجموعہ تعزیرات پاکستان مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۶۴ء میں درج ذیل الفاظ میں مذکور ہے۔

دفعہ ۲۹۵ ۔الف ۔جو کوئی شخص ارادتاً اور اس عداوتی نیت سے کہ پاکستان کے شہریوں کی کسی جماعت کے مذہبی احساسات کو بھڑکائے بذریعہ الفاظ زبانی یا تحریری اشکال محسوس العین اس جماعت کے معتقدات مذہبی کی توہین کرے یا توہین کرنے کا اقدام کرے اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

چوہدری محمد شفیع باجوہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں : ۔

"یہ دفعہ ۱۹۲۷ء میں ایزاد کی گئی تاکہ اگر کسی مذہب کے بانی پر توہین آمیز حملہ کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو سزا دی جا سکے۔ اس سے پہلے اس قسم کے اشخاص کے خلاف دفعہ ۱۵۳ ۔الف استعمال ہوا کرتی تھی مگر ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کی رو سے یہ طریقہ غلط قرار پایا۔ تقریر کرنے والے یا مضمون لکھنے والے۔

(شرح مجموعہ تعزیرات پاکستان ص ۱۲۱ ۱۲۲)

چونکہ توہین رسالت کے جرم کی یہ سزا (جو انگریزی قانون نے تجویز کی اور جسے تعزیرات پاکستان میں جوں کا توں رکھا گیا تھا) بالکل ناکافی تھی' اس لئے ۱۹۸۴ء میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵ سی کا اضافہ کیا گیا اور اس کے ذریعہ اس جرم کی سزا سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ تجویز کی گئی' اس دفعہ کا متن حسب ذیل ہے۔

۲۹۵ (سی) نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں اہانت آمیز کلمات کا استعمال

جو شخص الفاظ کے ذریعے خواہ زبان سے ادا کئے جائیں یا تحریر میں لائے گئے ہوں' یا دکھائی دینے والی تمثیل کے ذریعے یا بلاواسطہ یا بالواسطہ تہمت یا طعن یا چوٹ کے ذریعہ نبی کریم (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام کی بے حرمتی کرتا ہے اس کو موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہو گا۔"

تعزیرات پاکستان کی یہ دفعہ ۲۹۵ سی بھی اسلامی قانون سے ہم آہنگ نہیں تھی۔ کیونکہ اس میں اس سنگین جرم کی سزا موت یا عمر قید تجویز کی گئی حالانکہ توہین رسالت کی سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ اس لئے وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک فیصلہ میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کی جائے اور اس دفعہ میں "یا عمر قید" کے الفاظ حذف کر کے توہین رسالت کی سزا صرف موت مقرر کر دی جائے اگر اس تاریخ تک حکومت نے اس قانون کی اصلاح نہ کی تو اس تاریخ کے بعد یہ الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے اور صرف سزائے موت ملک کا قانون قرار پائے گا' لیکن حکومت نے اس تاریخ سے قبل اس قانون کی اصلاح نہیں کی' اس لئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق دفعہ ۲۹۵ سی میں "یا عمر قید" کے الفاظ کالعدم قرار پائے اور قانون یہ بن گیا ہے کہ توہین رسالت کے جرم کی سزا صرف موت ہے۔

ہمارے قانون ساز اداروں کو بعد از وقت خیال آیا کہ اس قانون کی اصلاح ہونی چاہئے۔ اور دفعہ ۲۹۵ سی میں "یا عمر قید" کے الفاظ حذف کرنے چاہئیں۔ چنانچہ قومی اسمبلی نے ۲ جون ۱۹۹۲ء کو متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے

موت دی جائے۔ خبر کا متن حسب ذیل ہے

"اسلام آباد (نمائندہ جنگ) قومی اسمبلی نے منگل کے دن متفقہ قرارداد منظور کی کہ توہین رسالتؐ کے مرتکب کو پھانسی کی سزا دی جائے اور اس ضمن میں مجریہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ (ج) میں ترمیم کی جائے اور عمر قید کے لفظ حذف کر کے صرف پھانسی کا لفظ رہنے دیا جائے۔ یہ قرارداد آزاد رکن سردار محمد یوسف نے پیش کی اور کہا کہ ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ توہین رسالتؐ کے مرتکب شخص کو سزائے موت دی جائے جب کہ قانون میں عمر قید اور پھانسی کی سزا متعین کی گئی ہے۔ مذہبی امور کے وفاقی وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی نے بتایا کہ وزیراعظم کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا تھا جس میں تمام مکتبہ فکر کے علماء نے شرکت کی تھی اس اجلاس میں طے پایا تھا کہ توہین رسالتؐ کے مرتکب کو کم تر سزا نہیں دینی چاہئے اس کی سزا موت ہونی چاہئے۔ وفاقی وزیر پارلیمانی امور چوہدری امیر حسین نے کہا کہ حکومت اس قرارداد کی مخالفت نہیں کرتی حکومت اس ضمن میں پہلے بھی قانون سازی کی تیاری کر رہی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ضمن میں ایک ترمیمی بل سینیٹ میں پیش ہو چکا ہے"۔

(۳جون ۱۹۹۲ء روزنامہ جنگ کراچی)

۸ جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ نے توہین رسالتؐ کے مجرم کو سزائے موت کا ترمیمی بل منظور کیا

"اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) سینیٹ نے بدھ کو ایک بل کی منظوری دی جس کے تحت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی بے حرمتی کی سزا موت ہو گی فوجداری قانون میں تیسری ترمیم کا بل وفاقی شرعی عدالت کے حالیہ فیصلہ کی روشنی میں منظور کیا گیا ہے۔

عدالت نے اپنے فیصلہ میں کہا تھا کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ سی کے تحت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی بے حرمتی پر عمر قید کی سزا اسلامی احکامات کے منافی ہے۔ یہ بل جو قومی اسمبلی پہلے ہی منظور کر چکی ہے سینیٹ میں وزیر قانون چودھری عبدالغفور نے پیش کیا انہوں نے بل کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ قانون میں شاتم رسولؐ اور توہین رسالت کی سزا عمر قید یا سزائے موت ہے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی توہین کی سزا عمر قید کی بجائے سزائے موت تجویز کی گئی ہے کیونکہ عدالت کے خیال میں ایسے ملزم کو صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہئے۔

سینیٹر راجہ محمد ظفر الحق نے اس موقع پر کہا کہ قانون کے بارے میں اسٹینڈنگ کمیٹی نے تجویز کیا ہے کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۹۵ کے تحت آنے والے جرم کی مزید تشریح کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ قائد ایوان محمد علی خان نے کہا کہ رسول اکرمؐ کی حرمت اور شان رسالتؐ کے بارے میں دو آراء نہیں اس لئے اس بل کو موخر کرنے کا کوئی جواز نہیں اور اگر اس کی منظوری جلد نہ کی گئی تو یہ بھی ایک جرم ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ توہین رسالتؐ کا ملزم صرف سزائے موت کا ہی حق دار ہے۔ انہوں نے امام خمینی مرحوم کی بھی مثال دی انہوں نے شاتم رسولؐ سلمان رشدی کے لئے سزائے موت کا اعلان کیا تھا اور ایران کی موجودہ حکومت نے ملعون رشدی کے بارے میں فیصلہ نہیں بدلا۔ سینیٹر مولانا سمیع الحق سینیٹر حافظ حسین احمد میاں عالم علی لالیکا' سید اشتیاق اظہر نے بھی بل کی فوری منظوری پر زور دیا۔ سینیٹر راجہ محمد ظفر الحق' عبدالرحیم' مندوخیل اور جام کرار الدین نے

توہین رسالتؐ کی تشریح کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر قانون نے یقین دلایا کہ اس بارے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے تشریح طلب کی جائے گی۔ ایوان نے متفقہ طور پر بل کی منظوری دے دی۔ ایوان نے کاپی رائٹ آرڈی نینس میں مزید ترمیم کے بل پر غور جمعرات تک موخر کر دیا۔ میاں عالم علی لالیکا' ڈاکٹر بشارت الٰہی' سید اقبال حیدر نے کہا کہ قانون سازی ایوان کے ذریعے ہونی چاہئے' اور آرڈی نینس کا اجراء نہیں ہونا چاہئے' ایوان کا اجلاس بعد میں جمعرات کی صبح ۱۰ بجے تک ملتوی ہو گیا۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۹ جولائی ۱۹۹۲ء)

سینیٹ سے منظوری کے بعد آج کل یہ بل قومی اسمبلی میں زیر بحث ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ جس طرح قومی اسمبلی نے متفقہ قرارداد منظور کی تھی اور جس طرح سینیٹ نے یہ بل متفقہ طور پر منظور کیا تھا اسی طرح قومی اسمبلی بھی اس بل کو بغیر کسی بحث و تمحیص کے متفقہ طور پر منظور کر لیتی' لیکن افسوس ہے کہ نہ صرف اس پر مخالفانہ آراء کا اظہار کیا گیا بلکہ بحث کے دوران بعض ناخوشگوار واقعات بھی پیش آئے۔ چنانچہ اخباری خبر کے مطابق:

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) قومی اسمبلی میں جمعرات کو قانون سازی کے دوران توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرموں کو عمر قید کی بجائے سزائے موت دینے کے مسودہ قانون پر بحث شروع ہوئی۔ اقلیتی ارکان نے خدشے کا اظہار کیا کہ اس قانون کو غیر مسلموں کے خلاف استعمال کیا جائے گا تاہم وزیر مذہبی امور مولانا عبدالستار خان نیازی نے وضاحت کی کہ ملک میں غیر مسلموں کو مکمل آئینی تحفظ حاصل ہے اس لئے ان کے خدشات بے بنیاد ہیں۔ قبل ازیں پارلیمانی امور کے وزیر چوہدری امیر حسین نے ایوان میں ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء ترمیمی بل پیش کیا یہ

بل سینیٹ پہلے ہی منظور کر چکا ہے۔ اس بل کے ذریعہ کرمنل لاء ترمیمی بل ۱۹۹۲ء میں مزید ترمیم کی گئی ہے۔ سید نوید قمر نے کہا کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم میں کسی سے پیچھے نہیں لیکن ہم مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہیں۔ چوہدری الطاف حسین نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار پانچ شاتم رسولؐ قتل کیے گئے تھے' اس لئے شاتم رسول کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے وزیر مملکت برائے اقلیتی امور پیٹر جان سہوترا نے کہا کہ اس بل سے سب سے زیادہ غیر مسلم متاثر ہوں گے۔ اقلیتی رکن طارق قیصر نے کہا کہ یہ بل غیر مسلموں اور خاص طور پر مسیحیوں کے لئے ننگی تلوار ہے جسے غلط استعمال کیا جائے گا جے سالک نے کہا کہ پاکستان میں گستاخ رسول پیدا ہو ہی نہیں سکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے گا لوگ اسے خود سزا دیں گے۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۷ اگست ۱۹۹۴ء)

"محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ملک کے ۱۲ کروڑ عوام ناموس رسالتؐ کی حفاظت خود کر سکتے ہیں حکومت ناموس رسالت کے سلسلہ میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی سازش کر رہی ہے جو کہ بنیادی طور پر قائداعظم کے نظریات کے خلاف ہے اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے اور اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ انہوں نے کہا کہ گواہوں اور شہادتوں کی بناء پر شان رسالتؐ میں گستاخی کرنے والے کو سزا دینا اس لئے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں تو ارکان پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی

توقع نہیں کی جا سکتی۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ اگست ۱۹۹۲ء)

○

قومی اسمبلی میں اس بل پر جو مباحثہ ہوا اور اسمبلی کے فاضل ارکان نے اس بل کے خلاف جن خیالات کا اظہار کیا اس سلسلہ میں چند امور لائق توجہ ہیں۔

اول یہ کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت حکومت کو ہدایت کر چکی تھی کہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۲ء تک دفعہ ۲۹۵ سی سے "یا عمر قید" کے الفاظ ازخود کالعدم قرار پائیں گے اور "توہین رسالتؐ کی سزا موت" ملک کا قانون قرار پائے گا "اگر اس تاریخ سے پہلے یہ بل قانون ساز ادارے میں پیش کیا جاتا تو اس پر قومی اسمبلی میں بحث کرنا لائق فہم ہوتا۔ لیکن اس تاریخ کے بعد عدالت کے فیصلوں کی رو سے اس بل کو قومی اسمبلی میں لانا اور اس پر مخالفانہ بحث کرنا ہی بے جواز ہے اور قومی اسمبلی کے موقر ادارے سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہئے کہ اس طرح کی بے جواز لایعنی بحثوں میں وقت ضائع کرے۔ چنانچہ ملک کے معروف قانون دان جناب اسماعیل قریشی اور ظفر علی راجہ کا درج ذیل بیان اخبارات میں شائع ہوا:

"لاہور (اسٹاف رپورٹر) ورلڈ ایسوسی ایشن آف مسلم جیورسٹس پاکستان کے سربراہ اسمٰعیل قریشی اور سیکریٹری جنرل ظفر علی راجہ نے کہا کہ توہین رسالتؐ کی سزا موت مقرر کرنے کے لئے قومی اسمبلی میں بحث بلا جواز ہے کیونکہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا موت ہو چکی ہے اور یہ ملک کا نافذ العمل قانون ہے۔ انہوں نے گزشتہ روز ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی درخواست پر وفاقی شرعی عدالت نے اکتوبر ۱۹۹۰ء تک توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صرف موت مقرر کر دی جائے ورنہ اسی تاریخ کے بعد سزا موت ملک کا قانون بن جائے گا وفاقی شرعی عدالت

کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی گئی بعد میں وزیراعظم نے ہماری ملاقات کے بعد اعلان کیا کہ یہ اپیل حکومت کے ایماء پر نہیں کی گئی بلکہ حکومت کے اہلکاروں کی غلطی سے دائر ہوئی ہے اور اس اپیل کو واپس لے لیا گیا اور سپریم کورٹ نے حکومت کی یہ اپیل خارج کر دی اس کے بعد اب توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا اس ملک میں صرف موت ہے اور یہ دفعہ ۲۹۵ سی کی شکل میں تعزیرات پاکستان میں موجود ہے۔ (روزنامہ جنگ لاہور ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء)

دوم : جن فاضل ارکان نے یہ کہا ہے کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار پانچ شاتم رسول قتل کیے گئے اس لئے شاتم رسولؐ کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے"۔ افسوس ہے کہ ان کی معلومات ناقص ہیں اور ان سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ بھی غیر منطقی ہے۔ اس لئے شاتم رسولؐ کو سزائے موت دینا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک محدود نہیں تھا بلکہ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و تابعینؒ کا اجماعی فیصلہ تھا جس پر اسلامی حکومتوں میں ہمیشہ عمل درآمد رہا اور جس پر تمام فقہائے ملت متفق ہیں۔ پس جو سزا ہمیشہ سے اسلامی قانون تعزیرات میں شامل رہی ہو اس کے بارے میں یہ کہنا کہ اسلامی ریاست کو اس کا حق نہیں ملنا چاہئے کس قدر غیر معقول بات ہے؟

حافظ ابن تیمیہؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لہ ان یعفو عمن شتمہ وسبہ فی حیاتہ ولیس للامتہ ان یعفوعن ذالک"
(الصارم المسلول ص ۱۹۵)

ترجمہ :"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حیات طیبہ میں یہ حق

حاصل تھا کہ آپؐ کو سب و شتم کرنے والے کو آپؐ معاف فرما دیں۔
لیکن آپؐ کے بعد امت کو معاف کرنے کا حق حاصل نہیں"

لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کسی دریدہ دہن سے عفو و درگزر کا معاملہ فرمایا تو چونکہ یہ خالص آپ کا حق تھا اس لئے معاف کر دینا بجا تھا' لیکن امت کے حق میں یہ قانون قانون الٰہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ شاتم رسولؐ کو موت کی سزا دی جائے۔ اس لئے امت اس قانون کو منسوخ یا معطل کرنے اور شاتم رسول کو معاف کرنے کی مجاز نہیں۔

سوم : جن فاضل ارکان نے یہ کہا ہے کہ ہم بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم میں کسے سے پیچھے نہیں لیکن ہم مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہیں۔ ان کی بات بھی نہ صرف غیر معقول ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ حد درجہ مہمل ہے تو بے جا نہ ہو گا اس لئے کہ جب کوئی دریدہ دہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر حملہ کرے اور شان رسالتؐ میں توہین و تنقیص کا مرتکب ہو تو ایک مسلمان کی ایمانی غیرت و حمیت ایسے موذی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی لہٰذا اگر آنحضرت صلیؐ اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم میں کسی سے پیچھے نہ رہنے کا دعویٰ صحیح ہے تو ایسے موذی کی سزائے قتل کو "مذہبی انتہاپسندی" سے تعبیر کرنا قطعاً غلط اور مہمل ہے۔

چہارم : اقلیتی ارکان کی طرف سے اس خدشہ کا اظہار ناقابل فہم ہے کہ اس قانون سے غیر مسلم زیادہ متاثر ہوں گے یا یہ کہ یہ قانون مسیحی برادری کے لئے ننگی تلوار ہے۔ سوال یہ ہے کہ پاکستان کے شریف غیر مسلم شہریوں کو ناموس رسالتؐ سے کھیلنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریدہ دہنی کی کیا ضرورت ہے کہ وہ اس قانون سے خائف ہوں لیکن اگر کوئی بدبخت دریدہ دہنی کر کے اپنے کیفر کردار کو پہنچتا ہے تو اسمبلی کے فاضل ارکان ایسے موذی کی وکالت کیوں کرتے ہیں؟

پنجم : سب سے زیادہ دلچسپ بحث قائد حزب اختلاف صاحبہ کی ہے کہ "ملک کے بارہ کروڑ عوام ناموس رسالتؐ کی حفاظت خود کر سکتے ہیں" کاش کوئی ان سے دریافت کر سکتا کہ بارہ کروڑ عوام نے آپ لوگوں کو ناموس رسالتؐ کی حفاظت کے لئے ہی تو اپنی

نمائندگی کا اعزاز بخشتا ہے۔ اگر بارہ کروڑ عوام اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ ناموس رسالتؐ کی حفاظت نہیں کر سکتے تو پھر اس کے لئے ان کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے' کیا آپ بارہ کروڑ عوام کو یہ تلقین فرمانا چاہتی ہیں کہ وہ اس قسم کے مجرموں کو قانون کے حوالے نہ کیا کریں بلکہ آگے بڑھ کر ان سے خود نمٹا کریں۔ چلئے! بارہ کروڑ باغیرت مسلمان اس کے لئے بھی تیار ہیں لیکن اگر عوام ایسے موذی کو کیفرکردار تک پہنچائیں تو ان عوام کے خلاف آپ کی "اسلامی مملکت" کا قانون تو حرکت میں نہیں آئے گا؟ آئے گا اور یقیناً آئے گا اس صورت میں بارہ کروڑ عوام کو قانون ہاتھ میں لینے کا مشورہ دینا محض عوام کو دھوکا دینے کے لئے نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا دنیائے سیاست کا یہ اعجوبہ نہیں کہ قائد حزب اختلاف قانون سازی میں تعاون کرنے کے بجائے بارہ کروڑ عوام کو قانون ہاتھ میں لینے کی تلقین فرما رہی ہیں۔

اور اس کے بعد موصوفہ نے جو کچھ کہا اس پر تو وہی فتویٰ صادر ہونا چاہئے تھا جو مولانا عبدالستار نیازی نے دیا۔ لیکن افسوس کہ مولانا کو اپنی سیاسی مجبوریوں کی بناء پر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ
محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

بینات ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کا فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی' اما بعد

ایک عرصہ سے دینی حلقوں کی جانب سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج ہونا چاہیۓ' اس مطالبہ کی وجوہات کا خلاصہ حسب ذیل ہے

اول : پاکستان کے مطالبہ کی تحریک دو قومی نظریہ کی بنیاد پر اٹھائی گئی تھی لیکن قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے تمام شہریوں کے لئے "پاکستانی قومیت" تجویز کی گئی' اور مسلم وغیر مسلم کے امتیاز کی کوئی علامت باقی نہیں رکھی گئی' اس امتیاز کو یکسر نظرانداز کردینا گویا دو قومی نظریہ کی بنیاد کو اکھاڑ دینے کے ہم معنی ہے' اس لئے ضروری تھا کہ کم سے کم قومی شناختی کارڈ میں مسلم وغیر مسلم کی تشخیص کی جائے۔

دوم : پاکستان میں جداگانہ انتخاب کا اصول رائج ہے' اس کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے ہر شہری کے مذہب کی تشخیص کی جائے کیونکہ جب تک رائے دہندگان کے مذہب کی تشخیص نہ ہو "جداگانہ انتخاب" صحیح اصول پر کامیاب نہیں ہوسکتا۔

سوم : بتاریخ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں قومی اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور اس فیصلہ کے مطابق آئین کی دفعہ ۱۰۶ (د) میں غیر مسلم اقلیتوں کی فہرست میں قادیانیوں کا اندراج کیا گیا۔ لیکن قادیانی قومی اسمبلی کے فیصلہ اور آئین پاکستان کے علی الرغم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور چونکہ وہ بھی مسلمانوں سے ملتے جلتے نام رکھتے ہیں اس لئے ناواقف آدمی ان کے ناموں سے دھوکا کھاکر ان کو مسلمان سمجھ لیتا ہے۔ قادیانیوں کے اس دجل و تلبیس کو ختم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ شناختی کارڈ میں ان کے مذہب کا اندراج کیا جائے۔

چہارم .... برادر اسلامی ممالک میں قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے اور اس مقصد کے لئے

قومی پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کا اضافہ کیا گیا ہے مگر چونکہ پاسپورٹ شناختی کارڈ کی بنیاد پر جاری کئے جاتے ہیں اور شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج نہیں تھا اس لئے ممانعت کے باوجود قادیانی غلط پاسپورٹ بنوا کر اسلامی ممالک میں پہنچ جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اس کے سد باب کے لئے ضروری تھا کہ قومی پاسپورٹ کے ساتھ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج کیا جائے۔

پنجم : قادیانیوں نے ہزاروں مسلم نوجوانوں کو بیرون ممالک میں روزگار دلانے کا جھانسہ دے کر ان کے پاسپورٹ پر "احمدی" لکھوایا اور انہیں بیرونی ممالک میں "پناہ" دلوائی' قادیانیوں کی اس ارتدادی مہم کا انسداد اسی صورت میں ممکن تھا کہ قومی شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج کیا جائے تاکہ مسلمان نوجوانوں کو قادیانیوں کے "ارتدادی اغوا" سے بچایا جاسکے۔

خلاصہ یہ کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج جہاں نظریہ پاکستان اور جداگانہ انتخاب کا مقتضٰی تھا وہاں قادیانیوں کی ارتدادی سرگرمیوں کے سد باب کے لئے بھی ضروری تھا اور یہ مطالبہ ایسا معقول' مدلل اور منطقی تھا کہ کسی سمجھ بوجھ والے شخص کو اس سے انحراف کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اس مطالبہ کی معقولیت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سردست تمام شناختی کارڈوں کا تبدیل کرنا مشکل ہے اس لئے جب کمپیوٹرائز سسٹم پر نئے شناختی کارڈوں کا اجرا ہو گا (جو حکومت کے زیر غور تھا) اس وقت شناختی کارڈ میں مذہب کا اندراج لازماً کیا جائے گا۔ قادیانیوں نے اس وقفہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہمارے ارباب اقتدار کو نہ جانے کیا سمجھایا کہ جب نئے شناختی کارڈوں کے اجراء کا آغاز ہوا تو اس میں مذہب کا اندراج نہیں تھا' آل پارٹیز مجلس عمل تحفظ ختم نبوت نے اس پر احتجاجی تحریک چلائی' اس سلسلہ میں بہت گفتنی وناگفتنی امور پیش آئے۔ بالآخر "مجلس عمل" نے فیصلہ کیا کہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو قومی اسمبلی کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کیا جائے' اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئی بلکہ حکومت نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو مطالبہ منظور کرلیا۔ حکومت کے فیصلہ کی خبر ۱۴ اگست کے اخبارات میں

حسب ذیل شائع ہوئی :

"اسلام آباد (نمائندہ جنگ) حکومت نے شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کا فیصلہ کرلیا ہے' آئندہ وزارت داخلہ کی طرف سے جاری ہونے والے نئے شناختی کارڈوں میں ہر فرد کے مذہب کا اندراج کیا جائے گا اور اب تک جو شناختی کارڈ جاری ہو چکے ہیں ان میں بھی اس فیصلے کے مطابق تبدیلی کردی جائے گی۔ حکومت پہلے ہی پرانے شناختی کارڈوں کی جگہ نئے کمپیوٹرائز کارڈ جاری کرنے کا فیصلہ کرچکی ہے اور یہ کام پورے ملک میں شروع کیا جارہا ہے۔ تمام رجسٹریشن دفاتر کو وزارت داخلہ کی طرف سے یہ ہدایت جاری کی جارہی ہے کہ اب کوئی شناختی کارڈ مذہب کے اندارج کے بغیر جاری نہ کیا جائے۔ اس بات کا فیصلہ وزارت داخلہ میں مختلف مکاتب فکر کے ممتاز علماء مشائخ اور حکومت کے اعلیٰ حکام کے مشترکہ اجلاس میں طے کیا گیا جس کی صدارت وزیر مذہبی امور مولانا عبدالستار خان نیازی نے کی' اجلاس میں وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین بھی موجود تھے۔ یہ اجلاس دو گھنٹے سے زیادہ وقت تک جاری رہا۔ اجلاس میں جو فیصلہ کیا گیا اس کے مطابق شناختی کارڈوں میں مذہب کا اندراج پاکستان کے آئین میں کی گئی مذہب کی تعریف کے مطابق ہوگا۔

یہ فیصلہ چاروں صوبائی حکومتوں' وفاقی وزارت مذہبی امور اور اسلامی نظریاتی کونسل کی ان سفارشات کے مطابق کیا گیا ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ضروری ہے۔ آئینی تقاضوں کے مطابق مذہب کے خانہ میں مسلمان' عیسائی' قادیانی' ہندو' پارسی' سکھ' بدھ مت اور دیگر مذاہب درج ہوں گے۔ مذہب کے اندراج کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی گئی کہ ہمارے ہاں جداگانہ انتخابات کا طریقۂ رائج ہے جس کے لئے رائے دہندگان کی فہرستیں قومی شناختی کارڈ کی بنیاد پر تیار کی جاتی

ہیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ آئین کے مطابق مذہب کی تفصیل شناختی کارڈ میں درج کی جائے"۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۲ء)

وہ تمام حضرات شکریہ کے مستحق ہیں جن کے فہم و تدبر کی بنا پر یہ مطالبہ تسلیم کرلیا گیا۔ خدا کرے کہ ارباب حکومت نے جس طرح اس مطالبہ کے تسلیم کرنے میں فہم ودانش کا مظاہرہ کیا اس طرح اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے میں لیت ولعل سے کام نہ لیا جائے اور "مجلس عمل" کو بطور خاص اس کی بھی نگرانی کرنی چاہئے کہ اس فیصلہ پر عمل درآمد کرنے میں کوئی گھپلہ تو نہیں کیا جارہا؟ کیونکہ اس امر کا قوی اندیشہ ہے کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے مذہب کے خانے میں "مسلم" کا اندراج کرانے کی کوشش کریں گے۔

(جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ)

شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کے اضافہ پر اعتراضات کی حقیقت

گزشتہ شمارے میں قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے مطالبہ کی معقولیت کے دلائل اور وجوہات اور اس کی اہمیت وضرورت پر چند گزارشات پیش کی تھیں مگر افسوس ہے کہ معقول مطالبہ کے تسلیم کئے جانے کے بعد سے ہی بعض سیاستدان اور اقلیتی نمائندے قادیانی سازشوں اور پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اس مبنی بر انصاف فیصلہ کے خلاف عوام کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ناپاک مہم میں مصروف ہوگئے۔ شاہین ختم نبوت جناب مولانا اللہ وسایا صاحب نے اپنے ایک مضمون میں مخالفین کے تمام اعتراضات اور غلط فہمیوں کا معقول انداز میں جائزہ لیا ہے جس کی اہمیت اور معقولیت کے پیش نظر بصائر وعبر میں شامل کیا جارہا ہے۔ :

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قادیانی غیر مسلم قرار پائے' آئین کی دفعہ ۲۰۸' ۲۶۰ میں ترمیم ہوئی' چونکہ قادیانیوں نے خود کو غیر مسلم تسلیم کرنے سے عملاً انکار کر دیا تھا اس لئے بھٹو صاحب کے ہی دور حکومت میں رجسٹریشن ایکٹ میں ترمیم کرکے شناختی کارڈ کے فارموں میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا گیا۔ ہر وہ شخص جو اپنا مذہب اسلام لکھے' اس کے لئے شناختی کارڈ کے فارم میں ایک حلف نامہ شامل کیا گیا۔

اس وقت کی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت پاکستان کے ذمہ دار راہنماؤں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری' مولانا مفتی محمود' پروفیسر غفور احمد' مولانا شاہ احمد نورانی' چوہدری ظہور الہی' مولانا عبدالحق' مولانا تاج محمود' مولانا عبیداللہ انور' نوابزادہ نصراللہ خان' مولانا عبدالستار خان نیازی' وغیرہم نے بھٹو حکومت سے مطالبہ کیا کہ شناختی کارڈ کے فارم تو رجسٹریشن دفاتر میں ہی رہ جائیں گے ضروری ہے کہ شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کا اضافہ کیا جائے۔ بھٹو صاحب نے فرمایا کہ پورے ملک کے شناختی کارڈ نئے سرے سے بنانے پر قومی خزانہ پر ناروا بوجھ ہوگا۔ تاہم آپ کا مطالبہ معقول ہے مناسب وقت پر اس پر عمل درآمد کرلیا جائے گا۔ قادیانی سازش سے بھٹو صاحب اور مجلس عمل کے درمیان کشیدگی پیدا کردی گئی جس کے نتیجہ میں اس ترمیم پر قانون سازی نہ ہوسکی۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے آرڈی نینس کے ذریعے اس خلا کو پر کیا اور پھر پاسپورٹ میں خانہ مذہب کا اضافہ کردیا گیا۔

پاسپورٹ چونکہ شناختی کارڈ کی بنیاد پر بنتا ہے اس لئے ایسے ممالک جہاں پر قادیانیوں کا داخلہ ممنوع ہے یا حرمین شریفین وہاں جانے کے لئے قادیانیوں نے خود کو مسلمان لکھوایا۔ یا مغربی جرمنی میں سیاسی پناہ حاصل کے لئے لے جانے کا چکمہ دے کر مسلمانوں کو قادیانی لکھوایا جاتا رہا۔ اس قسم کے بیسیوں کیس ملک میں پکڑے گئے جن میں قادیانی ایجنٹ مسلمانوں کو قادیانی ظاہر کرکے مغربی جرمنی اور کینیڈا لے جارہے تھے۔ اس سے ہزاروں مسلمانوں کو ارتداد کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ یہ وہ امور ہیں جن کے باعث (جب پاکستان کی وزارت داخلہ نے نئے سرے سے شناختی کارڈ کمپیوٹر پر لانے کا فیصلہ کیا تو) مطالبہ کیا گیا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا اضافہ کیا جائے۔

مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ' مولانا فضل الرحمٰن' مولانا سمیع الحق' مولانا شاہ احمد نورانی' جنرل محمد حسین انصاری' قاضی حسین احمد' پروفیسر ساجد میر' اور دوسرے قومی رہنماؤں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا گیا اور اس سلسلہ میں متعدد بار صدر مملکت' وزیر اعظم' وزیر داخلہ اور دوسرے ذمہ دار حضرات سے مختلف وفود نے ملاقاتیں کیں' سیمینار منعقد کئے گئے' اشتہارات شائع ہوئے' اخبارات میں مطالبہ کیا گیا' پھر حکومت نے چاروں صوبائی حکومتوں سے رپورٹیں منگوائیں جو مطالبہ کے حق میں آئیں اور بالآخر ۱۳ اکتوبر کو وزارت داخلہ اور مذہبی امور نے دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث' شیعہ مکاتب فکر کے رہنماؤں کا اجلاس بلاکر فیصلہ کا اعلان کردیا کہ شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کا اضافہ ہوگا۔

فیصلہ کا اعلان ہوتے ہی مختلف طبقات نے اس پر اعتراضات شروع کردیئے جسے بعض حضرات نے سیکولر اور دینی قوتوں کے درمیان کشمکش کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ تمام تر دینی قوتیں اسے مبنی بر انصاف اور آئین کے مطابق قرار دے رہی ہیں جب کہ تمام تر سیکولر سیاسی رہنما اور جماعتیں اس کی مخالفت کررہی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والوں کے اعتراضات کی حقیقت کیا ہے؟

پی ڈی اے جو دراصل پیپلزپارٹی کا دوسرا نام ہے۔ اس کی مخالفت میں پیش پیش ہے اور وہ اسے فرقہ واریت کا باعث قرار دے رہے ہیں' حالانکہ بھٹو صاحب کے دور میں ہی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا تھا۔ اور جب مرزائیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو بھٹو صاحب نے ہی رجسٹریشن ایکٹ میں ترمیم کے ذریعہ شناختی کارڈ کے فارموں میں خانہ مذہب اور حلف نامہ کا فیصلہ کیا۔ اگر یہ فرقہ واریت کا باعث ہے تو اس کی ذمہ داری ان کے بانی رہنما پر عائد ہوتی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قادیانی غیر مسلم اقلیت نے ترمیم کو تسلیم کرلیا ہوتا تو یہ مسائل پیدا نہ ہوتے۔ قادیانیوں کی آئین سے بغاوت ہی ان مسائل کے جنم لینے کا باعث بن رہی ہے۔ اقلیتوں کے حقوق کا ڈھنڈورہ پیٹنے والے حضرات قادیانیوں کو آئین سے سرکشی وبغاوت پر ٹوکنے کی بجائے' ان کو پابند آئین بنانے والوں پر غم وغصہ کا اظہار کررہے ہیں اور یوں بھٹو صاحب مرحوم کی سب سے بڑی نیکی پر

پانی پھیر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی میں سردار فاروق احمد خان لغاری ایسے دیندار حضرات سے توقع ہے کہ وہ صورتحال کا صحیح تجزیہ کریں گے اور محض حکومت کی مخالفت میں اس جائز اور مبنی بر انصاف فیصلے کی مخالفت برائے مخالفت کے اقدام سے گریز کریں گے۔

جہاں تک یہ کہنے کا تعلق ہے کہ اس سے فرقہ واریت پھیلے گی' اگر تو اس سے مراد مسلم فرقے ہیں تو دیوبندی' بریلوی' اہل حدیث وغیرہ مکاتب فکر کے قابل ذکر تمام رہنما اس مطالبہ اور اب فیصلہ کے حق میں ہیں' اور اگر فرقہ واریت سے مراد مسلم وغیر مسلم کی کشمکش ہے جیسا کہ بعض حلقوں نے اسے قائد اعظم کی اسمبلی میں پہلی تقریر کے حوالے سے غلط قرار دیا ہے تو وہ حضرات یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی مملکت ہے۔ اسلامی نظریاتی مملکت کی بنیاد ہی مسلم وغیر مسلم کی تمیز و تشخص پر مبنی ہوتی ہے۔ دو قومی نظریہ کا معنی ہی مسلم وغیر مسلم کا تشخص اور تمیز ہے۔ جناب قائد اعظم نے ہی جداگانہ طرز انتخاب کا مطالبہ کیا تھا۔ اگر مسلم وغیر مسلم کا تشخص فرقہ واریت ہے تو معترضین قائد اعظم پر کیا حکم لگائیں گے اور اگر آج کے حالات میں خانہ مذہب کے اضافہ کو مناسب خیال نہیں کیا جارہا تو فرمائیے کہ ووٹر لسٹوں میں علیحدہ ترتیب واشاعت' ان کے رنگوں کی علیحدگی' اقلیتوں کی علیحدہ سیٹیں' اقلیتوں کا علیحدہ کوٹہ' پاسپورٹ میں خانہ مذہب کا موجود ہونا' اسکول کے داخلہ فارم وغیرہ میں خانہ مذہب کا موجود ہونا' شناختی کارڈ کے فارموں میں خانہ مذہب کے موجود ہونے سے فرقہ واریت نہیں پھیلی اور غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق پامال نہیں ہوئے اور اگر ان اقدامات سے وہ ملک کے دوسرے درجے کے شہری نہیں بنے تو صرف شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کے اضافہ سے کیسے یہ ممکن ہوگا۔

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے اضافہ واندراج اور اعلان واظہار سے اقلیتوں میں احساس محرومی پیدا ہوگا۔ اس لئے کہ شناختی کارڈ کے فارموں میں خانہ مذہب کے اندراج سے تو ایسے نہیں ہورہا ہے جب کہ یہ عمل گزشتہ پندرہ سال سے جاری ہے' یکدم کیسے احساس محرومی پیدا ہوجائے گا۔ اور پھر اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کردیا جاتا ہے کہ شناختی کارڈ میں مسلم وغیر مسلم تمام کے لئے مذہب کا اندراج لازمی ہوگا'

اگر مذہب کے اندراج سے احساس محرومی پیدا ہوتا ہے تو اس میں مسلم وغیر مسلم سب برابر ہیں اس لئے کہ سب کے شناختی کارڈوں میں مذہب کا اندارج ہوگا۔

دراصل بات یہ ہے کہ صرف قادیانی اقلیت ہی ایسی ہے کہ وہ اپنے عقیدہ قادیانیت کے اظہار سے گریزاں ہے۔ وہ مسلمانوں میں شامل رہ کر اپنے کفر کا زہر پھیلا کر مسلم معاشرہ کو زہر آلود کرنا چاہتی ہے۔ ورنہ ایک مسلمان' مسیحی یا کسی کے لئے بھی اپنے مذہب کا اعلان واظہار باعث فخر ہے' نہ کہ باعث محرومی' اگر کسی کے لئے اپنے مذہب کا اعلان واظہار باعث محرومی ہے تو وہ اس مذہب کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا جس کا اظہار اسے محرومیت اور شرم سے دوچار کر رہا ہے۔

اقلیتوں بالخصوص مسیحیوں سے اس کی مخالفت کے یہ معنی ہیں کہ یا تو وہ قادیانی سازش کا شکار ہیں یا دال میں کالا کالا ہے۔ آخر وہ اپنے مذہب کے اظہار سے کیوں شرما رہے ہیں۔ پاکستان ایسی نظریاتی مملکت میں شریعت بل کی مخالفت' قرآن وسنت کو سپریم لاء بنانے کی مخالفت' تحفظ ناموس رسالت بل کی مخالفت' دو قومی نظریہ کی مخالفت' جداگانہ طرز انتخاب کی مخالفت' آخر مسیحی حضرات فرمائیں کہ وہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے خلاف کب تک اور کہاں تک مخالفت کے عمل کو جاری رکھ کر اسلامیان پاکستان کی روا داری کے جذبہ سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ بوسنیا کے مسلمانوں پر سربیا کے مسیحیوں کی یلغار مظلوم مسلمانوں کا قتل عام' مسلمان مستورات کے ساتھ وحشیانہ سلوک جس پر عالم اسلام کے مسلمان بلبلا اٹھے ہیں' اس پر بجائے اظہار ندامت کے پاکستان کے ایک صوبہ سندھ کی اسمبلی ایسے ذمہ دار ادارہ میں سلیم کھوکھر اقلیتی نمائندہ نے کہا کہ اگر مذہب کا خانہ درج کیا گیا تو پاکستان میں بوسنیا جیسے حالات پیدا ہوجائیں گے۔

(نوائے وقت ملتان ۳ نومبر ۱۹۹۳ء)

اللہ رب العزت رحم کریں۔ خاکم بدہن۔ یہ اقلیتی نمائندہ صاحب کیا خواب دیکھ رہے ہیں' کبھی اقلیتوں سے پاکستان میں مسلمانوں کا تصادم نہیں ہوا۔ پاکستان کے چیف جسٹس سے لے کر فوج کے سربراہ تک غیر مسلم (عیسائی) براجمان رہے ہیں آج پاکستان کی

مسلم اکثریت کو اس کا صلہ پاکستان میں بوسنیا جیسے حالات پیدا کرنے کی خونی دھمکی سے دیا جارہا ہے آخر کیوں؟

پاکستان کی مسلم اکثریت کو سوچنا چاہئے کہ آخر غیر مسلم اقلیتیں اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں کیوں آخری سرحدوں کو پھلانگنے کے لئے بے چین نظر آتی ہیں؟ پاکستان میں شناختی کارڈ کے خانے میں مذہب کا اندراج دو قومی نظریہ کی روح کے مطابق ہے۔ برصغیر میں علامہ اقبال اور قائد اعظم ہی اس نظریہ کے علمبردار تھے۔ حکومت کو اس سلسلہ میں کسی قسم کا معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے پاکستان کی نظریاتی سرحدات کا تحفظ کرنا چاہئے کہ یہ برصغیر میں مسلم قوم اور پاکستان کی بقاء کا مسئلہ ہے۔

مسلمان کبھی اپنی شناخت بطور مسلمان کرانے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہیں کرتا تو اقلیتیں کیوں اس پر سیخ پا ہیں۔ حقیقت میں قادیانی خواتین و حضرات جرائد و اخبارات میں یا سڑکوں پر آکر واویلا کرکے اپنی گلوخلاصی کے لئے مسیحی اقلیت کو استعمال کرنا چاہتے ہیں اور چور کی داڑھی میں تنکا کے مصداق اقلیتیں مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کررہی ہیں کہ آخر ہر معاملہ میں انتشار و افتراق کی مسموم فضا پیدا کرنے کا ان کا رویہ کس مصلحت کا آئینہ دار ہے۔

لاعلمی کا برا ہو کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن جناب افضل حیدر صاحب نے فرمایا ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ حالانکہ ۷۸'۱۹۷۷ء کی مطبوعہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ میں نظریاتی کونسل سفارش کرچکی ہے کہ قومی شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کا اندراج کیا جائے۔ اس سے غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ ہوگا۔ نیز یہ کہ حدود و تعزیرات میں غیر مسلموں کو جو استثنائیت حاصل ہیں اس سے وہ فائدہ اٹھاسکیں گے۔

(ملخصاً ص ۱۵۳ سفارش نمبر ۲۴)

جب پورے ملک میں جداگانہ طرز انتخاب کے ہوتے ہوئے ووٹر لسٹوں کی تیاری صرف اور صرف شناختی کارڈ پر موقوف ہے تو اس قومی ذمہ داری سے انحراف کیسے ممکن ہے؟ نیز جعلی ووٹوں کے اندراج کو روکنے کے لئے شناختی کارڈ میں خانہ مذہب کے اندراج

پر مبنی بر انصاف منطقی فیصلہ سے کیوں کر گریز کیا جاسکتا ہے۔

اس امر پر قادیانی جماعت نے مسیحیوں کو بھڑکاکر سڑک پر لاکھڑا کیا۔ احتجاج و بھوک ہڑتال' دھمکی آمیز بیانات کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ یہ پاکستانی قوم اور حکومت کے لئے لمحہ فکریہ ہے اور اسے سوچنا چاہئے کہ قادیانی آئین سے بغاوت کا ارتکاب کرنے کی پالیسی میں کس حد تک آگے جارہے ہیں۔ ان کی روک تھام کے لئے اس پر عمل درآمد اور پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ اسے موثر بنانے کی ضرورت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

اللہ رب العزت کا کرم ہے کہ اب حقیقت پسند مسیحی رہنماؤں نے اس فیصلہ کی معقولیت کا برملا اظہار کرنا شروع کردیا ہے۔ وہ اس کی مخالفت کو بعض مفاد پرست عناصر کا شاخسانہ قرار دے رہے ہیں جیسا کہ گرجاکھ گوجرانوالہ سرگودھا کے مسیحی رہنماؤں کے بیانات اخبارات میں آچکے ہیں۔ حکومت کے خلاف پی ڈی اے کی تحریک کا اعلان' قادیانی اور سیکولر جماعتوں کا محض ایک دینی' آئینی وقومی فیصلہ سے انحراف اور اسے بہانہ بناکر سڑکوں پر آنا۔ یہ سب کچھ ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ انہیں ملایا جائے تو سندھ اسمبلی کی قرار داد سے لے کر پی ڈی اے کی قرار داد تک صحیح صورت حال سمجھنے میں حکومت کو غلطی نہیں کرنی چاہئے۔ اگر ہم مسلمان ہیں' پاکستانی ہیں' دو قومی نظریہ کا علامہ اقبال کا نعرہ حق تھا' جداگانہ انتخاب کا مطالبہ قائداعظم کا صحیح تھا' اسلامی نظریاتی کونسل نے صحیح سفارش کی ہے اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا جانا درست تھا تو پھر یہ فیصلہ بھی صحیح ہے۔ اس لئے حکومت کو مضبوط موقف اختیار کرنا چاہئے کہ یہ پاکستان اور نظریہ پاکستان کا تقاضا ہے۔ آخر سعودی عرب' انڈونیشیا وغیرہ میں بھی شناختی کارڈ میں خانہ مذہب موجود ہے حالانکہ انڈونیشیا میں پاکستان کی نسبت عیسائی زیادہ ہیں۔ اگر وہاں کے عیسائی احساس محرومی کا شکار نہیں ہوئے تو پاکستان میں مسیحیوں کو بھی پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

(جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ)

نگراں وزیراعظم ..... شکوک وشبہات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی گئی ہے:

عن الزبیر بن علی قال اتینا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فشکونا الیہ ما نلقی من الحجاج' فقال اصبروا! فانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ اشر منہ حتی تلقوا ربکم' سمعتہ من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم۔

(مشکوٰۃ ص ۴۶۲' صحیح بخاری ص ۱۰۴۷ ج ۲)

ترجمہ: "زبیر بن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان سختیوں کی شکایت کی جو ہمیں حجاج بن یوسف کی جانب سے پیش آرہی تھیں' انہوں نے فرمایا' صبر کرو! کیونکہ تم پر جو زمانہ بھی آئے گا وہ پہلے سے بدتر ہوگا' یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو' یہ بات میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے"۔

وطن عزیز میں آج تک جو حالات پیش آئے وہ اس حدیث شریف کا عملی مرقع ہیں' پاکستان میں جس نے جب سے ہوش سنبھالا ہوگا اسے دو فقرے ہمیشہ سننے کو ملے ہوں گے۔ ایک یہ کہ "اس سال ایسی ہوش ربا گرانی ہے کہ غریب آدمی کی زندگی اجیرن ہوگئی ہے"۔ دوم یہ کہ "آج کل پاکستان سب سے بڑے سنگین بحران سے گزر رہا ہے"۔ اندازہ کیجئے کہ جس نوزائیدہ ملک کو ابتداء سے آج تک روز افزوں گرانی کا سامنا ہو اور جس میں ہر نیا سال بڑے سے بڑے بحران کو لے کر طلوع ہوتا ہو اس ملک کی اور باشندگان کی کیا

حالت ہوگی؟

بتاریخ ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کو بابا اور بی بی کی ملی بھگت نے وطن عزیز کو جس نئے بحران کا تحفہ عطا کیا' اس نے وطن عزیز کو ایسے مخدوش حالات سے دوچار کردیا جن کی اصلاح بظاہر مشکل نظر آتی ہے۔

نواز حکومت کو برطرف کرکے اس کی جگہ نگران حکومت قائم کردی گئی' اور نگران حکومت کی سربراہی کے لئے جناب معین قریشی کو لایا گیا' جن کا اس ملک سے کبھی رابطہ نہیں رہا' اور جن کا نام اہل وطن نے پہلی بار سنا۔ یہ لطیفہ بھی یادگار رہے گا کہ ان کو ملک کی وزارت عظمیٰ کا منصب پہلے عطا کیا گیا' اور پاکستانی شہریت کی سند (شناختی کارڈ) بعد میں جاری کی گئی اور ان کا نام ووٹر لسٹ میں درج کیا گیا۔ یہ بھی سنا گیا ہے کہ موصوف کے شناختی کارڈ کے لئے فارم ب پر کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی جس میں خاندان کے افراد کی تفصیل درج ہوتی ہے کیونکہ موصوف نے فرمایا تھا کہ ان کے بچوں کو پاکستانی شہریت کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو بجائے خود اعجوبہ ہے۔

نگران وزیر اعظم کی مذہبی حیثیت کے بارے میں بھی شکوک و شبہات کا اظہار کیا جارہا ہے' کہا جاتا ہے کہ رسوائے زمانہ قادیانی مسٹر ایم ایم کے ساتھ موصوف کے گہرے مراسم ہیں' اور ان کے تقرر میں بھی ایم ایم احمد قادیانی نے موثر کردار ادا کیا ہے۔ ایم ایم احمد قادیانی صدر اسحاق کے ایوان صدر کے گرد مسلسل منڈلاتا رہا ہے' جب تک کہ نواز حکومت کو برطرف کرکے جناب معین قریشی کو نگران وزیر اعظم مقرر نہیں کرایا گیا۔

جناب معین قریشی کی اہلیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قادیانی مذہب کی پیروکار ہے اور موصوف کی صاحبزادی بھی قادیانیوں کے یہاں بیاہی گئی ہے۔ ان شواہد کی روشنی میں یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نگران وزیر اعظم کے مذہبی نظریات و احساسات کیا ہیں' اور یہ کہ بابا اور بی بی کے ذریعہ نواز حکومت کی برطرفی اور نگران حکومت کا ڈرامہ اسٹیج کرنے والے اصلی کردار کون لوگ ہیں؟

نگران حکومت کے بارے میں کہا گیا ـــ اور بار بار کہا گیا ـــ کہ اس کا ہدف صرف

دو چیزیں ہیں :

ا۔۔۔۔۔ مقررہ تاریخ پر صاف شفاف اور غیر جانب دارانہ و منصفانہ انتخاب کرانا۔

۲۔۔۔ منتخب حکومت کے آنے تک امن وامان قائم رکھنا۔

نگران حکومت کا پہلا ہدف پورا ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا لیکن امن وامان کی صورت حال سب کے سامنے ہے' مساجد میں نمازیوں کا قتل عام کیا جارہا ہے' مشہور اداروں کے دفاتر پر دھاوے ہو رہے ہیں' امام باڑوں میں لوگوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے' انسانی جانوں کا اتلاف ہو رہا ہے مگر "نگران حکومت" نہ ان مجرموں کا سراغ لگاتی ہے اور نہ انسداد دہشت گردی کا کوئی موثر انتظام کرتی ہے' مختلف فرقوں کی مذہبی عبادت گاہوں پر حملوں کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے' یعنی مذہبی جماعتوں کو آپس میں لڑانا تاکہ دیو بندیوں کی مسجد پر حملہ ہو تو وہ یہ یقین کریں کہ یہ حملہ بریلویوں کی طرف سے ہوا ہے' لہٰذا ان کے جوشیلے نوجوان بھی جوابی حملے کے لئے تیار رہیں' اور امام باڑے کو نشانہ بنایا جائے تو شیعوں کو یہ سمجھنے پر مجبور کیا جائے کہ یہ سنیوں کی شرارت ہے' لہٰذا انتقام کے لئے سنی مقتداؤں کو نشانہ بنانا ضروری ہے' سپاہ صحابہ کے آدمی مروائے جائیں تو یہ تاثر ابھرے کہ شیعوں کا کیا دھرا ہے۔ الغرض ان نامعلوم حملہ آوروں اور دہشت گردوں کا مقصد فرقہ وارانہ تشدد کا زہر پھیلا کر مذہبی انتشار پیدا کرنا ہے تاکہ دینی قوتوں کو اس قدر آتش بداماں کر دیا جائے کہ یہ ملک وملت کے کسی اہم سے اہم مسئلہ کے لئے بھی کبھی مل کر نہ بیٹھ سکیں۔

علاوہ ازیں ایک اہم مقصد یہ ہے کہ جب فرقہ وارانہ تشدد کی فضا پیدا ہوگی تو اس کی ذمہ داری ان جماعتوں پر ڈال دی جائے گی جو خاص مذہبی نشان رکھتی ہیں۔ چنانچہ حکومتی حلقوں میں یہ افواہ گشت کر رہی ہے کہ عنقریب ایک آرڈی نینس لایا جارہا ہے جس کے ذریعہ فرقہ وارانہ جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا جائے اور ان کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی جائے گی' کہا جاتا ہے کہ ان فرقہ وارانہ جماعتوں میں "عالمی مجلس تحفظ

ختم نبوت" کا نام بھی شامل ہے جسے تمام اسلامی فرقوں کو مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرنے کا اعزاز حاصل ہے اور جس کا مرزائیوں' قادیانیوں کی سوا کسی سے مقابلہ نہیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر "دانایان راز" یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ جناب معین قریشی کا نام نامی محض ایک پردہ ہے اور اس پردہ میں وطن عزیز پر امریکی یہودی اور قادیانی لابی حکمرانی کر رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نگران وزیر اعظم کے پریس سیکریٹری کے منصب کے لئے کرنل (ریٹائرڈ) اکرام اللہ قادیانی کو لایا گیا ہے' عجیب لطیفہ یہ کہ نگران وزیر اعظم کا تقرر صرف دو تین مہینے کے لئے ہے (انتخابات کے نتائج آنے اور منتخب افراد کو اقتدار کی منتقلی تک) لیکن ان کے پریس سیکریٹری کے ساتھ دو سال کا معاہدہ ہوا ہے۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس وقت ملک کی زمام اقتدار قادیانیوں کے ہاتھ میں ہے اور جناب معین قریشی صاحب کو "غیر جانبدار نگران وزیر اعظم" کی حیثیت سے اسی مقصد کے لئے لایا گیا ہے۔

نگران حکومت قادیانی مفادات کا تحفظ کس طرح کر رہی ہے؟ اس کی تفصیلات اس یادداشت میں درج ہیں جو "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" کی طرف سے ملک کے ائمہ وخطباء کو بھیجی گئی ہے' قارئین کی اطلاع کے لئے اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ حکومت کی قادیانیت نوازی

بخدمت عالی جناب مکرم ومحترم ..... زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ ..... مزاج گرامی!

موجودہ حکمران اس وقت جس طرح قادیانیت نوازی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اس کی چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں۔

○ وزیر اعظم معین قریشی صاحب' ایم ایم قادیانی کی دریافت ہیں مبینہ طور پر اس کا نام اس نے پیش کیا' دونوں ورلڈ بینک میں ایک ساتھ کام کرتے رہے ہیں' یہ کہ دونوں امریکہ کے آدمی ہیں' معین قریشی کی بیوی اور بیٹی کے قادیانی ہونے کی اطلاعات اخبارات میں چھپ چکی ہیں اور یہ کہ معین قریشی کا پریس سیکریٹری ریٹائرڈ کرنل اکرام اللہ قادیانی بتایا جاتا ہے۔

○ قادیانیوں نے تحفظ حقوق انسانی کمیشن کے نام پر ایک ادارہ قائم کیا' قادیانیوں نے امتناع قادیانیت آرڈی نینس کی آڑ میں پاکستان اور اسلامیان پاکستان کو بیرونی دنیا میں اسی پلیٹ فارم سے بدنام کیا' عاصمہ جہانگیر (لاہور) مجیب الرحمٰن ایڈوکیٹ (راولپنڈی) اور ایئر مارشل ظفر چوہدری ایسے متعصب وجنونی قادیانی اس کمیشن کے رکن تھے' اب موجودہ حکومت نے اسی کمیشن (تحفظ حقوق انسانی کمیشن) کو قانونی تحفظ دے کر وزارت داخلہ کے ماتحت کردیا ہے' اور ظلم یہ کہ عاصمہ جہانگیر اور خالد احمد ایسے قادیانی بھی اس کے رکن ہیں۔ گویا قادیانی مفادات کے تحفظ اور بیرونی دنیا سے پاکستان پر دباؤ ڈلوانے کے لئے خود حکومت پاکستان نے قادیانیوں کو ایک ادارہ قائم کردیا ہے۔

○ حکومت نے اعلان کیا ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ امتیازی قوانین کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن تشکیل دیا جارہا ہے جو حکومت کے تمام معاملات پر نظر رکھے گا کہ کہاں کہاں اقلیتوں کے ساتھ زیادتی ہورہی ہے اور جس کی رپورٹ پر اقلیتوں سے متعلق احکام اور قوانین کو بدل دیا جائے گا۔

اقلیتوں کے ساتھ کیا امتیازی سلوک ہورہا ہے؟ صرف قادیانیوں کو اپنے غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے پر عدم اطمینان ہے جس کے

لئے اندرونی وبیرونی طور پر وہ پاکستان کے خلاف پروپیگنڈا کرتے رہے' انکے اس عدم اطمینان کو ختم کرنے کے لئے حکومت نے کمیشن مقرر کیا ہے کہ اس کمیشن کی رپورٹ پر محکمہ جاتی فیصلوں اور قوانین میں حکومت ترمیم کرے گی۔ گویا اس کمیشن کا دائرہ کار اس قدر وسیع کردیا گیا ہے کہ یہ حکومت کے کسی بھی محکمہ کے عمل کو چیلنج کرسکے گا۔ ایسا لگتا ہے کہ دستور پاکستان میں جو فراخدلانہ حقوق اقلیتوں کو دیئے گئے ہیں ان کو ناکافی قرار دے کر اس کمیشن کو مزید سفارشات کی اجازت دی گئی ہے' گویا اس کمیشن کا قیام ایک مستقل دستوری ترمیم ہے۔

○ پاکستان میں بیسیوں ریٹائرڈ جج حضرات موجود تھے لیکن وزیر قانون ومذہبی واقلیتی امور کے لئے ریٹائرڈ جسٹس اے ایس سلام کو لایا گیا۔ دنیا جانتی ہے کہ موصوف کا خاندان معروف قادیانی ظفر اللہ کے زیر اثر تھا اور خود سلام صاحب کی تعلیم وتربیت بھی چوہدری ظفر اللہ قادیانی کی رہین منت ہے۔

سلام صاحب نے اپنے فیصلوں میں جس طرح قادیانیوں کو تحفظ دیا وہ سب باتیں ریکارڈ پر ہیں' یہ وہ خطرات ہیں جن سے آپ کو باخبر کرنا ضروری تھا' وزیر اعظم ووزیر قانون کی یہ مرزائیت نوازی پاکستان کے لئے سنگین خطرہ کا باعث اور اسلامیان پاکستان کے لئے کڑی آزمائش ہے۔

بتاریخ ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا' اب موجودہ حکومت امت مسلمہ کی سو سالہ محنت پر پانی پھیرنا چاہتی ہے' اس سلسلہ میں ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کو پورے ملک کے خطیب حضرات جمعہ کے خطبات میں اظہار خیال فرمائیں گے' آپ سے بھی استدعا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا فرمائیں حق تعالیٰ شانہ آپ کے حامی وناصر ہوں۔"

نگران حکومت کی قادیانیت نوازی بلکہ قادیانیت پروری کا نتیجہ ہے کہ قانونی پابندی کے باوجود قادیانیوں نے کھلے بندوں اپنی تبلیغی وارتدادی سرگرمیاں شروع کر دی ہیں۔ قادیانیوں کو احساس ہے کہ نگران حکومت ان کی سرپرستی کر رہی ہے' مثل مشہور کے مطابق "سیاں بھے کوتوال' اب ڈر کا ہے کا"۔ قادیانی بے خوف وخطر اپنا کام کر رہے ہیں ادھر مسلمانوں کو سیاسی ومذہبی اختلافات میں اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ ان کو قادیانی سرگرمیوں کی طرف التفات کی فرصت ہی نہ رہے' اس طرح قادیانیوں کی تبلیغ پر جو قانونی پابندی عائد ہے وہ عملاً غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے اس کے باوجود غالباً قادیانیوں کی کوشش ہوگی کہ نگران حکومت کے ذریعہ "تحفظ حقوق انسانیت" کے نام پر ایسا قانون لایا جائے جو قادیانیوں کی تبلیغ پر عائد شدہ قانونی پابندی کو بھی منسوخ اور معطل کردے تاکہ انہیں قانون کی خلاف ورزی کا کوئی اندیشہ نہ رہے۔

نگران حکومت کے اقدامات کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ نگران وزیر اعظم کا تعارف "ماہر اقتصادیات" کے طور پر کرایا گیا تھا اور پاکستان کے عوام کی طرح ہمیں بھی خوشی ہوئی تھی کہ وطن عزیز کو "اقتصادی مرض" سے نجات دلانے کے لئے مسیحا تشریف لائے ہیں' اب انشاء اللہ ملک کی اقتصادی مشکلات پر قابو پالیا جائے گا لیکن موصوف نے اس "بیمار" کے لئے جو "نسخہ شفا" تجویز فرمایا وہ یہ تھا کہ روز مرہ کی ضروریات زندگی کی قیمتوں میں یک لخت اضافہ کردیا گیا اور روپے کی قیمت گرادی اور پاکستان کی نام نہاد امداد اور قرض کے لئے امریکی اور بین الاقوامی اداروں نے جو ناروا شرطیں عائد کر رکھی ہیں اور جن کو پاکستان کے غیور حکمران کسی قیمت پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھے' موصوف نے ان سب شرائط کو تسلیم کرلیا۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نگران حکومت نے ایک اہم ترین اقدام یہ کیا ہے کہ ان تمام افراد کے ناموں کی فہرستیں شائع کرائی ہیں' جنہوں نے بینکوں سے قرض لے کر واپس نہیں کئے' اس میں دو چیزیں ملحوظ رکھی گئیں' ایک یہ کہ یہ فہرستیں ۱۹۸۵ء کے بعد کی ہیں اس لئے پہلے کا قصہ

نہیں چھیڑا گیا دوم یہ کہ صرف انہی قرض نادہندگان کے نام فہرست میں شامل کئے گئے جنہوں نے دس لاکھ یا اس سے زیادہ کے قرضے لئے' اس لئے کم رقم کا قرضہ لینے والوں کو فہرست میں شامل نہیں کیا گیا۔

قومی اخبارات اور غیر ملکی ایجنسیاں نگران حکومت کے اس اقدام پر رطب اللسان ہیں اور اسے ایک جرأت مندانہ اقدام قرار دے رہی ہیں' واقعی جن لوگوں نے قومی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے اگر ان سے یہ دولت اگلوا کر قومی خزانہ میں واپس کردی جائے تو یہ ایک بہت بڑا کارنامہ ہوگا' تاہم یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس اقدام سے ملکی معیشت کس قدر مستحکم ہوئی' اور نگران حکومت (دو ماہ کی قلیل مدت میں) کتنا روپیہ قومی خزانے کو دلوانے میں کامیاب ہوئی؟ لیکن ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ اس ساری کارروائی میں قوم کی عزت نفس اور ملک کے وقار کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگر ایسا کیا جاتا کہ نادہندگان کے نام نوٹس بھجوائے جاتے اور انہیں مقررہ تاریخ تک قرضے لوٹانے کی ہدایت کی جاتی اور یہ سب صیغہ راز میں رکھا جاتا تو اس سے نفع بھی ہوتا اور ملک کا وقار بھی مجروح نہ ہوتا۔ مزید یہ کہ صدارتی آرڈی نینس پاس کیا جاتا جو بینکوں اور حکومت کے وہ صوابدیدی اختیارات ختم کردیتا جس کے تحت قرض معاف کئے جاتے ہیں اور یہ اختیار صرف قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے مباحثہ کے بعد ہوتا۔ اس طرح نادہندگان کی ہمت شکنی ہوتی' برعکس اس کے یہ جو بین الاقوامی پریس کانفرنس میں قرض نادہندگان کی تشہیر کی گئی' اس سے پوری دنیا میں ملک کا وقار مجروح ہوا اور ملک کی ایسی بدنامی ہوئی کہ ایک طویل عرصے تک اس کا تدارک ممکن نہیں ہوگا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سب کچھ نادانستہ ہوا' اور یہ کہ اس کے پس پردہ کچھ مخفی محرکات ہیں۔

اس ناکارہ کے نزدیک ہمارے لئے یہ تمام کارروائی نمونہ عبرت ہے کہ قیامت کے دن جب ہر ایک کے خفیہ راز طشت از بام کئے جائیں گے' اس دن کی کیسی ذلت و رسوائی ہوگی۔ اللهم لا تخزنی فانک بی عالم ولا تعذبنی فانک علی قادر' اللهم انی اعوذبک من خزی الدنیا وعذاب الآخرة۔

قانونِ توہینِ رسالتؐ میں ترمیم کی خبر

عوامی ردِ عمل اور حکومت کا مؤقف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد

۱۹۸۴ء میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵۔سی کا اضافہ کیا گیا' جس کے ذریعے توہین رسالت کے مرتکب کے لئے "سزائے موت یا عمر قید مع جرمانہ" کی سزا تجویز کی گئی تھی' تعزیرات پاکستان کی یہ دفعہ اسلامی قانون کے مطابق نہیں تھی' کیونکہ شرعاً اس جرم کی سزا قتل اور صرف قتل ہے۔ اس لئے اس دفعہ میں "یا عمر قید مع جرمانہ" کے الفاظ غلط تھے۔ چنانچہ اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا' اور وفاقی شرعی عدالت کے اس وقت کے چیف جسٹس جناب گل محمد صاحب نے اکتوبر ۱۹۹۰ء میں اپنے ایک فیصلہ میں صدر پاکستان کو ہدایت کی کہ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کرلی جائے اور اس میں "یا عمر قید مع جرمانہ" کے الفاظ حذف کرکے توہین رسالت کی سزا صرف موت مقرر کی جائے۔ اگر حکومت نے مذکورہ بالا تاریخ تک یہ ترمیم نہ کی تو اس تاریخ کے بعد "یا عمر قید مع جرمانہ" کے الفاظ خود بخود کالعدم قرار پائیں گے۔ اور قانوناً اس جرم کی سزا صرف موت ہوگی۔ اس وقت کی حکومت کو چونکہ توہین رسالت کی سزا کے قانون سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' اس لئے حکومت نے شرعی عدالت کے فیصلے کو لائق توجہ نہ سمجھا اور مذکورہ بالا تاریخ تک اس قانون کی اصلاح نہیں کی' لہٰذا وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق دفعہ ۲۹۵۔ سی میں "یا عمر قید" کے الفاظ ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء کے بعد خود بخود کالعدم قرار پائے۔

حکومت نے بعد از وقت اس قانون کی اصلاح کے لئے ایک غیر ضروری قدم اٹھایا۔

چنانچہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کو قومی اسمبلی نے یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کی کہ توہین رسالت کے مرتکب کو سزائے موت دی جائے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۳ جولائی ۱۹۹۲ء)

اور ۸ جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ نے یہ ترمیمی بل بالاتفاق منظور کر لیا کہ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا صرف موت ہے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۹ جولائی ۱۹۹۲ء)

سینیٹ سے منظوری کے بعد یہ بل قومی اسمبلی میں پیش ہوا' اس پر اراکین اسمبلی نے اپنے اپنے انداز میں اظہار خیال کیا' چنانچہ پیپلزپارٹی کے سید نوید قمر نے بل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم میں کسی سے پیچھے نہیں 'لیکن ہم مذہبی انتہاپسندی کے خلاف ہیں"

"اور پی پی ہی کے نمائندہ چوہدری الطاف حسین (موجودہ گورنر پنجاب) نے کہا کہ:

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف چار پانچ شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم قتل کئے گئے تھے' اس لئے شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے۔" (روزنامہ جنگ کراچی ۷ اگست ۱۹۹۲ء)

سب سے دلچسپ اور عبرت انگیز بیان اس وقت کی قائد حزب اختلاف اور آج کی وزیراعظم صاحبہ کا تھا جو انہوں نے اخباری نمائندوں کے سامنے دیا:

"محترمہ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ملک کے ۱۲ کروڑ عوام ناموس رسالتؐ کی حفاظت خود کر سکتے ہیں' حکومت ناموس رسالتؐ کے سلسلہ میں سزائے موت کا قانون پارلیمنٹ میں پیش کر کے ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنانے کی سازش کر رہی ہے' جو کہ بنیادی طور پر قائداعظم کے نظریات کے خلاف ہے' اور عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کے مترادف ہے' اور اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ہے۔ انہوں نے کہا کہ گواہوں اور شہادتوں کی بناء پر شان رسالتؐ میں گستاخی کرنے والے کو

سزا دینا اس لئے معنی نہیں رکھتا کہ ہمارے ملک میں تو ارکان پارلیمنٹ کو خرید لیا جاتا ہے۔ اس صورت میں کرایہ کے گواہوں کی موجودگی میں انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

(روزنامہ جنگ کراچی۔ ۱۰ اگست ۱۹۹۲ء)

محترمہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں توہین رسالتؐ کے لئے سزائے موت کا قانون:

○ ... ملک کے خلاف ایک سازش ہے۔

○ ۔ اس کے ذریعہ ملک کو بنیاد پرستوں کی ریاست بنا دیا گیا ہے۔

○ ... اس کے ذریعہ عوام کے بنیادی حقوق سلب کر لئے گئے ہیں۔

○ ... اس کے ذریعے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

○ ... پاکستان میں عدلیہ کا نظام اتنا ناقص ہے کہ اس سے حصول انصاف کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ پاکستان کی اعلیٰ عدالتیں سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز کرنے سے قاصر ہیں۔

○ ... ناموس رسالتؐ کی حفاظت کے لئے کسی قانون کی ضرورت نہیں۔ بارہ کروڑ عوام خود اس کام کو کر سکتے ہیں (گویا قانون کا نفاذ حکومت کا کام نہیں' بلکہ بارہ کروڑ عوام کو چاہئے کہ اس قانون (سزائے قتل) کو خود نافذ کریں)۔

محترمہ کے اس اخباری بیان کے شروع میں اگر ان کا نام نہ ہوتا تو کسی شخص کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ یہ بیان پاکستان کے کسی مسلمان کہلانے والے فرد کا ہے یا امریکی سینیٹ کے کسی یہودی ممبر کا؟ یہی وجہ ہے کہ چند علمائے کرام نے اس وقت محترمہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرالیں۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۱ اگست ۱۹۹۲ء)

بہرحال محترمہ کے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ وہ قانون توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقوق انسانی کے منافی سمجھتی ہیں اور یہ کہ ان کی نظر میں یہ قانون

نعوذباللہ) اسلام اور پاکستان کی پیشانی پر بدنما داغ ہے' محترمہ کا بس چلے تو اسے فوراً صاف کر ڈالیں۔

اس وقت کی قائد حزب اختلاف جب آج کی وزیراعظم کی حیثیت سے مسند اقتدار پر فائز ہوئیں تو ان کی فطری خواہش اور پہلی ترجیح یہی رہی ہو گی کہ ---بقول ان کے --- کلنک کے اس ٹیکے کو پاکستان کی پیشانی سے صاف کر دیا جائے' اور ملک کو بنیاد پرستی اور مذہبی انتہا پسندی کے چنگل سے نجات دلائی جائے' چنانچہ موصوفہ نے اپنے اراکین دولت (کابینہ) کو فہمائش کی کہ توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کر کے سزائے موت کو منسوخ کر دیا جائے۔ روزنامہ جسارت کراچی کی درج ذیل خبر ملاحظہ فرمائیے۔

"حکومت نے توہین رسالتؐ پر سزائے موت منسوخ کر دی' زیادہ سے زیادہ دس سال کی سزا دینے کا فیصلہ"

"کابینہ کی طرف سے وزارت قانون کو تعزیرات پاکستان کی متعلقہ دفعہ میں ترمیم کی ہدایت"۔

"وزیراعظم بے نظیر کی صدارت میں کابینہ کا اجلاس"

"اسلام آباد (ظفر محمود شیخ) پیپلز پارٹی کی حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کر دی جائے' جس کے تحت توہین رسالت کے مرتکب کی سزا' سزائے موت اور عمر قید سے کم کر کے دس سال قید کر دی جائے۔ اس بات کا فیصلہ منگل کے روز وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی زیر صدارت ہونے والے وفاقی کابینہ کے اجلاس میں کیا گیا۔ وفاقی فیصلہ کے بارے میں اخبار نویسوں کو بریفنگ دیتے ہوئے اطلاعات و نشریات کے وفاقی وزیر خالد احمد کھرل نے بتایا کہ کابینہ نے وزارت قانون کو ہدایت کی ہے کہ وہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵

سی میں ترمیم کر کے بل کا مسودہ تیار کر لے، جس میں توہین رسالت کے مرتکب کی سزا میں کمی کر کے زیادہ سے زیادہ دس سال سزائے قید رکھی جائے۔" (روزنامہ جسارت کراچی ۶ اپریل ۱۹۹۴ء)

تین مہینے کی خاموشی کے بعد ۳ جولائی ۱۹۹۴ء کے تمام قومی اخبارات میں وزیر قانون اقبال حیدر کا درج ذیل بیان آئرلینڈ کے اخبار "آئرش ٹائمز" کے حوالے سے شائع ہوا:

ڈبلن (پی پی اے) پاکستان کے وزیر قانون سید اقبال حیدر نے کہا ہے کہ وفاقی کابینہ نے توہین رسالت قانون میں ترمیم کی منظوری دے دی ہے، اور اس ترمیم سے اب پولیس کو اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو گرفتار کرنے اور جیل بھجوانے کا اختیار حاصل نہیں رہا۔ اقبال حیدر نے کہا کہ پاکستان ایک جدید اسلامی ریاست ہے اور موجودہ حکومت ملک میں "مذہبی انتہا پسندی" کو بالکل نہیں چاہتی۔ آئرش ٹائمز کے مطابق انہوں نے یہ یقین دہانی ایمنسٹی انٹرنیشنل کی میری لالور کو ایک ملاقات میں کرائی"

(روزنامہ جنگ لاہور۔ روزنامہ نوائے وقت کراچی۔ روزنامہ جسارت کراچی ۳ جولائی ۱۹۹۴ء)

وزیر قانون کا یہ بیان ان کی عقل و فراست کا شاہکار ہے، اگر کوئی بدبخت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر حملہ کرتا ہے تو یہ بات ان کے نزدیک "حقوق انسانی" کی خلاف ورزی نہیں، لیکن اگر ایسے موذی پر قانون گرفت کرتا ہے تو یہ حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے، طرہ یہ کہ یہ حضرت "سید" بھی کہلاتے ہیں۔

ع وزیرے چنیں، شہریارے چنیں

وزیر قانون کے اس بیان پر مسلمانوں کی جانب سے شدید ردعمل ہوا، ملک بھر کی اسلامی تنظیموں نے اس بیان کی مذمت کی، اور موجودہ حکومت کے اسلام کش اقدامات کو

شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ پنجاب کے متعدد شہروں میں اس پر احتجاجی ہڑتال ہوئی او وزیر قانون سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا گیا' اس شدید رد عمل کو (جس کا سلسلہ تادم تحریر جاری ہے) ختم کرنے کے لئے حکومت نے یہ موقف اختیار کیا کہ وزیر موصوف نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا' یہ ان پر محض تہمت ہے۔ چنانچہ وزیر اطلاعات و نشریات خالد کھرل نے درج ذیل بیان جاری کیا:

"گستاخان رسولؐ کے لئے اگر پھانسی سے بھی بڑی کوئی سزا ہوتی تو ہم اس کے نفاذ کے لئے بھی قانون بناتے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جیسے غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت سے بڑھ کر اور کوئی بڑی سعادت نہیں ۔صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ توہین رسالت کے مرتکب بدبختوں کے لئے نہ تو اس ملک میں کوئی جگہ ہے اور نہ ہی اس معاشرے میں ان کا کوئی مقام ہے۔ ہماری قائد محترمہ بے نظیر بھٹو خود سب سے بڑی عاشق رسولؐ ہیں وہ بھلا کیسے برداشت کر سکتی ہیں کہ توہین رسالت کے قانون میں تبدیل کا سوچا بھی جائے یہ محض بہتان اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے۔"

(روزنامہ جنگ ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

اسی تاریخ کے اخبارات میں وزیر قانون اقبال حیدر کا بیان شائع ہوا کہ:

"اسلام آباد (اپ پ) قانون انصاف اور پارلیمانی امور کے وفاقی وزیر اقبال حیدر نے واضح کیا ہے کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ (۳) کی رو سے توہین رسالت سے متعلقہ قانون میں قطعاً کوئی ردوبدل نہیں کیا جا رہا ہے ایک بیان میں انہوں نے بتایا ہے کہ اس قانون کے تحت توہین رسالت کے جرم کی سزا موت ہے اور اس سزا میں کوئی تبدیلی کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وزیر قانون نے کہا کہ متعلقہ قانون کی دفعات کے بارے میں میرے ایک بیان کے بعض حصوں کو

کچھ شرپسند عناصر نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ میں نے ایسے کوئی الفاظ استعمال نہیں کئے جو مجھ سے منسوب کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ ایسے عناصر سے ہوشیار رہیں جو ایک طبقے کو دوسرے سے لڑانا چاہتے ہیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت کراچی ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

وزیر قانون اقبال حیدر کا ایک دوسرا بیان بھی اسی تاریخ کے اخبار میں مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع ہوا:

"توہین مذہب کے قانون میں تبدیلیاں ہمارے منشور کا حصہ ہیں' اقبال حیدر"
"حکومت اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کرے گی' لندن میں مسیحی برادری کے وفد سے گفتگو"

"لندن (نمائندہ جنگ) وزیر قانون و پارلیمانی امور اقبال حیدر نے کہا ہے کہ حکومت' پاکستان میں عیسائی برادری اور دوسری اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا تہیہ کئے ہوئے ہے' اور اس مقصد کے لئے تمام ذرائع بروئے کار لائے گی۔ انہوں نے کہا کہ توہین مذہب کے قانون میں مناسب تبدیلیاں کرنا حکومت کے انتخابی منشور کا ایک حصہ ہے' اور یہ تبدیلیاں اس طرح کی جائیں گی کہ یہ قانون کسی بے گناہ شخص کے خلاف غلط طور پر استعمال نہ ہو سکے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

اسی تاریخ کے اخبار میں وفاقی وزیر خصوصی برائے تعلیم و سماجی بہبود ڈاکٹر شیر افگن کا بیان شائع ہوا کہ:

"حکومت توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کرے گی' ڈاکٹر شیر افگن"

" سرگودھا ۶ جولائی (این این آئی) وفاقی وزیر خصوصی تعلیم و سماجی بہبود ڈاکٹر شیر افگن نے کہا ہے کہ توہین رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون میں ترمیم کی گنجائش موجود ہے' کیونکہ اس قانون سے ناجائز فائدہ

اٹھانے کے مواقع موجود ہیں۔ سرگودھا میں پریس کلب میں صحافیوں سے
بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حکومت اس قانون میں ترمیم
کر رہی ہے، جس کے ذریعہ مقدمہ درج کرنے سے پہلے سیشن جج اس
معاملہ کی تحقیق کریں اور اس کے بعد مقدمہ درج کرنے کی سفارش
کریں۔"

(روزنامہ امن کراچی ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

۸ جولائی کے اخبار میں وزیر قانون اقبال حیدر کا درج ذیل بیان شائع ہوا۔

"لندن (اے پی پی) وفاقی وزیر قانون اقبال حیدر نے کہا ہے کہ
توہین رسالتؐ کے قانون کو واپس لیا جا رہا ہے اور نہ ہی اس کی سزا میں
کمی کی جا رہی ہے۔ لندن میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے
انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں انہوں نے آئرلینڈ میں کوئی بیان نہیں
دیا۔ پاکستان پینل کوڈ کی دفعہ ۲۹۵۔ سی ترمیم کا مسودہ کابینہ نے منظور کر
لیا ہے جس کو پارلیمنٹ میں بھیج دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں عوام اور
مذہبی گروہوں نے بہترین تجاویز پیش کی ہیں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۸ جولائی ۱۹۹۴ء)

اسی تاریخ کے اخبار میں صدر مملکت جناب فاروق لغاری صاحب کا بیان شائع ہوا
کہ "توہین رسالت کے مرتکب کو کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔ فاروق لغاری"
قانون برقرار ہے ترمیم کا کوئی ارادہ نہیں"۔

"اسلام آباد (پی پی اے) صدر مملکت سردار فاروق احمد خان
لغاری نے کہا ہے کہ توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کا سوال ہی پیدا
نہیں ہوتا۔ حکومت نے اس قانون میں نہ ہی کسی قسم کی ترمیم کی ہے
اور نہ ایسا کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ وہ جمعرات کو ایوان صدر میں جمعیت
اہلحدیث کے سربراہ قاضی عبدالقدیر خاموش سے گفتگو کر رہے تھے۔

قاضی عبدالقدیر نے پون گھنٹہ تک صدر مملکت سے ملاقات کی اور انہیں توہین رسالتؐ کے قانون کے بارے میں علماء کے جذبات سے آگاہ کیا۔ صدر نے انہیں یقین دلایا کہ توہین رسالتؐ کے قانون میں حکومت ترمیم کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور نہ ہی ایسی کوئی تجویز ہے۔ حکومت علماء کا احترام کرتی ہے۔ صدر مملکت نے کہا کہ توہین رسالتؐ کا اصل قانون بدستور برقرار ہے۔ توہین رسالتؐ کے مرتکب کو کسی صورت میں معافی نہیں دی جا سکتی۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۸ جولائی ۱۹۹۴ء)

چوہدری الطاف حسین گورنر پنجاب، جنہوں نے ۱۹۹۲ء کو قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"شاتم رسولؐ کو سزائے موت دینے کا اختیار ریاست کو نہیں ملنا چاہئے"

اب عوامی رد عمل سے مضطرب ہو کر وہ گورنرانہ زبان میں یہ بیان دینے پر مجبور ہوئے کہ:

"ہنگامے کرنے والے رہیں گے یا حکومت رہے گی"

حکومتی وضاحت کے باوجود ہڑتالیں کرانے والے سیاست نہیں تو اور کیا کر رہے ہیں"

"لاہور (نمائندہ جنگ) گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین نے کہا ہے کہ گستاخ رسولؐ کی سزا سے متعلق حکومت کی وضاحت کرنے کے باوجود وہ کون لوگ ہیں جو مطمئن نہیں ہوئے، وہ ہڑتالیں اور جلوس نکال کر سیاست نہیں تو اور کیا کر رہے ہیں۔ حکومت نے ایسے لوگوں کے بارے میں اب تک بہت نرمی سے کام لیا اب بات اس مقام تک آ پہنچی کہ اب یا تو ہنگامے کرنے والے بے راہ لوگ رہیں گے یا حکومت رہے گی..... انہوں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ کے ساتھ ساتھ تمام رسول قابل احترام ہیں اور ہر رسول کی گستاخی کرنے والا قابل

قتل ہے، لیکن اگر کسی نے سزا دینے کے طریق کار کو محتاط بنانے کی بات
کی ہے اور اس موضوع پر حکومت نے اپنی واضح پالیسی کا بھی اعلان کر دیا
ہے تو پھر وہ لوگ کون ہیں جو مطمئن نہیں ہو رہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ
اگر حکومت گستاخ رسولؐ کی سزا کم کرنے کے بارے میں اسمبلی میں کوئی
بل لائی ہو تو پھر کوئی احتجاج کرے تو پھر ٹھیک ہے مگر جب حکومت ایسا
کچھ نہیں کر رہی تو پھر احتجاج کرنے والے سیاست نہیں تو اور کیا کر
رہے ہیں"

(روزنامہ جنگ کراچی ۱۰ جولائی ۱۹۹۴ء)

اور روزنامہ جنگ لاہور کی اطلاع کے مطابق گورنر پنجاب نے صحافیوں سے گفتگو
کرتے ہوئے فرمایا:

"گستاخ رسولؐ کی سزا میں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' ہڑتال شرارت ہے'گورنر
پنجاب"

"الزام کی تصدیق مقدمہ کے اندراج کے طریقہ کار میں تبدیلی ہو سکتی
ہے"

"لاہور (نامہ نگار خصوصی) گورنر پنجاب چودھری الطاف حسین
نے تاجران کی موجودہ ہڑتال پر سخت تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا
کوئی جواز نہیں۔ انہوں نے کہا کہ دو روز سے یہ شرارت کی جا رہی
ہے' جب کہ گستاخ رسولؐ کی سزا میں کسی قسم کی کوئی ترمیم یا نرمی کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ گزشتہ روز تھائی ایئرویز کی تقریب کے بعد
اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ گستاخ رسولؐ کی
سزا میں کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' البتہ الزام کی تصدیق کے لئے اور
مقدمہ کے اندراج کے طریقہ کار میں تبدیل ہو سکتی ہے' الزام کنندہ ڈپٹی
کمشنر کو درخواست دے' اگر الزام سچ ثابت ہو تو اس قصور کی سزا پھانسی

ہے' اس میں معافی کا تصور ہی نہیں۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

۹ جولائی کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

"وزیراعظم نے وزیر قانون سے منسوب بیان کی تحقیقات کا حکم دے دیا"

" آئیرلینڈ کے اخبار میں شائع ہونے والے بیان کے بارے میں برطانیہ میں مقیم ایک سینئر سفارتکار تحقیقات کر رہے ہیں کہ یہ کن عناصر کی ایماء پر وزیر قانون سے منسوب کیا گیا"

"وزیر قانون نے وزیراعظم کو آگاہ کر دیا کہ انہوں نے کسی انٹرویو میں ایسی کوئی بات نہیں کی' ملک میں مذہبی خلفشار پھیلانے کی کوشش کے سلسلے میں رپورٹ جلد پیش کر دی جائے گی۔"

"اسلام آباد (نمائندہ جنگ) وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے توہین رسالتؐ کے قانون کے بارے میں وزیر قانون سید اقبال حیدر سے منسوب بیان سے پیدا ہونے والی صورتحال کی وجوہات کا تعین کرنے کے لئے تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔ ذرائع کے مطابق برطانیہ میں پاکستان کے ایک سینئر سفارتکار اس معاملے کی تحقیقات کر رہے ہیں کہ آئرلینڈ کے ایک اخبار نے کن عناصر کی ایماء پر یہ بات وزیر قانون سے منسوب کی کہ ناموس رسالتؐ سے متعلق قانون میں تبدیلی ہو گی اور گستاخ رسولؐ کی سزا میں بھی نرمی کی جائے گی اور کن عناصر نے آئرلینڈ کے اس اخبار میں وزیر قانون سے منسوب اس بیان کی پاکستانی اخبارات میں تشہیر کا انتظام کیا۔ اس ضمن میں وزیر قانون نے وزیراعظم کو آگاہ کیا ہے کہ انہوں نے کسی اخباری انٹرویو کے دوران بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کوئی ایسی بات نہیں کہی۔ ذرائع نے بتایا کہ ملک میں مذہبی خلفشار

پھیلانے کی اس کوشش کے بارے میں ایک تفصیلی رپورٹ بہت جلد
وزیراعظم کو پیش کردی جائے گی۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۹ جولائی ۱۹۹۴ء)

حکومت کے اہم ترین ذمہ داروں کے بیانات کا جو "شفاف آئینہ" گزشتہ سطور میں پیش کیا گیا' اس میں نہ صرف حکومت کے عزائم کی پوری تصویر جھلکتی ہے بلکہ اس کے تمام خط و خال بھی نمایاں نظر آتے ہیں' جس کا خلاصہ درج ذیل نکات میں پیش خدمت ہے:

○ پی پی کی حکومت قانون توہین رسالتؐ کی کبھی قائل نہیں رہی' بلکہ وہ اسے "بنیاد پرستی" اور "مذہبی انتہاپسندی" سمجھتی ہے۔

○ حکومت اس قانون میں ترمیم کا مسودہ تیار کرچکی تھی اور اسے پارلیمنٹ میں لانے کا فیصلہ ہوچکا تھا' لیکن حالات کی ستم ظریفی یہ کہ اسے پارلیمنٹ میں پیش کرنے سے پہلے ہی راز فاش ہوگیا' حکومت کو شدید عوامی ردعمل کا سامنا کرنا پڑا' اور اسے پارلیمنٹ میں لانے کا فیصلہ ملتوی کرنا پڑا' روزنامہ جنگ لاہور کی اطلاع کے مطابق:

"توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیمی بل پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ مؤخر"

اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) معلوم ہوا ہے کہ حکومت نے توہین رسالتؐ کے قانون میں ترمیم کا بل منظوری کے لئے پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ مؤخر کردیا ہے' وفاقی کابینہ نے اصولی طور پر اس قانون میں ترمیم کی منظوری دی تھی۔ یہ ترمیم توہین رسالتؐ کو قابل دست اندازی پولیس کے زمرے سے ختم کرنے اور توہین رسالتؐ کے ملزم کے خلاف مقدمہ درج کرنے کا اختیار تھانے کے ایس ایچ او سے واپس لینے کے بارے میں تھی' وزارت قانون نے اس بارے میں ترمیمی بل کا مسودہ بھی تیار کرلیا تھا' مگر حکومت نے فی الحال اس بل کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کا ارادہ ترک کردیا۔"

(روزنامہ جنگ لاہور ۷ جولائی ۱۹۹۴ء)

○ رہا یہ امر کہ وہ ترمیمی مسودہ کیا تھا؟ اس سلسلہ میں وزیر اطلاعات و نشریات خالد کھرل

کا بیان اوپر گزر چکا ہے‘ جس میں انہوں نے اخبار نویسوں کو بتایا تھا کہ:

"کابینہ نے وزارت قانون کو ہدایت کی ہے کہ وہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵-سی میں ترمیم کر کے بل کا مسودہ تیار کرے۔ جس میں توہین رسالت کے مرتکب کی سزا میں کمی کر کے زیادہ سے زیادہ دس سال سزائے قید رکھی جائے۔"

(روزنامہ جسارت کراچی ۶ اپریل ۱۹۹۴ء)

اور ڈاکٹر شیر افگن‘ وزیر قانون اقبال حیدر اور گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین کے بیانات سے مترشح ہے کہ اس ترمیم کا منشا یہ تھا کہ اس جرم کا مقدمہ تھانے میں درج نہ کرایا جا سکے‘ بلکہ جو شخص اس جرم کا الزام کسی پر لگائے وہ مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں درخواست دے کہ میں فلاں شخص پر یہ الزام لگانا چاہتا ہوں‘ متعلقہ مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر اپنے طور پر اس امر کی تحقیقات کرے کہ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے‘ اگر وہ تفتیش کے بعد اس الزام کی تصدیق کرے تب مقدمہ عدالت میں پیش کیا جائے۔

○ وزیر قانون کا یہ کہنا کہ میں نے آئرلینڈ میں توہین رسالت کے قانون میں ترمیم کے بارے میں کچھ نہیں کہا محض دفع الوقتی اور تقیہ پردازی ہے‘ غالباً موصوف

"با مسلمان اللہ اللہ‘ با برہمن رام رام"

کے اصول پر عمل کرنے کے قائل ہیں‘ موقع ملا تو محترمہ وزیر اعظم کی طرح یہ کہہ دیا کہ:

"یہ قانون انسانی بنیادی حقوق کے منافی ہے‘ اور ایسے قوانین میں ترمیم کرنا پی پی کی حکومت کے منشور کا حصہ ہے۔"

اور جب اسلامی رد عمل کا سامنا کرنا پڑا تو فرما دیا کہ کون کافر ہوگا جو اس قانون میں ترمیم کرے؟ الغرض مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہے کہ حکومت نے اس قانون میں ترمیم کا مسودہ یقیناً تیار کر لیا تھا‘ لیکن ترمیم کی نوعیت اب تک پردہ راز میں ہے۔

○ صدر مملکت لغاری کا بیان پی پی کے غیر ذمہ دار وزیر قانون کو عوام کے غیظ و غضب سے بچانے کی بزرگانہ اور معصومانہ کوشش کے سوا کچھ نہیں‘ کیونکہ قاعدے کے مطابق

جب بل پارلیمنٹ میں پاس ہو جائے تو آخری منظوری کے لئے صدر کے پاس جاتا ہے' اس سے پہلے یہ بھی ضروری نہیں کہ وزیراعظم اور ان کی کابینہ نے صدر سے اس ترمیم کے بارے میں مشورہ ضروری سمجھا ہو' اس امر کا پورا امکان ہے کہ صدر ترمیمی مسودہ قانون سے بے خبر ہوں۔

○ وزیراعظم صاحبہ کا وزیر قانون سے منسوب بیان کی تحقیقات کا حکم جاری کرنا اور اس کے لئے برطانیہ میں مقیم ایک سینئر سفارت کار کو مقرر کرنا محض ان کی سیاسی ذہانت ہے جس خبر کو ملک بھر کے قومی اخبارات نے خبر رساں ایجنسی کے حوالے سے شائع کیا ہو۔ اس کی تحقیقات کے کیا معنی؟ اگر یہ خبر جھوٹ تھی تو حکومت اس کو عدالت میں چیلنج کر سکتی تھی اور عدالت فیصلہ کرنے کی مجاز تھی کہ ملک بھر کے قومی اخبارات نے حکومت کے معصوم وزیر قانون پر بے ثبوت تہمت تراشی کی ہے۔ اس کے بجائے تحقیقات کا ڈھونگ رچانے سے مقصد یہ ہوگا کہ اس سینئر سفارت کار کے ذریعہ کہلا دیا جائے گا کہ وزیر موصوف نے ایسا کوئی بیان جاری نہیں کیا' یوں وزیر موصوف کے دامن سے داغ دھبے دھل جائیں گے' اور عوامی غیظ و غضب کے سیلاب کے آگے بند باندھنا ممکن ہوگا۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ وزیراعظم صاحب خود بھی اس قانون کے خلاف نفرت و بیزاری کا برملا اظہار کر چکی ہیں' نیز شیر افگن سے لے کر چوہدری الطاف حسین تک اربابِ حکومت یہ بیانات جاری کر رہے ہیں کہ قانون میں واقعی ترمیم کی گئی ہے 'جس کے ذریعہ ثبوت جرم کو ناممکن بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

○ گورنر پنجاب چوہدری الطاف حسین کے منہ سے جو یہ الفاظ نکلے ہیں کہ:

"ہنگامے کرنے والے رہیں گے' یا حکومت رہے گی۔"

یہ الفاظ شاید الہامی ثابت ہوں' اور حکومت کی دوغلی پالیسی اسی کو لے ڈوبے۔ گورنر صاحب سے گزارش ہے کہ لاہور کے گورنر ہاؤس میں بہت سے گورنر آئے اور گئے 'اقتدار کے نشہ میں عوامی غیظ و غضب کا غلط اندازہ نہیں لگانا چاہئے اور عوام کے جذبات کو بزور حکومت کچلنے کی حماقت کبھی نہیں دہرانی چاہئے۔ اس عقدہ کو حسن تدبیر

سے حل کیا جانا چاہئے۔ حکومت کی جانب سے تشدد نقصان دہ ثابت ہو گا۔

○ ہم حکومت کے ارباب بست و کشاد سے عرض کریں گے کہ اگر حکومت نے اس قانون توہین رسالت کو پولیس کے دائرہ عمل سے نکالنے کے لئے کوئی ایسی ترمیم تجویز کر رکھی ہے کہ الزام لگانے والا پہلے ڈپٹی کمشنر کو (یا کسی اور مجاز افسر کو) درخواست کرے' اگر متعلقہ افسر اس کی تصدیق کرے کہ واقعی اس جرم کا ارتکاب کیا گیا ہے تو الزام لگانے والا عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے تو ایسی ترمیم اس قانون کو یکسر منسوخ کر دینے کے مترادف ہو گی' کیونکہ اس صورت میں جرم کا ثبوت ناممکن ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں یہ تحقیق کرنا کہ یہ الزام کہاں تک صحیح ہے یا صحیح نہیں' یہ خالص عدالت کے دائرے کی چیز ہے' دنیا بھر میں عدلیہ کا منصب یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ زیر سماعت الزام کی کامل و مکمل تفتیش کر کے یہ فیصلہ کرے کہ ملزم نے جرم کا ارتکاب کیا ہے یا نہیں؟ اسی طرح مدعی اور مدعاعلیہ دونوں سے انصاف کرے' پاکستان میں ایسا کون سا جرم ہے کہ اس کی رپورٹ کے لئے ڈپٹی کمشنر یا کسی اور کی پیشگی منظوری کو شرط قرار دیا گیا ہو' قانون توہین رسالتؐ کے جرم کو اس شرط کے ساتھ مشروط کرنا اگر ایک طرف عدلیہ کے کام میں مداخلت ہے تو دوسری طرف آنحضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صریح غداری کے مترادف ہے۔ جس کا منشا دراصل اس قانون کی افادیت کو ختم کر کے اسے عملی طور پر معطل کر دینا ہے' کیسی شرم کی بات ہے کہ اس ملک میں قائداعظم کی توہین پولیس کی دست اندازی کے دائرے میں آتی ہے' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کو دست اندازی پولیس کے دائرے سے نکالنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے۔ اور اس پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔

سطور بالا تحریر کی جا چکی تھیں کہ کراچی کے انگریزی اخبار ''دی نیوز'' میں وزیر داخلہ جناب نصیر اللہ بابر کا درج ذیل بیان شائع ہوا:

Religious leaders accept govt formula on blasphemy law

By our correspondent

ISLAMABAD: Interior Minister Naseerullah Babar on Wednesday said that as a result of the latest negotiations, religious scholars and representatives of minorities have accepted government's formula to amend the procedure for registration of blasphemy cases.

Talking to The News here in his office, he said that no amendment in the law aimed at reducing punishment for blasphemy was made. "The death sentence in the law will not be changed", he stressed.

Spelling out the agreed procedure for the registration of blasphemy cases, he said the police would no more have the authority to register a case against any individual following an ordinary complaint. Instead, it would immediately report the matter to the area magistrate who along with the respective deputy superintendent of police would visit the site where the alleged offence had taken place. The magistrate would hold an inquiry to assess whether the complaint was genuine or based on falsehood.

Naseerullah Babar said if the evidence against the accused was established the magistrate would order the police station to register the first information report (FIR) against the alleged offender. In case the complaint was found baseless, an FIR would be lodged against the complainant.

The minister said that under the proposed procedure the complainant filing a false report with the police, could also undergo a sentence of imprisonment of up to 10 years.

The accused against whom the complaint is lodged would be taken into protective custody soon after the registration of such a complaint by the police, he added. This was essential to protect the suspect from the possible wrath of the people.

Informed sources say the federal cabinet, at its meeting last month, had approved a draft bill to amend the procedure for the registration of FIR in the blasphemy law. But due to the on-going controversy over the issue, it could not move the bill before the parliament.

The draft bill has already been shown to the members of parliament belonging to religious groups and minorities with a view to seeking their suggestions.

The News International, Thursday, July 14, 1994

(دی نیوز انٹرنیشنل جمعرات ۱۴ جولائی ۱۹۹۴ء)

"مذہبی لیڈروں نے قانون رسالتؐ سے متعلق حکومت کا فارمولا منظور کرلیا"

" اسلام آباد (ہمارے نامہ نگار کے قلم سے)وفاقی وزیرداخلہ نصیراللہ بابر نے بدھ کو کہا کہ تازہ ترین مذاکرات کے نتیجہ میں مذہبی علماء اور اقلیتوں کے نمائندوں نے توہین رسالتؐ کے مقدمات کے طریقہ کار میں ترمیم کے لئے حکومت کا فارمولا منظور کرلیا ہے۔

انہوں نے دی نیوز اخبار سے اپنے دفتر میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ توہین رسالتؐ کے قانون میں ایسی کوئی ترمیم نہیں کی گئی ہے جس سے توہین رسالتؐ کی سزا میں کمی واقع ہو انہوں نے زور دے کر کہا کہ "قانون میں سزائے موت کو تبدیل نہیں کیا جائے گا" توہین رسالتؐ کے مقدمات کو رجسٹرڈ کرنے کے لئے متفقہ طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ پولیس کو آئندہ کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ معمولی کسی شکایت پر کسی بھی فرد کے خلاف مقدمہ رجسٹرڈ کرے بلکہ پولیس فوراً اس معاملہ کی علاقہ مجسٹریٹ کو رپورٹ کرے گی جو کہ متعلقہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے ساتھ اس جگہ کا معائنہ کرے گی جہاں متذکرہ جرم ہوا ہے۔ مجسٹریٹ تحقیقات کر کے یہ طے کرے گا کہ شکایت صحیح ہے یا جھوٹ پر مبنی ہے۔

نصیراللہ بابر نے کہا کہ ملزم کے خلاف شہادت یا ثبوت مل جانے کی صورت میں مجسٹریٹ پولیس کو یہ حکم کرے گا کہ متذکرہ ملزم کے خلاف ایف آئی آر درج کی جائے ۔

وزیرموصوف نے کہا کہ مجوزہ طریقہ کار کے تحت ایسا شکایت کنندہ جو جھوٹی رپورٹ پولیس میں دائر کرے گا اس کو دس سال تک کی قید بھی ہو سکتی ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ جس ملزم کے خلاف پولیس مقدمہ رجسٹرڈ

کرے گی اس کو فوراً حفاظتی تحویل میں لے لیا جائے گا' ایسا کرنا بہت ہی ضروری ہوگا تاکہ مشتبہ شخص کی عوام کے ممکنہ غیظ و غضب سے حفاظت کی جاسکے۔

باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ وفاقی کابینہ نے گزشتہ ماہ اپنی میٹنگ میں توہین رسالتؐ کی ایف آئی آر درج کرنے کے طریقہ کار میں ترمیم کرنے کے بل کا مسودہ منظور کرلیا تھا۔ لیکن اس موضوع پر حالیہ نزاع کی وجہ سے اس بل کو پارلیمنٹ میں پیش نہیں کیا جاسکا۔ اس بل کے مسودے کو ان ممبران پارلیمنٹ جن کا تعلق مذہبی گروپوں اور اقلیتوں کے نمائندگان سے ہے ان کی تجاویز حاصل کرنے کے لئے دکھا دیا گیا ہے۔"

یہ وہی فارمولا ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا جاچکا ہے' اور یہ بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ حکومت کا یہ فارمولا نہایت لغو اور لچر ہے' اور اس کا مقصد قانون توہین رسالتؐ کو عملاً معطل کردینا ہے' ہم اس فارمولے کو قطعاً مسترد کرتے ہیں' اور حکومت کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اس ترمیمی مسودہ کو پارلیمنٹ میں لانے کی حماقت کی گئی تو نہ صرف اس کو مسلم امہ کے غیظ و غضب کا سامنا کرنا ہوگا' بلکہ وہ قہر خداوندی کا بھی نشانہ بنے گا' ہمیں معلوم نہیں وہ کون سے مذہبی علماء ہیں جنہوں نے حکومت کے اس غلیظ فارمولے کو منظور کرلیا ہے' ہم حکومت سے مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کا ارادہ ترک کردے' اور اپنے ترمیمی مسودے کو پھاڑ کر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دے۔

حکومت دراصل اس فارمولے کے ذریعہ توہین رسالتؐ کا ارتکاب کرنے والے موذیوں کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے کہ وہ کسی مسلمان کے سامنے حضرت رسالتؐ کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کریں' اور وہ مسلمان اول تو "دس سال قید" کے خوف

سے زبان بند رکھنے پر مجبور ہو' اور اگر کسی نے علاقہ مجسٹریٹ تک شکایت پہنچانے کا حوصلہ کر ہی لیا' اور صاحب مجسٹریٹ بہادر نے ڈی ایس پی کی معیت میں موقع پر تشریف لے جانے کی زحمت بھی گوارا فرمائی تو وہ موذی قسم کھا کر مکر جائیں' حکومت کے بزر جمہروں کو آخر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی سے کیوں عداوت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر حملہ کیا جائے گا اور وہ مسلمان محسوس کرے گا کہ قانون اس دریدہ دہن موذی کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرتا ہے تو عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر وہ مسلمان ایسے موذی کو موقع پر ہی جہنم رسید کر دے گا' اور غازی علم الدین شہید کی سنت کو ایک بار پھر تازہ کر دے گا۔ کیا حکومت یہ چاہتی ہے کہ مسلمان ایسے موذیوں سے خود نمٹ لیا کریں؟ اگر یہی منشاء ہے تو الحمدللہ! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں ایسے جانبازوں کی کمی نہیں۔ بہرحال حکومت کو چاہئے کہ ہوش کے ناخن لے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ایمانی جذبات کا احترام کرے۔ اور اپنے اس فارمولے کو پھاڑ کر گندی نالی میں پھینک دے۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد النبی الامی و آلہ واصحابہ وسلم۔

بینات ربیع الاول ۱۴۱۵ھ ء

اسلامی شعائر کی بے حرمتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

صحیح بخاری شریف میں زبیر بن عدیؒ کی روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے ان مشکلات کی شکایت کی جو لوگوں کو حجاج بن یوسف (اس امت کے سب سے بڑے ظالم) کی طرف سے پیش آ رہی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اصبروا فانہ لا یاتی علیکم زمان الا الذی بعدہ شر منہ حتی تلقوا ربکم، سمعتہ من نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم" (صحیح بخاری، ص ۱۰۴۷، ج ۲)

ترجمہ" :"صبر کرو! کیونکہ تم پر جو زمانہ بھی گزرے گا اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم (مرکر) اپنے رب سے ملاقات کرو، یہ بات میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔"

زمانے کے اس خیر و شر کے تقابل کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان خیر اقتران سے قرب و بعد ہے، زمانہ جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے دور ہوتا چلا جائے گا، خیرات و برکات اٹھتی جائیں گی، اور بد سے بدتر حالات پیش آتے جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرون ثلاثہ کو علی الترتیب خیروبرکت کے ساتھ مشرف ہونے کو مختلف طریقوں سے بیان فرمایا، ایک حدیث میں، جو بہت سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، ارشاد فرمایا:

خیرامتی قرنی' ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم
الحدیث

(مشکوٰۃ 'ص ۵۵۳)

ترجمہ" :" میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے' پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے"۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ لوگ جہاد پر جائیں گے تو کہیں گے کہ دیکھو تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوا ہو؟ تلاش کرنے پر صحابیؓ مل جائے گا اور اس کی برکت سے فتح نصیب ہو گی۔ پھر لوگوں پر ایک اور وقت آئے گا کہ لوگ جہاد پر جائیں گے تو کہیں گے کہ دیکھو! تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ کی صحبت اٹھائی ہو' تلاش کرنے پر ایسا شخص مل جائے گا' اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح نصیب فرمائیں گے' پھر ایک اور زمانہ آئے گا کہ لوگ جہاد کے لئے جائیں گے تو کہیں گے کہ دیکھو! تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کی صحبت اٹھانے والے کی صحبت اٹھائی ہو' چنانچہ تلاش پر ایسا شخص مل جائے گا اور اس کی برکت سے فتح نصیب ہو گی۔ (مشکوٰۃ 'ص ۵۵۳)

قرونِ ثلاثہ کو جو خیر القرون قرار دیا گیا اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت زمانے سے قرب و بُعد ہے۔

دورِ نبویؐ سے بُعد جوں جوں بڑھ رہا ہے' اسی نسبت سے ظلمت و تاریکی بڑھ رہی ہے اور نور ہدایت گھٹ رہا ہے' اور قلوب میں ایمان و یقین کا رنگ پھیکا پڑ رہا ہے' فتنوں کی یورش تیز ہو رہی ہے' اور آفات و بلیات کی بارش شدت اختیار کر رہی ہے' یہاں تک کہ "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے قومی اداروں میں بھی اسلام اور اسلامی شعائر کے خلاف دھڑلے سے آواز بلند کی جانے لگی ہے۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ جون ۱۹۹۵ء کی خبر

کے مطابق۔

"پنجاب اسمبلی بجٹ پر بحث کے دوران لاہور سے پیپلزپارٹی کے رکن عبدالرشید بھٹی نے بجٹ سازی کے عمل' نئے بجٹ اور حکومتی کارکردگی کو تنقید کا نشانہ بنایا' تاہم پنجاب اور پنجابی کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے وہ نازک شرعی مسائل میں دخل انداز ہوئے تو حزب اختلاف کی طرف سے شدید احتجاج کیا گیا' صاحبزادہ فضل کریم اور ڈاکٹر شفیق چوہدری کے علاوہ بزرگ رکن اسمبلی خانزادہ تاج محمد نے بھی اس پر شدید احتجاج کیا اور کہا کہ یہ باتیں کسی کافر کے منہ سے نکل سکتی ہیں کسی مسلمان سے ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

عبدالرشید بھٹی نے پنجابی زبان میں تقریر کرتے ہوئے پنجاب اور پنجابی کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ اہل پنجاب سے ان کی "ماں بولی" تک چھین لی گئی کہ اردو مسلط کر دی گئی۔ جتنی بھی آسمانی کتابیں اتریں وہ سب ان قوموں کی اپنی زبانوں میں تھیں' لیکن ہم پر اردو کے علاوہ عربی بھی مسلط کر دی گئی۔ جس کے نتیجے میں ہم مذہب سے دور ہوتے گئے اگر ہم پانچ وقت کی اذان عربی کے بجائے اپنی زبان میں سنیں' نماز اپنی زبان میں ادا کریں تو ہمارے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو برسوں سے نماز پڑھ رہے ہیں لیکن کرپشن میں مصروف ہیں کیونکہ انہیں علم ہی نہیں کہ وہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں"۔

"صاحبزادہ فضل کریم نے کہا کہ فاضل رکن پنجاب اور پنجابی کا مقدمہ بڑے شوق سے پیش کریں لیکن اسلام کی مبادیات اور اعتقادات پر کلہاڑا نہ چلائیں۔

"خانزادہ تاج محمد نے اسپیکر کو مخاطب کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا کہ آپ اسے (رشید بھٹی کو) بند کریں۔ یہ کیا باتیں کر رہا ہے؟' اس

طرح کی باتیں کافر کے منہ سے تو نکل سکتی ہیں، کسی مسلمان سے اس کی توقع نہیں ہونی چاہئے۔"

پنجاب اسمبلی میں پی پی پی کے ایک رکن کا اسلام اور اسلامی شعائر کے خلاف اس طرح زہر اگلنا کیا صرف ایسی چیز ہے کہ اس پر اپوزیشن کے چند ارکان احتجاج کرلیں، اور بس؟ کیا ایسا دریدہ دھن شخص اس لائق ہے کہ "سرکاری پارٹی کا معزز رکن اسمبلی" قرار دیا جائے؟ کیا اسلام، پاکستان میں اس قدر یتیم ہو چکا ہے کہ قومی اداروں میں دھڑلے سے اسلامی شعائر پر تنقید کی جائے، نہ حکومت کے کان پر جوں رینگے، نہ علماء کرام اس کے خلاف آواز بلند کریں اور نہ پاکستان کے مسلم عوام اس پر کوئی احتجاج کریں؟

اس شخص کا یہ کہنا کہ ہم پر عربی زبان مسلط کردی گئی براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر طعن ہے، اور اس کا یہ کہنا کہ اذان اور نماز پنجابی میں ہونی چاہئے، اس امر کا اظہار ہے کہ یہ شخص محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتا بلکہ سکھاشاہی مزاج رکھتا ہے، یا کسی "پنجابی نبی" پر ایمان رکھتا ہے۔

بہرحال "پاکستان کا مطلب کیا، لاالٰہ الااللہ" کا نعرہ بلند کرنے والوں کو کچھ تو شرم آنی چاہئے کہ آج پاکستان کے قومی اداروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، اور وہ خاموشی سے اسے ہضم کر رہے ہیں۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ نہ صرف فوری طور پر اس شخص کی رکنیت معطل کی جائے بلکہ اس کے خلاف توہین رسالت کا مقدمہ دائر کرکے اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

○

اسی نوعیت کی ایک اور دل آزار خبر ملاحظہ فرمائیے:

"کراچی (کامرس رپورٹر) اسلامی جمہوریہ پاکستان میں روپے کمانے کے لئے، صنعت کاروں نے دینی شعائر کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔ حال ہی میں ملک بھر میں خواتین کے شلوار اور قمیض کے سوٹ کے لئے مختلف رنگوں میں ایسی سوتی لان پرنٹ کرکے پھیلائی گئی ہے جس میں

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی "محمد" جلی طور پر چھپا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے شہریوں میں شدید غصہ اور ہیجان پیدا ہو گیا ہے اور لوگوں نے یہ پرنٹ تیار کرنے والوں کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کا مطالبہ کیا ہے"۔ (روزنامہ نوائے وقت کراچی ۷ جولائی ۱۹۹۵ء)

اسی کے ساتھ یہ خبر بھی پڑھئے۔

"کپڑوں پر اللہ اور رسولؐ کے نام
"ایک ہفتے میں رپورٹ طلب کر لی گئی"
"پنجاب اسمبلی کی کمیٹی میں چیف سیکریٹری کا بیان"

لاہور (اپنے نامہ نگار سے) کپڑوں پر اللہ اور رسولؐ کے ناموں کے بارے میں پنجاب اسمبلی میں جے یو پی (نیازی گروپ) کے رکن صاحبزادہ فضل کریم کی تحریک التواء پر بنائی گئی کمیٹی کا اجلاس پنجاب اسمبلی میں ہوا جس میں صوبائی وزیر قانون چودھری محمد فاروق، چیف سیکریٹری پنجاب جاوید قریشی، آئی جی پنجاب سیکریٹری داخلہ پیر سید عارف حسین شاہ بخاری محرک صاحبزادہ فضل کریم اور وزارت قانون کے متعدد اعلیٰ افسروں نے شرکت کی۔ چیف سیکریٹری نے اجلاس کو بتایا کہ انہوں نے کپڑوں پر اللہ اور رسولؐ کے نام لکھنے کے بارے میں ایک ہفتہ کے اندر رپورٹ طلب کر لی ہے، اور ایسے تمام کپڑوں کے نمونے حاصل کر لئے ہیں جن پر مقدس نام درج ہیں۔ صاحبزادہ فضل کریم نے کہا یہ دین اور ایمان کا معاملہ ہے اس کی انکوائری کسی ایماندار افسر سے کرائی جائے اور مجرم خواہ کتنے ہی بااثر ہوں انہیں سزا دی جائے"

(روزنامہ جنگ لاہور ۷ جولائی ۱۹۹۵ء)

اس ایک ہفتے میں طلب کی گئی رپورٹ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس کمیٹی کو کیا معلومات مہیا ہوئیں۔ اگر یہ کپڑا اندرون ملک تیار کیا جاتا ہے تو خدا اور رسولؐ کے ناموں اور شعائر اسلام کی بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہے؟ گورنمنٹ نے ان کے خلاف کیا اقدام کیا ہے؟ اور اگر یہ کپڑا باہر سے لایا گیا ہے تو درآمد کنندگان کون ہیں؟ اور ان کے خلاف کیا کارروائی کی گئی؟۔

دشمنان اسلام اہل اسلام کی دل آزاری کے لئے وقتاً فوقتاً مقدس ناموں کی بے حرمتی کر کے اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دنوں یہ خبر ملی تھی کہ ایک غیر ملکی کمپنی نے پاؤں میں پہننے کی ایسی چپل تیار کی جس کے تلوے میں اللہ تعالیٰ کا پاک نام لکھا ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ عیار شیاطین ان مقدس ناموں کی بے حرمتی کے لئے شلوار اور جوتے کا انتخاب کرتے ہیں' اور ان پاک ناموں کو ایسے انداز میں چھاپتے ہیں کہ عام آدمی اس کو جلدی میں پڑھ ہی نہ سکے۔

بہرحال مسلمانوں کو ایسے معاملات میں بے حسی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ ارباب اقتدار کا فرض ہے کہ اسمائے مقدسہ کی حرمت پامال کرنے والے موذیوں کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کریں اور انہیں قرار واقعی سزا دیں۔ پنجاب کے دیندار سیاست دانوں اور علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں حکومت پنجاب کی کارروائی پر کڑی نظر رکھیں۔ حق تعالیٰ ملک کو بے ادبی کے وبال سے محفوظ رکھیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد

النبی الامی و آلہ واصحابہ واتباعہ وسلم تسلیما کثیرا

قہرِ الٰہی کو دعوت نہ دیجئے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

وطن عزیز میں اسلامی اقدار کو کس طرح مٹایا جا رہا ہے' اور اسلامی شعائر کی حرمت و ناموس کو کس طرح پامال کیا جا رہا ہے؟ اس کا اندازہ اس خبر سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک پاکستانی مل نے عورتوں کے لئے تیار کئے گئے ملبوسات پر کوفی رسم الخط میں قرآنی آیات چھاپنے کے بعد ماڈل خواتین کے ذریعے ان کی نمائش کرائی' اور اشتہارات کے ذریعے اس نمائش کی تشہیر کرائی' اور ان ملبوسات کو "عورتوں کے لئے عالمی معیار کے ملبوسات" کا نام دے کر اس پر فخر کا اظہار کیا' اس خبر کا خلاصہ انگریزی "دی مسلم" اسلام آباد نے درج ذیل سرخی کے ساتھ شائع کیا ہے۔

"کیا ہم اسرائیل میں رہ رہے ہیں؟"

(اسٹاف رپورٹ) "ہمیں: قرآن' اسلام' اور مسلمانوں کی بے حرمتی کے لئے مزید کسی یہودی کی ضرورت نہیں' کیونکہ یہ کام کچھ پاکستانی' جن کے نام مسلمانوں جیسے ہیں' یہودیوں سے بڑھ کر کر رہے ہیں اور یہ مسلمان' اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کرنے میں سلمان رشدی سے بھی چند قدم آگے ہیں"

"یہ نتیجہ اس حقیقت سے اخذ کیا گیا ہے کہ کچھ پاکستانی قرآن' اسلام اور ایمان کو عورتوں کے لئے بنائے گئے کپڑوں .... شلوار قمیض اور ساڑھی ۔ کا دھوکا دے کر بیچ رہے ہیں' ان کپڑوں میں قرآنی آیات کو بنیادی طور پر ڈیزائن کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

اس نئے ڈیزائن کا اشتہار دو ماڈل خواتین کے ذریعے پاکستانی اشتہاری میڈیا نے پیش کیا ہے' جس میں دو ماڈل عورتوں پر آیات والی ساڑھی اور شلوار قمیض کی تشہیر کی گئی ہے۔

"یہ کپڑے "آج کل کی خواتین کے لئے عالمی معیار کا لباس" کے نعرے کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ آیات کا انتخاب ان لوگوں کی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے جنہوں نے ان آیات کا انتخاب کیا' اور جن لوگوں نے ان کو منظور کیا' اور جن لوگوں نے حق تعالیٰ کے اعلیٰ و ارفع کلام کی بے حرمتی کرتے ہوئے ان کپڑوں کو استعمال کیا۔

"مثال کے طور پر ایک ماڈل کی ساڑھی کے کنارے پر سورہ واقعہ کی آیت نمبر ۷۸ لکھی ہوئی ہے۔ اسی طرح دوسری ماڈل کی شلوار قمیض پر سورہ فتح کی تین آیات ۲۵ ۲۶اور ۲۷ چھپی ہوئی ہیں۔

" جوبلی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز کراچی "کے تیار کردہ اس کپڑے کو "کاٹن کوئین سپرفائن لان" کے نام سے کریسنٹ گروپ نے مشتہر کرنا اور مارکیٹ میں سپلائی کرنا شروع کر دیا ہے۔ پورے صفحے کا کلر اشتہار واضح طور پر عربی خطاطی کے کوئی رسم الخط کو ظاہر کرتا ہے۔ اشتہار میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ رضوان بیگ کا تیار کردہ ایک ڈیزائن ہے۔ جو پاکستان کے چوٹی کے ڈریس ڈیزائنر ہیں اور دنیا بھر کی خواتین میں بے حد مقبول ہیں۔ وہ لیڈی ڈائنا وغیرہ کے کپڑے بھی ڈیزائن کر چکے ہیں۔

"میاں محمد رفیع 'چیف ایگزیکٹو کریسنٹ گروپ سے جب ٹیلیفون پر رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ڈیزائن خطاطی نہیں

ہے۔

"رضوان بیگ ڈیزائنر نے کہا کہ یہ قرآنی خطاطی نہیں ہے' بلکہ یہ ڈیزائن ترکی اسٹائل کی کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے کریسنٹ گروپ کو یہ ڈیزائن دیا اور کہا کہ اگر یہ متنازعہ ہو یا کسی کے جذبات کو مجروح کرے تو اسے نہ چھاپا جائے۔

"یہ بات حیرت انگیز ہے کہ نہ تو کریسنٹ گروپ کے ذمہ داراوں نے اور نہ ہی ڈیزائنر نے لکھے ہوئے الفاظ کو چیک کرنے کا سوچا۔

"راشد بٹ' پاکستان کے چوٹی کے ڈیزائنر نے کہا کہ یہ ڈیزائن عربی خطاطی پر کتاب "اسلامی خطاطی کی آب و تاب" (انگریزی) مطبوعہ تھیمس اور ہڈسن لندن سے لیا گیا ہے۔ راشد بٹ خط کوفی کے چوٹی کے ماہر ہیں راشد بٹ نے کہا کہ یہ بات فہم سے بالا تر ہے کہ ایک شہرت یافتہ ڈیزائنر کوفی خط کو نہ پہچان سکے۔ جو آیات شلوار قمیض پر لکھی ہوئی ہیں وہ آسانی سے پڑھے جانے کے قابل ہیں۔

یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ ماضی میں قرآنی آیات کو مردانہ اور زنانہ لباس میں استعمال کرنے کی کوششیں مغرب میں کی جاتی رہی ہیں' اور تحقیق پر معلوم ہوا کہ اس میں یہودی ملوث تھے۔"

(روزنامہ "دی مسلم" اسلام آباد ۲۱ مارچ ۹۶ء)

یہ طویل اقتباس اسلام آباد کے ایک انگریزی روزنامہ "دی مسلم" (۲۱مارچ) کی خبر کا خلاصہ ہے۔ اخبار نے اسی کے ساتھ دو ماڈل خواتین کی تصویریں بھی شائع کی ہیں جن کو اشتہارات کی کمپنی نے آیات قرآنی سے مرصع لباس پہنے ہوئے مشتہر کیا ہے' اور جن کے ذریعے پاکستانی خواتین کو "بین الاقوامی معیار کا لباس" پہننے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نیز اخبار

نے سورہ واقعہ کی آیت ۷۹ "لا یمسہ الا المطھرون" کی تصویر بھی شائع کی ہے جسے عورتوں کی شلوار قمیض پر چھاپ کر اس "لان" کو ماڈل خواتین کے ذریعہ مشتہر کرایا گیا ہے۔ یہ آیات اگرچہ خط کوفی میں چھاپی گئی ہیں لیکن خط اس قدر واضح ہے کہ عربی رسم الخط سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا ہر پڑھا لکھا شخص آسانی سے اس کو پڑھ سکتا ہے۔ "دی مسلم" کے علاوہ تمام قومی اخبارات میں ان ماڈل خواتین کی تصویریں اور آیات شریفہ کا عکس شائع ہو چکا ہے۔
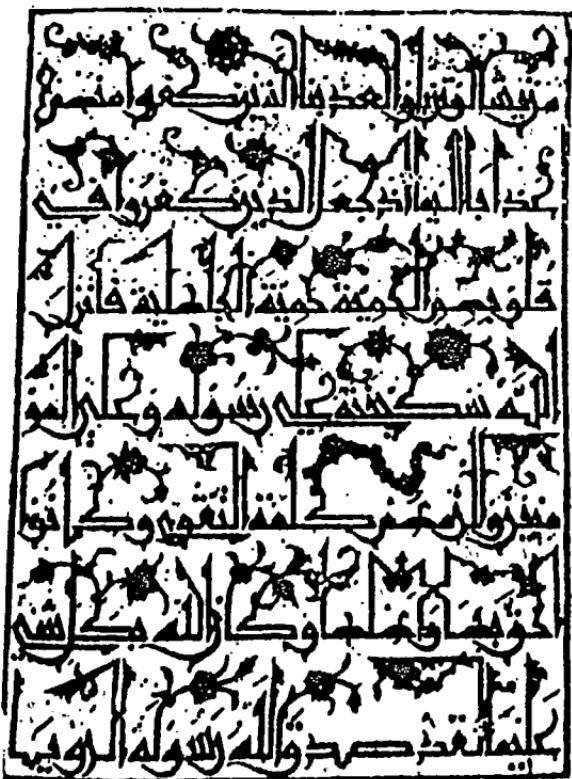
لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا منہم عذاباً الیما * إذ جعل الذین کفروا فی قلوبھم الحمیة حمیة الجاھلیة فأنزل الله سکینته علی رسوله و علی المومنین وألزمھم کلمة التقوی وکانوا أحق بھا وأھلھا- وکان الله بکل شیء علیما * لقد صدق الله رسوله الرؤیا سورہ فتح،

آیت ۲۵، ۲۶، ۲۷
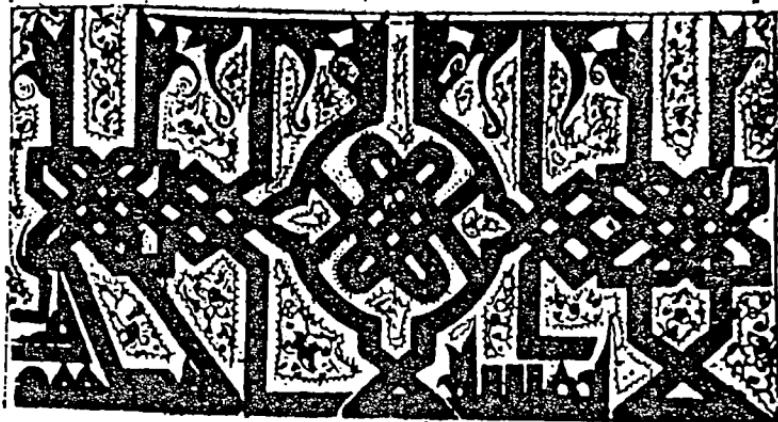
قومی اخبارات میں اس "یہودیانہ حرکت" پر شدید احتجاج ہوا جس کی صدائے بازگشت قومی اسمبلی میں بھی سنی گئی۔ہمارے وزیر باتدبیر نے اس پر "سخت کارروائی کی جائے گی" کا رسمی بیان جاری فرما دیا تو ڈیزائنر رضوان بیگ تو بھاگ کر کینیڈا جا بیٹھا اور مل مالکان کی طرف سے قومی اخبارات میں "اعتذار" شائع کر دیا گیا، چلئے بات ختم ہوئی۔ گویا حکومت اور مل مالکان نے اپنا فریضہ بخوبی ادا کر دیا۔

قومی اسمبلی میں وفاقی وزیر باتدبیر کے بیان کا متن درج ذیل ہے:

"کپڑے پر قرآنی آیات کی خطاطی کرنے والا ڈیزائنر روپوش ہو گیا"

"ٹیکسٹائل مل کے مالکان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی' بریگیڈیئر اصغر

"اسلام آباد ۲۶ مارچ (این این آئی) صنعت و پیداوار کے وفاقی وزیر بریگیڈیئر (ر) محمد اصغر نے کہا ہے کہ کپڑے کے ملبوسات پر قرآن

پاک کی خطاطی پرنٹ کرنے والے مالکان اور ڈیزائنر کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی' ڈیزائنر روپوش ہو گیا ہے' جسے سندھ حکومت تلاش کر رہی ہے' وہ منگل کو قومی اسمبلی میں مظفر احمد ہاشمی' حافظ تقی' شبیر انصاری' زہیر الرم ندیم اور مولانا عبدالرحیم چترالی کے توجہ دلاؤ نوٹس کا جواب دے رہے تھے' انہوں نے کہا کہ افسوس کے ساتھ یہ بات تسلیم کرنی پڑ رہی ہے کہ ایک ٹیکسٹائل مل نے کپڑے پر قرآنی آیات کی خطاطی کی' اس پر سندھ حکومت سے کہا گیا ہے کہ اس کی تحقیقات کرائی جائے۔ جوبلی اسپننگ مل نے یہ کپڑا تیار کیا تھا اور مل نے یہ کپڑا مارکیٹ سے واپس لے لیا ہے' مل مالکان نے معذرت کی ہے' جس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا' مل مالکان اور ڈیزائنر رضوان بیگ کے خلاف "سخت کارروائی" کی جائے گی' حافظ محمد تقی نے کہا کہ اگر مل مالکان نے معذرت کی ہے تو تحریری معافی نامہ ایوان میں پیش کیا جائے وفاقی وزیر نے کہا کہ معذرت اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ دیکھنا ہے کہ قابل قبول ہے یا نہیں۔ مظفر ہاشمی نے کہا کہ ڈیزائنر ملک سے فرار ہو گیا اسے واپس لا کر کارروائی کی جائے۔ شبیر انصاری نے کہا کہ مل مالکان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ زہیر اکرم ندیم نے کہا کہ ڈیزائنر رضوان بیگ کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہیے' اس پر مقدمہ بنایا جائے' مولانا عبدالرحیم چترالی نے کہا کہ قرآن پاک کے قدیم خطاطی نمونوں کو جدید قرار دے کر کپڑے پر پرنٹ کرنا اور پھر پاؤں گزار کر پہنانا انتہائی شرمناک حرکت ہے ۔یہ یہودی لابی کا کام ہے۔ ڈیزائنر رضوان بیگ وزیراعظم بے نظیر بھٹو کا بھی ڈریس ڈیزائنر ہے۔ رعنا شیخ پہلے محترمہ کی ڈریس ڈیزائنر تھیں جنہیں پی ٹی وی کا ایم ڈی بنا دیا گیا ہے' وزیر تعلیم خورشید شاہ نے کہا کہ کل سے مولانا چترالی اس ایشو کا مزا لے رہے ہیں

مولانا صاحب ماڈرن اور نان ماڈرن لڑکیوں کی وضاحت کریں۔ راؤ قیصر
نے کہا کہ قوم کو یہ کلچر پی پی پی نے دیا ہے"۔

صنعت و پیداوار کے وفاقی وزیر باتدبیر ڈیزائنر رضوان بیگ کو "روپوش" فرما رہے ہیں اور اس کی تلاش میں حکومت سندھ کو سرگرداں کر رہے ہیں، جب کہ وہ کبھی کا ملک چھوڑ کر فرار ہو چکا ہے۔

وزیر صاحب یہ بھی فرما رہے ہیں کہ اگرچہ مل مالکان نے معذرت کرلی ہے لیکن اس معذرت کو قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ سندھ حکومت کو "تحقیقات" کا حکم دے دیا گیا ہے۔ یہ بات کسی کی عقل میں آسکتی ہے کہ مل مالکان مبینہ طور پر عورتوں کے کپڑوں پر قرآنی آیات چھاپتے ہیں۔ اسی کی تشہیر ماڈل خواتین کو پہنا کر کرتے ہیں۔ جب قومی اخبارات میں اس پر احتجاج ہوتا ہے تو وہ قومی اخبارات میں معذرت شائع کراتے ہیں، مگر ہمارے وزیر صاحب اس کی "تحقیقات" پر حکومت سندھ کو مامور کرتے ہیں، نہ کسی کے خلاف مقدمہ درج ہوتا ہے، نہ کسی کو گرفتار کیا جاتا ہے، نہ کوئی عدالتی کارروائی عمل میں آتی ہے، البتہ "تحقیقات" کرائی جا رہی ہے کہ دوپہر کے وقت دن تھا یا رات تھی؟

وزیرے چنیں شہریارے چنیں۔

○

اوپر "دی مسلم" کے حوالے سے نقل کیا جاچکا ہے کہ:

"میاں محمد رفیع، چیف ایگزیکٹو کریسنٹ گروپ سے جب ٹیلی فون پر
رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ڈیزائن خطاطی نہیں ہے۔"

جوبلی مل کے چیف میاں محمد رفیع اس کو خطاطی تسلیم ہی نہیں کر رہے تھے، لیکن جب وہ "خواتین کے لئے عالمی معیار کے ملبوسات" کے نام سے قرآن کریم کی آیات کی خوب بے حرمتی کر چکے، اور غلیظ قسم کی ماڈل خواتین کو یہ لباس پہنا کر قرآنی آیات کی بے حرمتی کا تماشا پوری دنیا کو دکھا چکے، اور ان کو خطرہ محسوس ہوا کہ وہ مسلمانوں کی غیرت کا نشانہ بن کر رہ جائیں گے، تب ان کو خیال آیا کہ یہ سب کچھ انہوں نے "نادانستہ" کیا ہے،

اس لئے انہوں نے فوراً لاکھوں روپے کا خرچہ کر کے قومی اخبارات میں درج ذیل معذرت چھاپ دی۔

اعتذار

"الحمدللہ ہم اول و آخر مسلمان ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے۔ حال ہی میں ہمارے کپڑے کے ڈیزائن پر آیات کریمہ سے مبینہ مشابہت کا اظہار کیا گیا ہے، حالانکہ اس کپڑے پر جو پرنٹ چھپا ہے اس سے ہمارا مقصد نہ تو آیات پرنٹ کرنا اور نہ ہی کوئی اور عبارت شائع کرنا تھا۔ یہ محض ایک گرافک ڈیزائن تھا۔ اس کے باوجود ہم نے فوری طور پر ملک کے مقتدر اسلامی اداروں اور مفتیان کرام اور دارالعلوم کورنگی، دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اور دیگر ممتاز اداروں سے رابطہ کیا اور اس پرنٹ کو کوئی نہیں پڑھ سکے۔ تاہم از خود ہم نے فوری طور پر مذکورہ ڈیزائن پر مبنی اسٹاک ضائع کر دیا ہے اور نہ ہی بازار میں فروخت کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ہم اللہ رب العزت کے حضور استغفار کرتے ہیں اور اس نادانستہ مبینہ غلطی پر مسلمان بھائیوں کے جذبات مجروح ہونے پر معذرت خواہ ہیں اور کرم فرماؤں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہماری رہنمائی فرمائی۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم کی ایک بھی آیت کریمہ کی توہین کفر ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

میاں محمد رفیع کی معذرت کا یہ انداز بھی (ان کی لان کی طرح) کتنا نفیس اور کیسا شاندار اور دل ربا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے درج ذیل نکات پر غور کیجئے۔

(ا)..... سب سے پہلے اپنے اول و آخر مسلمان ہونے پر فخر کیا گیا ہے گویا چشم بددور! غلیظ عورتوں کی شلوار قمیض پر قرآنی آیات کو چھاپ کر ان کی تشہیر کرنا بھی میاں محمد رفیع کی

نظر میں لائق فخر اسلامی کارنامہ ہے جس پر ان کو اور پوری قوم کو فخر کرنا چاہئے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

(۲)... معذرت کے لئے اپنی غلطی کا اقرار و احساس لازم ہوتا ہے، مگر اس اعتذار میں کہا گیا ہے کہ:

"حال ہی میں ہمارے کپڑے کے ایک ڈیزائن پر آیات کریمہ سے مبینہ مشابہت کا اظہار کیا گیا ہے، حالانکہ اس کپڑے پر جو پرنٹ چھپا ہے اس سے ہمارا مقصد نہ آیات پرنٹ کرنا اور نہ ہی کوئی اور عبارت شائع کرنا تھا، یہ محض ایک گرافک ڈیزائن تھا"

یعنی مل مالکان کی باریک بین "عقل کل" میں اب تک یہ بات نہیں آئی کہ انہوں نے آیات شریفہ کو عورتوں کے کپڑے پر چھاپ کر کسی جرم کا ارتکاب کیا ہے، بلکہ یہ ان کے نزدیک آیات کریمہ سے مبینہ مشابہت کا اظہار کرنے والوں کی کوتاہ نظری ہے کہ انہوں نے "گرافک ڈیزائن" پر بلاوجہ آیات شریفہ سے مشابہت کی تہمت لگادی، اور ان کی غلط نظری نے آیات شریفہ کے الفاظ کو صاف صاف پڑھ لیا۔

(۳)... مزید ارشاد ہے کہ:

"اس کے باوجود ہم نے فوری طور پر ملک کے مقتدر اسلامی اداروں اور مفتیان کرام اور دارالعلوم کورنگی، دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن و دیگر ممتاز اداروں سے رابطہ کیا، اور اس پرنٹ کو کوئی نہیں پڑھ سکے"

اولاً: گزارش ہے کہ مہربان من! جب آپ چار دانگ عالم میں اپنے کپڑے کی تشہیر کر چکے اور اسے "عورتوں کے لئے عالمی معیار کا ملبوس" کے نعرے کے ساتھ ماڈل عورتوں کو پہنا چکے تو اس کے بعد آپ کو دینی اداروں سے رجوع کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر آپ کو اہل علم سے استصواب کرنا تھا تو جب ڈیزائنر نے آپ کو کاغذ پر ڈیزائن بنا کر دیا تھا آپ اس کی کاپی اہل علم کو دکھاتے، اگر وہ فرماتے کہ اس کو چھاپنے میں کوئی حرج

نہیں تو چھاپتے۔ آج بھی اگر ڈیزائنر کے تیار کردہ اصل ڈیزائن کی کاپی اہل علم کو دکھائیں تو وہ آپ کو بلاتکلف آیات پڑھ کر سنا دیں گے' الغرض اہل علم سے رجوع کرنے کی ضرورت کپڑے پر آیات چھاپنے سے پہلے تھی نہ کہ بعد میں۔

ثانیاً : آپ کے اعتذار کے الفاظ سے تاثر ملتا ہے کہ علمائے کرام نے گویا اس چھپائی کو بے ضرر قرار دے دیا' کیونکہ وہ پڑھی نہیں جاتی۔ گویا آپ ان تمام علماء کرام کو بھی اپنے جرم میں ملوث کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے' چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کا بیان تو اخبار میں آچکا ہے' جو حسب ذیل ہے۔

"کپڑے پر قرآنی آیات پرنٹ کئے جانے سے متعلق اعتذار پر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی وضاحت"

"کراچی (پ ر) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم شیخ الحدیث علامہ محمد حبیب اللہ مختار' مولانا مفتی نظام الدین شامزئی' مولانا عبدالقیوم چترالی' مفتی عبدالسمیع' مولانا عطاء الرحمٰن مولانا مفتاح اللہ' اور مولانا محمد امین انصاری نے ۲۶ مارچ کو جوبلی اسپننگ اینڈ ویونگ ملز لیمیٹڈ کراچی کے جانب سے کپڑے پر قرآنی آیات پرنٹ کئے جانے سے متعلق اخبارات میں شائع ہونے والے اعتذار کے بارے میں' جس میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا نام بھی استعمال کیا گیا ہے' وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ مذکورہ اشتہار میں غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے جامعہ کے فتویٰ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جامعہ کی انتظامیہ نے کہا ہے کہ کپڑے پر چھپی ہوئی آیات واضح اور صاف طور پر پڑھی جارہی ہیں اور اس سلسلے میں جامعہ کے دارالافتاء سے جاری کردہ فتویٰ میں کہا گیا تھا کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا ایک ایک حرف واجب التعظیم ہے' قرآن پاک کے کسی حصے کی

عمداً توہین موجب کفر ہے' صورت مسئولہ میں اگر ایسا دانستہ کیا گیا ہو تو موجب کفر ہے' ایسا کرنے والا شخص تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح بھی کرے اور وہ تعزیری سزا کا مستحق ہے اور اگر یہ لاعلمی میں ہوا ہے تو اس صورت میں مالکان یا ڈیزائنر گناہگار نہیں ہوں گے ایسے کپڑے کو مارکیٹ میں ہرگز نہ بھیجا جائے بلکہ ضائع کر دیا جائے' آئندہ کے لئے اس معاملے میں سخت احتیاط برتی جائے اور فی الوقت توبہ و استغفار کی جائے' یہ طریقۂ انبیاء ہے" (جنگ کراچی' یکم اپریل ۱۹۹۶ء)

اور دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء نے ہمارے استفسار پر یہ جواب لکھ کر دیا

"حامداً و مصلیاً: سوال منسلکہ اعتذار وغیرہ پر غور کیا' چند روز پہلے جوبلی ملز والوں کی طرف سے تین شخص ہمارے یہاں آئے تھے' اور انہوں نے چھپا ہوا ایک کپڑا اور اس کی فوٹو کاپی دکھائی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا' اس کے بارے میں انہوں نے فوری فتویٰ طلب کیا' ہم نے اس پر بنے ہوئے ڈیزائن کو سمجھنے کی کوشش کی' لیکن ڈیزائن چھوٹا ہونے کی وجہ سے 'ہم نے ان سے کہا کہ یہ کوئی رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت معلوم ہوتی ہے اور پھول پتیوں سے اس کو ناقابل فہم بنایا گیا ہے جو فی الحال سمجھ میں نہیں آ رہا' لہٰذا پہلے کسی ماہر خطاط سے اس کو پڑھوانا چاہئے 'اس کے بعد ہی اس پر فتویٰ دیا جا سکتا ہے' جس پر وہ واپس چلے گئے اور پھر واپس نہیں آئے۔

آپ نے سورہ فتح کی آیت نمبر ۲۵ ۲۶ اور ۲۷ کے اصل عکس سے بڑے عکس میں جو فوٹو کاپی منسلک کی ہے' اس پر غور کرنے سے مذکورہ آیات بخوبی سمجھ میں آ گئی ہیں اور واضح ہو گیا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کو پہننے کے کپڑے پر ڈیزائن کے طور پر چھاپا گیا ہے جو قرآن

کریم کی سخت بے حرمتی ہے اور سخت حرام ہے' اور ایسے کپڑے کو پہننا بھی درست نہیں' اور جوبلی ملز کے ذمہ دار' اور اس کے چھاپنے والے افراد بے حرمتی کے سنگین گناہ کے مرتکب ہیں جس کے لئے جوبلی ملز والوں پر لازم ہے کہ صدق دل سے توبہ کریں' اور آئندہ اس قسم کے معاملات میں تیقظ اور بیداری سے کام کرنے کا عہد کریں اور مذکورہ ملز کے جس شخص نے دانستہ یہ جرم کیا ہے کم از کم اس کو ملازمت سے برخاست کریں۔

آئے دن اس طرح کی بے حرمتی ٹیکسٹائل ملوں کی طرف سے سامنے آتی رہتی ہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کا ایسا سدباب کرے کہ آئندہ کسی کو اس طرح بے حرمتی کرنے کی جرات نہ ہو' واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	بندہ عبدالرؤف	الجواب صحیح
بندہ محمود اشرف غفراللہ لہ		محمد عبدالمنان عفی عنہ
۱۱۔۱۱۔۱۴۱۶ھ		دارالافتاء' دارالعلوم کراچی
		۱۱۔۱۱۔۱۴۱۶ھ

(۴)..... معذرت میں مزید کہا گیا ہے:

"تاہم از خود ہم نے فوری طور پر مذکورہ ڈیزائن پر مبنی اسٹاک ضائع کر دیا ہے اور نہ ہی بازار میں فروخت کیا گیا ہے۔"

جب آپ کو جرم کا اقرار ہی نہیں تو اسٹاک کو ضائع کرنے اور بازار میں فروخت نہ کرنے کی وجہ خوف خدا یا محاسبہ آخرت نہیں' بلکہ لوگوں کا منہ بند کرنا اور ثبوت جرم کو مٹانا ہی ہو سکتی ہے' وہ اسٹاک کہیں باہر ملک بھیج دیا گیا ہوگا' چونکہ اپنے ملک میں "عالمی معیار کے ملبوسات" ہضم نہیں ہو سکے' باہر کے لوگ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

(۵)..... مل مالکان سے یہ گزارش (ان کے دین و ایمان کی بھلائی کے لئے) بے جا نہیں

ہو گی کہ وہ اپنے گھناؤنے جرم پر تاویلات کے غلاف چڑھانے کی کوشش نہ کریں' بلکہ ایک سچے مسلمان کی طرح اپنے جرم کا اقرار و اعتراف کر کے بارگاہ الٰہی میں توبہ کریں۔

"نادانستہ" کا لفظ کہہ دینے سے جرم ہلکا نہیں ہو جاتا' اور نہ ہی آدمی بری الذمہ ہو جاتا ہے' ہاں! سچے دل سے جرم کا اقرار کر کے اس پر ندامت کا اظہار کرنا جرم کو عنداللہ لائق معافی بنا دیتا ہے۔

بعض گناہ ایسے سنگین ہیں کہ نادانستہ بھی سرزد ہو جائیں تو ان پر کفارہ لازم آتا ہے' کون نہیں جانتا کہ "قتل خطاء" نادانستہ ہی سرزد ہوتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے اس کی سزا (دیت ادا کرنے کے علاوہ) یہ مقرر فرمائی ہے کہ قاتل 'مسلمان بردہ آزاد کرے' اور اگر وہ میسر نہ ہو تو یہ مقرر فرمائی ہے کہ قاتل 'مسلمان دو مہینے کے مسلسل پے در پے روزے رکھے۔

قرآن کریم کی آیات کی نادانستہ بے حرمتی "قتل خطاء" سے کم درجہ کا گناہ نہیں' سوال یہ ہے کہ اگر آپ کو اپنے گناہ کا احساس ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے اس گناہ کا کیا تدارک کیا ہے؟ اور اگر احساس گناہ بھی پیدا نہیں ہوا تو توبہ و استغفار سے کیا نفع ہو گا؟ یہ صریح منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

○

کپڑوں پر قرآنی آیات چھاپنے کا یہ واحد واقعہ نہیں' بلکہ ایسا لگتا ہے کہ یہودیوں نے ایک سازش کے تحت یہاں اس کا جال پھیلا دیا ہے' حال ہی میں ایک صاحب نے مجھے کپڑے کا ایک ٹکڑا دکھایا' جس میں خط نسخ میں پوری سورہ فاتحہ چھپی ہوئی ہے' اور نستعلیق میں حافظؒ کے اشعار چھپے ہوئے ہیں' یہ بھی عورتوں کے پہننے کی لان ہے۔

○

اسی نوعیت کا ایک واقعہ ابھی چند دن پہلے اخبارات میں شائع ہوا جو درج ذیل ہے:

”قرآنی آیات والے کپڑے سلوانے کی خواہشمند خواتین کو درزی نے زخمی کر دیا“

”انکار کے باوجود کپڑے سلوانے پر اصرار سے مشتعل ہو کر محمد عارف نے مگدار عورتوں کے سر پر دے مارا“

”مذہب کی توہین پر خاموش نہیں رہ سکتا‘ جو کچھ کیا اللہ کے نام پر کیا‘ گرفتاری کے بعد بیان“۔

”کراچی (رپورٹ محمد عارف) قرآنی آیات والے کپڑے سلوانے کی خواہشمند دو خواتین کو درزی نے مگدار مار کر شدید زخمی کر دیا۔ واقعات کے مطابق پی ای سی ایچ ایس بلاک ۲ کمرشیل ایریا کے پلاٹ نمبر ۵۴۱ پر واقع درزی محمد عارف کے پاس منگل کی شام دو بوڑھی خواتین ثمینہ بخاری اور بشریٰ تاثیر اپنے ڈرائیور فیض الرحمٰن کے ہمراہ پہنچیں۔ ان خواتین نے درزی کو آیات والا کپڑا سینے کو دیا۔ درزی نے کپڑا دیکھنے کے بعد یہ کہہ کر سینے سے انکار کر دیا کہ اس پر اللہ و رسولؐ کے نام ہیں جس پر خواتین برہم ہو گئیں اور تلخ کلامی نے شدت پکڑ لی۔ درزی دکان کے اندر سے مگدا اٹھا کر لایا اور خواتین کے سر پر دے مارا اور کہا کہ مجھے بشارت ہوئی تھی کہ دو خواتین اس قسم کا کپڑا لے کر آئیں گی انہیں قتل کر دو۔ مگدا لگنے سے خواتین کے سر پھٹ گئے اور وہ بے ہوش ہو گئیں۔ ڈرائیور فضل الرحمٰن ان خواتین کو لے کر آغا خان اسپتال چلا گیا جہاں زخمی خواتین اب تک بے ہوش ہیں۔ بعدازاں ڈرائیور فضل الرحمٰن نے فیروز آباد تھانے میں رپورٹ درج کرائی۔ پولیس نے دفعہ ۳۰۷ کے تحت مقدمہ درج کر کے تفتیش شروع کر کے ملزم ۳۲ سالہ محمد عارف کو گرفتار کر کے مگدا برآمد کر لیا۔ تفتیشی افسر سب انسپکٹر اصغر

بیگ نے بتایا کہ تفتیش کے دوران ملزم نے کہا کہ یہ خواتین ہمارے مذہب کی توہین کر رہی تھیں۔ میں نے جو کچھ کیا اللہ کے نام پر کیا کیونکہ میں جو کام کرتا ہوں اللہ کے نام پر کرتا ہوں۔"

(روزنامہ جسارت ۲۸ مارچ)

یہود و نصاریٰ ایک طرف عورتوں کے ملبوسات پر قرآنی آیات اور اسلام کے اسماء مقدسہ چھاپ چھاپ کر مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کر رہے ہیں۔ میرے سامنے اس وقت پیرس اور مغربی ممالک کی ماڈل گرل نمائش کی کئی تصویریں موجود ہیں' اور دوسری طرف پاکستانی کپڑا تیار کرنے والوں کو "عالمی معیار کے ملبوسات" کا جھانسا دیا جا رہا ہے' تاکہ یہ پاکستانی بھی قرآنی آیات اور شعائر اسلام کی توہین میں یہود و نصاریٰ کی صف میں کھڑے ہو جائیں' اور تیسری طرف اگر ان ستم رانیوں کے خلاف آواز بلند کی جاتی ہے تو "امریکہ بہادر" کی طرف سے بنیاد پرستی کا فتویٰ فوراً جڑ دیا جاتا ہے' اور ہماری "زنانہ حکومت" اس امریکی فتویٰ پر صاد کرنے کے لئے بے تاب رہتی ہے' یہ تمام امور قہرالٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے' ہم ارباب اقتدار سے گزارش کرتے ہیں کہ خدارا قہرالٰہی کو دعوت نہ دیجئے' اور ایسے تمام لوگ جو اسلام اور قرآن کی حرمت سے کھیلتے ہیں ان کا سدباب کیجئے' اس سے قبل کہ مسلمانوں کو ان موذیوں کا علاج خود کرنا پڑے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل
وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ صفوۃ البریۃ
سیدنا محمد النبی الامی وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

(بینات ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ)

امریکہ کا انسانیت سوز پہلو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

" اخبارات میں مصر کے ایک نابینا عالم شیخ عبدالرحمن کا خط شائع ہوا ہے جو امریکی جیل میں "جرم بے گناہی" کی سزا کاٹ رہے ہیں، معروف صحافی جناب مجیب الرحمن شامی کے کالم میں روزنامہ جنگ کراچی بدھ ۱۵ مئی ۱۹۹۶ء کی اشاعت میں یہ خط ان کے تبصرہ کے ساتھ شائع ہوا، اس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :

امریکی جیل سے ایک خط

"ستاون (۵۷) سالہ شیخ عبدالرحمان کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل ایک نابینا عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں ایسی تاثیر رکھ دی ہے کہ ان کے الفاظ دلوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ وہ حافظ قرآن ہیں اور قرآن ہی ان کی زندگی ہے۔ جمال عبدالناصر کے عہد میں حوالۂ زنداں ہوئے۔ انور سادات کے قتل کا الزام ان پر لگا لیکن جرم ثابت نہ کیا جا سکا۔ افغان جہاد کے دوران وہ نوجوانوں کو اس میں شرکت پر تیار کرتے رہے۔ مصر میں نفاذ شریعت کا مطالبہ بھی ان کو عزیز رہا۔ حکومت نے ان کے راستے میں اس طرح دشواریاں کھڑی کیں کہ وہ امریکہ چلے گئے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگے۔

یہاں ان پر بعض امریکی تنصیبات کو تخریب کاری کے ذریعے تباہ کرنے کا الزام لگایا گیا۔ مصر کے صدر حسنی مبارک کے خلاف دہشت گردی کی منصوبہ سازی بھی ان

کے سر تھوپی گئی اور چند ہی ماہ پہلے انہیں اور ان کے ۹ ساتھیوں کو طویل لیکن مختلف المیعاد قید کی سزائیں سنائی گئیں۔ کم سے کم پچیس اور زیادہ سے زیادہ ستاون سال۔ شیخ نے اپنے اوپر عائد کئے جانے والے الزامات کی سختی سے تردید کی اور واضح طور پر کہا کہ بم بنانا اور نصب کرنا میرے لئے ممکن ہی نہیں اور نہ ہی کوئی مسلمان مبلغ اس طرح کی حرکت کر سکتا ہے۔

استغاثہ نے شیخ کی تقریروں کے بعض ٹکڑوں کو اس طرح کاٹ کاٹ کر جوڑا اور انہیں نیا سیاق و سباق یوں دیا کہ انہیں اپنی مرضی کے معانی دینا ممکن ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مصری جاسوس نے ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو کر ان کی تقریروں اور گفتگو کے ریکارڈ تیار کئے۔ اسے دس لاکھ ڈالر معاوضہ کے طور پر ادا کئے گئے۔ اسلامی علم الکلام اور اصطلاحات سے واقف لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاد اور جدوجہد کو تشدد پر اکسانے کا نام کس آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔

جناب شیخ اس وقت سپرنگ فیلڈ جیل میں ہیں' انہوں نے وہاں سے ایک خط دنیا بھر کے مسلمانوں کے نام لکھا ہے' جس کا متن اسلامی تحریک کے ممتاز مجلّے "کریسنٹ انٹرنیشنل" میں چھپا ہے۔ پاکستان میں صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے ہفت روزہ "تسخیر" نے اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ یہ خط لرزا دینے والا ہے۔ اگر اس کی نسبت شیخ کی طرف درست ہے تو پھر حقوق انسانی کے علمبردار کو شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔ اگر یہ خط جعلی ہے تو پھر امریکی سفارتخانے کو صورتحال کی وضاحت کرنی چاہئے۔ خط ملاحظہ ہو :

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔
سرور انبیاؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر' ان کی آل اور ان کے وفادار ساتھیوں پر روز قیامت تک نزول رحمت ہو۔ اس

جیل کے حالات جہاں میں مقید ہوں بدترین اور انتہائی ناگفتہ بہ ہیں۔ اس کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل حقائق سے کر سکتے ہیں۔

۱۔۔۔ امریکی حکام مذہبی آزادی اور عبادت کرنے کی آزادی کے جو دعوے کرتے ہیں وہ سب ایک فریب اور جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں اس جیل میں آنے کے بعد سے لے کر آج تک نہ تو مجھے نماز جمعہ پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اور نہ ہی باجماعت نماز ادا کرنے کی۔

۲۔۔۔۔ جیل میں مجھ سے انتہائی متعصبانہ اور ناروا امتیاز برتا جاتا ہے۔ جب دوسرے قیدی محافظ کو بلاتے ہیں تو محافظ فوراً ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ میں گھنٹوں اپنی کوٹھڑی کا دروازہ کھٹکھٹاتا رہتا ہوں لیکن مجھے کوئی جواب تک نہیں ملتا اور میری ضروریات پر بھی دھیان نہیں دیا جاتا۔

۳۔۔۔ بال اور ناخن ترشوائے بغیر مہینوں گزر جاتے ہیں اور اپنا زیر جامہ تک مجھے اپنے ہاتھوں سے دھونا پڑتا ہے۔

۴۔۔۔ مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا ہے (یاد رہے کہ شیخ عمر عبدالرحمٰن نابینا ہیں' ذیابیطس کے مریض ہیں اور بڑھاپے میں قدم رکھ چکے ہیں) اس حالت میں کوئی بھی میرا ساتھی اور میرا مددگار نہیں اور کچھ نہیں تو کم از کم میرا سامان وغیرہ درست کرنے میں میری مدد کرے۔ دن اور رات کے کسی بھی لمحے میں میرے ساتھ گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ۔مجھے کسی دوسرے قیدی کے ساتھ

علیک سلیک کرنے کی اجازت نہیں۔ میری کوٹھڑی کے نزدیک کسی دوسرے مسلم، غیر مسلم یا کسی ایسے شخص کی کوٹھڑی بھی نہیں ہے جو عربی بول سکتا ہو۔ میرے دن خاموش ہیں میری راتیں خاموش ہیں۔ یہ کس قدر اذیت ناک تنہائی اور کتنا بڑا ظلم ہے۔ ایسا کر کے وہ مجھے ذہنی اور جسمانی مریض بنا دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ مجھ سے مسلمان ہونے کا بدلہ لے سکیں۔ کیا یہ وہی انسانی حقوق ہیں جن کے شور سے ہوا کی لہریں اور ذرائع ابلاغ بھرے پڑے ہیں۔ انسانی حقوق کی دہائی دینے والے ہمیں صرف اس لئے مشقِ ستم بناتے ہیں کہ ہماری آواز کمزور ہے اور ہم بات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

۵ ------کیا آپ نے برہنہ تلاشی اور پوشیدہ اعضاء کی پردہ دری کے بارے میں کبھی سنا ہے۔ لوگ آئیں اور اوپر سے نیچے تک کپڑے اتار کر انسان کو اس حالت میں لے آئیں جس میں وہ پیدا ہوا تھا؟ خدا کی قسم جب بھی کوئی دوست یا عزیز (حالانکہ امریکہ میں میرا کوئی رشتہ دار نہیں تمام عالم اسلام میرا خاندان ہے) مجھ سے ملنے آتا ہے تو میرے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ ایک ملاقات کے بدلے میں مجھے دو مرتبہ برہنہ کیا جاتا ہے۔ جیل کے حکام مجھے کہتے ہیں کہ میں اپنے تمام کپڑے اتار دوں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اتنی بات پر مطمئن ہو جائیں گے لیکن جیل کا چیف گارڈ کرلنگ "ڈے" نامی ایک اور شخص اور جیل کے دوسرے بہت سے محافظ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں رانیں کھول کر آگے کی طرف جھک جاؤں اور پھر وہ جانوروں کی طرح .... شرمندگی اور ندامت

کی وجہ سے مزید کچھ کہنا زیب نہیں دیتا۔ میں اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے پوری مسلم امت سے یہ ضرور کہوں گا کہ وہ اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کریں۔ وہ میرے پوشیدہ اعضاء کی اچھی طرح تلاشی لیتے ہیں میرے ارد گرد کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے ہیں۔ جب میں مادر زاد برہنہ حالت میں جھکا ہوا ہوتا ہوں تو محافظ میرے ارد گرد گھومتے ہوئے میرے پوشیدہ اعضاء کے اندر جھانکتے ہیں اور جو شخص میرا اس طرح معائنہ کرتے ہوئے زیادہ وقت لیتا ہے اسے داد و تحسین کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ اس نے اپنا فرض نہایت تندہی سے انجام دیا ہے۔ وہ میرے ساتھ ایسا انسانیت سوز اور ذلت آمیز سلوک اس لئے کرتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں اور اسطرح کے سلوک کو میرے خدا نے منع فرمایا ہے۔

وہ ایسا کیوں نہیں کریں گے؟ انہیں تو ان کا شکار ہاتھ لگ گیا ہے' انہوں نے اپنی منزل مراد پالی ہے۔ وہ میرے جسم کے پوشیدہ اعضا میں کیا تلاش کرتے ہیں؟ کیا وہ میرے اعضاء میں ان ہتھیاروں' دھماکہ خیز مواد اور منشیات کو تلاش کرتے ہیں جو میں اپنی کال کوٹھڑی سے اپنے احباب تک پہنچاتا ہوں یا اپنے ملاقاتیوں سے لے کر اپنی کوٹھڑی میں لے جاتا ہوں۔ وہ ہر ملاقات کے بعد دو مرتبہ مجھ سے ناروا سلوک کرتے ہیں۔ اس مشکل گھڑی میں شرمندگی اور ندامت سے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اس سے پہلے کہ یہ لوگ میری تذلیل کریں زمین پھٹ جائے اور میرا

وجود نگل لے۔ کیا یہ بات ان لوگوں کے لئے خوش کن ہو سکتی ہے کہ جو اپنے دین اور اس کی عظمت کے محافظ ہیں؟

اے اخوت کے علمبردار بہادر لوگو! اے اپنے دین کی حفاظت اور احکام خداوندی کی تعمیل کرنے والو! اے دین کی عظمت و وقار کے لئے قربانی دینے والو! اے اللہ کے بندو! اب تو گہری نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ اپنی گرجتی ہوئی آواز کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ' اے اللہ کے بندو باہر نکلو تاکہ تمہاری آواز حق دنیا کے گوشے گوشے میں سنائی دے۔ اے بندگان خدا ایک ہو کر سچائی کی آواز بلند کرو برائی کا قلع قمع کر ڈالو۔ اس سے پہلے کہ کافرانہ جارحیت کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لے' آگ بجھا ڈالو۔

کیا جیلیں علماء کے لئے ہوتی ہیں یا مجرموں کے لئے؟ اہل کفر نے مسلمان امت کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا ہے' اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرو اور اہل کفر پر یہ ثابت کر دو کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے۔

اس قوم کو خواب غفلت سے کون بیدار کرے گا جو ہواؤں میں قلعے تعمیر کرتی ہے جس کا احساس مردہ ہو گیا ہے جو استعماری سازشوں کے خلاف کسی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کرتی۔ اگر اس قوم کے علماء کو بھیڑ بکریوں کی طرح جیلوں میں ٹھونس دیا گیا تو یہ قوم وقت کے غبار میں گم ہو جائے گی' کیا اس قوم میں خوف خدا رکھنے والے بہادر ختم ہو گئے ہیں؟ کیا اس کے پاس وہ مضبوط آواز نہیں جس کی دہشت سے برائی کا وجود ریزہ ریزہ ہو جائے؟ اے بندگان خدا مادی نقصانات کے خوف سے دامن چھڑا کر جسد واحد بن جاؤ۔"

(بینات صفر المظفر ۱۴۱۷ھ)

ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کا معاہدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۲۸؍مئی ۱۹۹۸ء میں پاکستانی سائنس دانوں نے اسلام، مسلمانوں اور خصوصاً پاکستان کی بقا اور تحفظ، اور ہندوستان کی مسلسل بڑھتی ہوئی جارحیت کو روکنے کے لئے کامیاب ایٹمی دھماکے کئے تو عالمِ اسلام میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، پڑوسی ملک بنگلہ دیش اور دوسرے اسلامی ممالک کی خوشی و مسرت دیدنی تھی۔ ایک دوست نے بتایا کہ اس دن ڈھاکہ میں مٹھائی لینے نکلا تو مجھے ناکام گھر لوٹنا پڑا، پوچھا تو معلوم ہوا کہ آج پاکستان نے ایٹمی دھماکے کئے ہیں، جن کی خوشی میں مسلمانوں نے اتنی مٹھائی بانٹی ہے کہ بازار سے مٹھائی ناپید ہوگئی، اور یہی حال دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا تھا۔ مگر پڑوسی ملک ہندوستان سے مسلمانوں کی یہ خوشی ہضم نہ ہوسکی اور اس کا ''معدہ'' خراب ہوگیا، امریکہ بہادر سے اس کی ''مظلومیت'' دیکھی نہیں گئی، وہ دن اور آج کا دن امریکہ نے پاکستان اور مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا، غالباً پندرہویں صدی کے فرعون امریکہ کے کان میں اس کے حواریوں نے یہ افسوں پھونک دیا ہے کہ پاکستان اسی طرح آزاد رہا اور اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ لگائی گئی تو وہ آپ کے خلاف موسیٰ بنی اسرائیل کا کردار ادا کرسکتا ہے، وہ نہتے مسلمان جو روس جیسی سپر طاقت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرسکتے ہیں، اگر ان کے پاس ایٹمی ہتھیار آگئے تو ان کا مقابلہ کسی کے بس

میں نہیں ہوگا۔ اس لئے امریکہ اور اس کے حواریوں پر رات دن یہی خبط سوار ہے کہ کسی طرح اس ''مست ہاتھی'' کو قابو کیا جائے، انہوں نے اس کا توڑ اور حل یہ نکالا ہے کہ پاکستان، ہندوستان اور اسرائیل ''سی.ٹی.بی.ٹی'' (ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کا معاہدہ) پر دستخط کردیں، بھارت اور اسرائیل کو تو صرف وزنِ بیت کے لئے شامل کیا گیا ہے، ورنہ بنیادی طور پر پاکستان کی گردن ناپنا مقصود ہے۔

شروع شروع میں تو ہمارے حکمرانوں نے بڑی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا، ایٹمی دھماکے کئے، اقتصادی پابندیوں کی پروا کئے بغیر آگے قدم بڑھاتے چلے گئے، حتیٰ کہ ''ایک وقت کھانا کھائیں گے، مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے'' جیسے ہیجان انگیز نعرے لگائے، عوام کو مسرور کیا، لیکن اب کچھ دنوں سے حکمرانوں کے مزاج اور ان کے تیور بدلے بدلے سے معلوم ہو رہے ہیں، اربابِ اقتدار کے بیانات اور اشتہارات سے اب یہی محسوس ہو رہا ہے کہ ہماری حکومت اس معاہدہ پر دستخط کے موڈ میں ہے، البتہ اس کا جواز تلاش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ کوئی جواز پیش کرکے دستخط کئے جائیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے نقصانات اور مضمرات کا صحیح معنی میں اندازہ نہیں، ورنہ وہ قطعاً اس کے لئے آمادہ نہ ہوتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند ایک نقصانات ذیل میں نقل کردیئے جائیں:

۱:...... پاکستان واحد مسلمان ملک ہے جس نے ایٹمی ہتھیار بنانے میں پہل کی ہے، اس وقت تقریباً تمام اسلامی ممالک کی نظریں پاکستان کی طرف ہیں، اگر پاکستان نے اس معاہدہ پر دستخط کردیئے تو ظاہر ہے کہ آئندہ دوسرے کسی مسلمان ملک کو اس کی جرأت نہیں ہوگی۔

۲:...... بوقتِ ضرورت پاکستان کسی دوسرے اسلامی ملک کو ایٹمی پروگرام فروخت کرکے اپنے معاشی حالات کی اصلاح کرسکتا ہے، جیسا کہ لیبیا اور ایران اس قسم کی پیشکش کرچکے ہیں۔

۳:......اگر پاکستان نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو پاکستان اس کا پابند ہوگا کہ اپنے ایٹمی پروگرام کو روک دے، بلکہ اس معاہدہ پر دستخط کے بعد وہ پہلے کے بنائے ہوئے ایٹم بم بھی نہیں رکھ سکے گا۔

۴:......اس سے ہماری عسکری اور حربی قوت ہندوستان کی نسبت کمزور ہوجائے گی۔

۵:......اگر ہم نے اس معاہدہ پر دستخط کر دیئے تو ہم اپنے تمام تر ایٹمی ری ایکٹر اور اسلحہ کے ذخائر، امریکہ بہادر کو دکھلانے کے پابند ہوں گے، بلکہ وہ اگر چاہے تو ایوانِ صدر، وزیراعظم ہاؤس اور دوسری تمام اہم جگہوں کی تلاشی لے سکتا ہے، اور ہم اس کے خلاف احتجاج بھی نہیں کرسکیں گے۔ اس سلسلہ میں عراق کا حشر ہمارے سامنے ہے۔

۶:......اس طرح پاکستان کسی دوسرے اسلامی ملک کی معاونت نہیں کر سکے گا، اور نہ ہی کسی دوسرے ملک کو یہ ٹیکنالوجی منتقل کر سکے گا۔

۷:......پاکستان اس معاہدہ میں دستخط کرنے کی شکل میں آئندہ امریکہ بہادر اور دوسری بڑی قوتوں کا باج گزار اور دستِ نگر بن کر رہ جائے گا۔

۸:......سب سے زیادہ اور تباہ کن یہ ہوگا کہ اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی صورت میں ارشادِ خداوندی: "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ....." کے مقابلہ میں امریکہ کے احکام کی تعمیل کر کے غضبِ الٰہی کے مورد بن جائیں گے۔

ان تمام وجوہ کے پیش نظر حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط کرنے کی غلطی کر کے اپنی تباہی کو دعوت نہیں دینی چاہئے، اگر خدانخواستہ موجودہ حکومت نے یہ غلطی کرلی تو یہ ملکی تاریخ کی بدترین غلطی ہوگی، اور قوم و ملت ان کے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین